لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (القرآن)

”حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے۔“

پیکرِ انوار ﷺ

(مقالات، مضامین، نعتیں)

تالیف

ڈاکٹر فہد انوار

شائع کردہ

علم و بصیرت

باہتمام	:	علم و بصیرت	
طبع اول	:	جون 2020ء	شوال المکرم ۱۴۴۱ھ
تعداد	:	1000	
ہدیہ	:	460روپے	
ناشر	:	علم و بصیرت	

ملنے کا پتہ

اسلامی کتاب گھر

خیابان سرسید سیکٹر2، راولپنڈی03005065172, 0333-545637

حافظ عبد الودود صاحب

محلہ جنگی، پشاور، 0300-9139402, 0312-9139402

علم و بصیرت

ایڈریس: مین آفس، علم و بصیرت، فرسٹ فلور، فلیٹ نمبر ۲، پلاٹ نمبر ۱۴۱، اسٹریٹ نمبر ۳، بلاک A، سیکٹر O-۹، نیشنل پولیس فاؤنڈیشن اسلام آباد

فون نمبر: 92518746252+ ای میل:contact@ilmobaseerat.org

فہرست مضامین

ادیبِ باکمال و شاعرِ خوش مقال

مولانا **مفتی محمود الحسن محمود** زید مجدہم

مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ کاروانِ ملت اسلام آباد

پیکرِ انوار۔۔۔۔ایک سعادتِ دائمی

سیرت کے لغوی معنیٰ ”راستہ“ کے ہیں اور اصطلاحِ شرعی میں اس کا اطلاق سید الاولین والآخرین، سیدِ دو عالم، جناب نبی کریم ﷺ کے حالات و واقعات اور تعلیمات کے مجموعے پر ہوتا ہے۔شاہ عبد العزیزؒ نے سیرت کی تعریف یہ بیان کی ہے: ”جو کچھ ہمارے پیغمبر، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے مبارک وجود کے متعلق ہو اور حضور ﷺ کی پیدائش سے وفات تک واقعات پر مشتمل ہو، وہ سیرت کہلاتا ہے“۔

چونکہ حضرت محمد ﷺ کسی خاص قوم، گروہ اور نسل و خطے کی رہنمائی کے لیے نہیں بھیجے گئے، بلکہ پوری انسانیت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں، اس لیے آپ ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کا مشن عالمی ہے۔ یہ مشن قرآن مجید کے دائمی اصولوں کی تعبیر و تفسیر ہے۔آپ ﷺ کی سیرت کو قرآن مجید نے ”اسوۂ حسنہ“ قرار دے کر انسانوں کو اس کا پابند کر دیا۔ آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کے ایک ایک پہلو کو سیرت نگاروں نے محفوظ کیا۔ سیرتِ مبارکہ کے موضوع پر ہر دور کے رجحانات کے مطابق نئے اسالیب میں اور جدید مناہج پر کتب تحریر کی گئی ہیں، جن پر بلا تفریقِ مذہب و وطن اہلِ قلم نے لکھ کر دائمی سعادت حاصل کی ہے۔ آج تک اسلامی علوم و فنون پر جتنا لکھا گیا، اس میں غالب حصہ سیرتِ رسول ﷺ کا ہے۔ اردو زبان اس حوالے سے مالامال ہے کہ محققین کی ایک جماعت سیرت نگاروں پر مشتمل ہے۔ یہ سلسلہ مولا نا

سید سلیمان ندویؒ کی رحمت عالم ﷺ سے برادرم ڈاکٹر فہد انوار کی ''پیکرِ انوار'' تک پھیلا ہوا ہے۔ایک اندازے کے مطابق اردو زبان میں دس ہزار سے زائد کتب سیرتِ طیبہ پر تیار کی گئی ہیں، لیکن

تھکی ہے فکرِ رسا، مدح باقی ہے قلم ہے آبلہ پا، مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا، مدح باقی ہے اور عمر تمام لکھا، مدح باقی ہے

''پیکرِ انوار'' سیدِ دوعالم ﷺ کی سیرتِ اطہر پر لکھے ہوئے وہ مضامین ہیں، جو ڈاکٹر فہد انوار صاحب کے سادہ اور بے ساختہ قلم سے نکلے اور ماہنامہ ''کاروانِ ملت'' اسلام آباد میں شائع ہوتے رہے۔کاروانِ ملت کی پالیسی کے مطابق سیرت نگاروں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ طے شدہ عناوین کے تحت سیرت پر لکھیں۔چنانچہ یہ کتاب بھی سیرتِ سید دوعالم ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر لکھی گئی تحریروں کا مجموعہ ہے۔اس کے ساتھ ساتھ چونکہ برادر موصوف عمدہ شعری ذوق بھی رکھتے ہیں، اس لیے اپنی تحریر کے بہترین الفاظ اور سجع بندی کو بھی نعت کی شکل میں ڈھال کر سیدِ دوعالم ﷺ کے حضور پیش کیا ہے۔

مجھے اس بات کے یقین کرنے میں ذرا بھر تامل نہیں کہ یہ سعادت کا وہ مقام ہے، جو کسی کسی کا نصیب ہوا کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ میرے بھائی کی اس کاوش کو نافع بنائے اور دارین میں اس کی برکتوں سے مالا مال کر دے۔آمین یارب العالمین بحرمۃ النبی الکریم۔

محمود الحسن محمود

مدیر اعلیٰ: ماہنامہ کاروانِ ملت، اسلام آباد

جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ / 5 جنوری 2020ء (بروز منگل)

استاذ المحققین

پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی زید مجدہم

ڈین کلیہ عربی وعلومِ اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ علیٰ من لا نبی بعدہ!

علومِ اسلامیہ میں سیرت طیبہ کو یہ امتیازی مقام حاصل ہے کہ اس کا دائرہ اثر زمان و مکاں کی حدود سے ماوراہے۔ اجتہادی شان کا حامل عالم ہو یا ضروریاتِ دین کی حد تک علم رکھنے والا مسلمان، عہدِ رسالت میں بسنے والا مسلمان ہو یا عصرِ حاضر کا کلمہ گو، معاشرتی زندگی ہو یا خانگی معاملات، خطیبِ بے بدل ہو یا شاعرِ خوش نوا، بادشاہ ہو یا گدا سب کے لیے منبعِ نور اور سرچشمۂ علم و عرفان نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ اطہر ہے۔

قرونِ اولیٰ سے لے کر عہدِ موجود تک سیرتِ طیبہ کے مختلف گوشوں پر اتنا کام ہو چکا ہے، جس کا صرف تعارف کئی جلدوں کا متقاضی ہے۔ اسے صاحبِ سیرت ﷺ کا معجزہ اور حیاتِ مقدسہ کی حفاظت کا الٰہی نظام ہی کہا جائے گا کہ نظم اور نثر میں، عرب اور عجم میں، مشرق اور مغرب میں نت نئے انداز سے حیاتِ مقدسہ پر لکھا گیا ہے۔ تادمِ تحریر بھی تحقیقی اداروں سے لے کر انفرادی سطح تک نامعلوم کتنے اللہ کے بندے اسی مشغلے میں اوقاتِ زندگی بسر کرنے کی سعادتیں سمیٹ رہے ہیں۔

عزیز القدر ڈاکٹر فہد انوار صاحب نے اپنی کتاب ’’پیکرِ انوار‘‘ کے ذریعے سید الاولین والآخرین ﷺ کی سیرت کے مختلف گوشوں کو امت کے سامنے لانے کی سعی کی ہے۔ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ زبان سادہ اور دل نشین ہو۔ بات باحوالہ کی

جائے۔ موضوعات اکثر وہ ہیں، جن کا تعلق معاشرتی مسائل سے ہے۔ان مسائل کے حوالے سے سیرتِ طیبہ سے رہنمائی حاصل کی گئی ہے۔

کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصنف کی اپنی کہی ہوئی نعتیں بھی شامل ہیں، جن سے قاری کو ایک خوشگوار تاثر ملتا ہے۔ میں اپنی مصروفیات کے باعث اس کتاب کو بالاستیعاب نہیں دیکھ سکا، لیکن جہاں سے ملاحظہ کیا، مفید پایا۔ڈاکٹر فہد صاحب نے میرے زیر نگرانی علومِ اسلامیہ میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات بڑی محنت سے لکھے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کی موجودہ کاوش بھی مثبت اثرات سمیٹے ہوئے ہے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مصنف کو دنیاو آخرت میں اس کا بہترین بدلہ دیں اور اس کتاب کو امت کے لیے نفع بخش بنادیں۔ آمین

پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی

ڈین کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ، 8 جنوری 2020ء

زینتِ بزمِ نقشبندیہ، داعیٔ سنتِ مصطفویہ

حضرت ڈاکٹر امتیاز احمد عباسی مدظلہم العالی

خانقاہ مجدّدیہ F-6/1، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی علّم بالقلم والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیآء، وآلہ، واصحابہ، وعلیٰ خیر الامم۔

رمزِ قرآں، روحِ ایماں، جانِ دیں
ہست حبِّ رحمتٌ لّلعالمیں

حضرت محمد ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو تمام انسانوں کے لیے مینارۂ نور ہے۔ دارین کی فلاح انہی کی تعلیمات اور سنن کے اتباع پر موقوف ہے۔ لہٰذا حضورِ اکرم ﷺ کی قولی اور عملی ہدایات سے واقفیت بہ نیتِ اتباع و عمل ہر شخص کے لیے مفید و مغتنم ہے۔

سیرت نگاری ہو یا نعت گوئی، ہر دو سید الکونین حضرت محمد ﷺ کی محبت و عظمت سے قلب و ذہن کو آراستہ کرتی ہیں یا ان میں اضافے کا باعث ہوتی ہیں۔

عزیز القدر جناب مفتی ڈاکٹر فہد انوار صاحب کی تالیف "پیکرِ انوار" کو مختلف مقامات سے پڑھنے کے بعد راقم اس نتیجے پہ پہنچا ہے کہ واقعی یہ اسم با مسمیٰ ہے۔ ویسے بھی جن کی بابت اس کتاب میں لکھا گیا ہے اور جن کی مدحتِ منظومہ اس میں تحریر ہے، ان کا نام ہی اس کتاب کو وقیع بنانے کے لیے کافی ہے۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے، مری زباں کے لیے

تالیف پر کچھ تحریر کرنے سے قبل مؤلف کے متعلق کچھ زیب قرطاس کرتا ہوں۔میں ذاتی طور پر مؤلف موصوف سے 17 برس سے زائد عرصے سے واقف ہوں۔اللہ تعالیٰ نے موصوف کو کثیر الجہتی خوبیوں سے نوازا ہے۔موصوف جدید و قدیم کا آمیزہ ہیں۔انہوں نے علومِ دینیہ وعصریہ کے ساتھ ساتھ علومِ باطنیہ کی دولت سے بھی وافر حصہ پایا ہے۔

موصوف ایک متبعِ شریعت حافظِ قرآن ہیں، جو اب تک 25 مرتبہ تراویح میں قرآن پاک سنا چکے ہیں۔موصوف حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم جیسے متبحر عالم و فقیہ (جنہیں عرب و عجم اپنا استاد مانتے ہیں)کے براہ راست تلمیذ رہ چکے ہیں۔دارالعلوم کراچی میں دورۂ حدیث اور جامعہ محمدیہ اسلام آباد سے افتاء کے علاوہ علومِ اسلامیہ میں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔سلسلۂ نقشبندیہ کے انتہائی اسباق کر رہے ہیں اور صاحبِ اجازت ہونے کے بعد سے اپنا حلقۂ ارادت بھی رکھتے ہیں۔

چونکہ مؤلف موصوف کئی مرتبہ تبلیغی اسفار میں میرے ہم سفر بھی رہے اور کچھ عرصہ قبل مع اہل وعیال میرے ساتھ عمرے کا مبارک سفر بھی کر چکے ہیں، لہٰذا کسی سطحی واقفیت کی بنا پر نہیں، بلکہ میں واقعتاً مؤلف موصوف کی خوبیوں کا معترف ہوں۔علم و عمل اور جذبہ دینی سے سرشار انسان ہیں۔موصوف دیگر لوگوں لیے کے لیے عہدِ حاضر میں نمونۂ عمل ہیں۔

جس طرح کلام اپنے متکلم کا عکاس ہوتا ہے، تالیف اپنے مؤلف کی عکاس کیوں نہ ہو؟ڈاکٹر صاحب کا سیرت کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال اور جذباتِ قلبیہ کا نعتوں کے ذریعے اظہار، ان دونوں کے مجموعے کا نام ہے ’’پیکرِ انوار‘‘۔زیرِ نظر کتاب میں سیرت کے

کئی پہلو اجاگر کیے گئے ہیں۔ جہاں تک احاطے کا تعلق ہے تو یہ کسی کے بس میں نہیں ہے۔ خود ڈاکٹر فہد صاحب کی کتاب کا جو مسودہ میرے پاس ہے، اس کے صفحہ نمبر 196 پر ان کی نعت کا شعر درج ہے، جو مجھے بہت پسند ہے کہ

ہزاروں نعت کہتے تھے ہزاروں نعت کہتے ہیں
مکمل ہی نہیں مدحت رُخِ انور میں باقی ہے

نظم و نثر کا یہ مجموعہ دینی ادب کے ذخیرے میں کارآمد اضافہ ہے۔ انداز و اسلوب عام فہم ہے۔ لہٰذا زیادہ لوگ مستفید ہو سکتے ہیں۔ وقفے وقفے سے نظم و نثر کا تبدّل دلچسپی برقرار رکھتا ہے۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کی اس علمی کاوش کو شرفِ قبول عطا فرمائیں۔ اگر کوئی فروگزاشت ہو تو درگزر فرمائیں۔ اسے انسانوں کے لیے عموماً اور مسلمانوں کے لیے خصوصاً استفادے کا ذریعہ بنائیں اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو تعلیماتِ نبویہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں زندگی گزار کر فلاحِ دارین حاصل کرنے کی توفیق سے نوازیں۔ (آمین)

دعاگو و دعاجو:

امتیاز احمد عباسی

خانقاہ مجددیہ، F-6/1 اسلام آباد

پیر ۷ اجمادی الاول ۱۴۴۱ (بمطابق ۱۳ جنوری ۲۰۲۰)

والدِ گرامی قدر پروفیسر قاضی محمد سلیم صاحب مدظلہم العالی

سابق صدر شعبۂ عربی وعلوم اسلامیہ اسلام آباد ماڈل کالج F-7/3

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں نے عزیزم ڈاکٹر حافظ محمد فہد کے وقتاً فوقتاً مختلف رسالوں اور اخبارات میں چھپتے رہنے والے مقالات، مضامین اور نعتوں کے مجموعے "پیکرِ انوار" کا مطالعہ کیا ہے، الحمد اللہ! مؤلف نے جس صنف پر طبع آزمائی کی، اس کا پورا پورا حق ادا کیا ہے۔

عزیزم فہد انوار کی تحریر و تقریر اور نعت میں حضور ﷺ سے کامل محبت کا عکس ملتا ہے۔ فاضل مؤلف کی طرف سے ہمارے معاشرے کے نوجوان طبقے کے کردار کو نبوی سانچے میں ڈھالنے کے لیے ایسے موضوعات کا انتخاب نہایت عمدہ کاوش ہے۔ اللہ کریم زورِ قلم اور زیادہ کریں۔

چونکہ عزیزم خود ایک باعمل انسان ہیں، اس لیے ان کی تحریر و تقریر میں اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ دوسروں کو کس طرح باعمل مسلمان بنایا جاسکتا ہے، تاکہ وہ اس مادی دور میں دنیا کے ساتھ ساتھ دین کے تقاضوں کے مطابق اپنی عارضی زندگی گزارنے کے قابل بن سکیں۔

آپ کو مقالات ، مضامین اور نعتوں کا مزہ اس کتاب میں ایک ہی جگہ ملے گا۔ اگرچہ میں اس بات سے پوری طرح واقف ہوں کہ موجودہ دور میں کتب بینی کا شوق ختم ہوتا جارہا ہے، لیکن پھر بھی ایک گروہ اِس وقت ایسا موجود ہے اور موجود رہے گا، جو علم و حکمت کے موتیوں سے اپنا دامن بھرنے کے لیے بے قرار رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کو اس محنت کا دنیااورآخرت میں بہترین اجر عطا فرمائے اور تبلیغِ دین کے لیے لیے اس جلائے ہوئے چراغ سے آگے سیکڑوں چراغ جلتے رہیں، تاکہ دین کی اشاعت کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری اور ساری رہے۔

قاضی محمد سلیم

سابق پرنسپل و نگران ایوننگ شفٹ

اسلام آباد ماڈل کالج G-10/4 اسلام آباد

پیش لفظ

الحمدللہ رب العٰلمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ سیدالمرسلین و علیٰ الہ و أصحابہ اجمعین، وعلیٰ کُلِ من تَبِعَھُم باحسان الیٰ یوم الدین، أمابعد! ان سطور کو رقم کرتے ہوئے بندے کا دل مسرت اور شکر کے جذبات سے لبریز ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اپنے بڑوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ نبیٔ اکرم، سرورِ عالم، شافعِ محشر، محمد مصطفیٰ، احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے کچھ گوشوں پر لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ میں نے خود ہی موضوع کی عظمت اور اپنی کم ہمتی کا اعتراف ایک شعر میں یوں کر دیا ہے:

میں کیسے لکھوں پیکرِ انوار ﷺ کی سیرت
اک جلوہ گہِ نور ہے سرکار کی سیرت

یہ کتاب میرے سیرتِ طیبہ پر لکھے ہوئے مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے اکثر ماہنامہ "کاروانِ ملت" میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے محرّک صَدیقِ مکرم مولانا محمود الحسن محمود زید مجد ہم ہیں۔ بندہ ان کا بطورِ خاص شکر گزار ہے۔ آخری مضمون انگریزی میں ہے۔ چونکہ وہ بھی سیرتِ طیبہ پر ہے، لہٰذا اسے بھی اسی کتاب میں شامل کیا جارہا ہے۔

مضامین کے علاوہ کچھ نعتیں بھی شامل ہیں، جن سے پڑھنے والے کو مصنف کے جذبات تک رسائی مزید سہل ہو جائے گی۔ کوشش کی گئی ہے کہ ہر دو تین مضامین کے بعد نعت کے گل ہائے عقیدت سے پڑھنے والے کے دل و دماغ کو مزید معطّر کیا جاسکے۔

اس کتاب کی اشاعت میں برادرِ عزیز جناب عمیر جمال صاحب نے خصوصی دلچسپی لی ہے۔ ان کے زیرِ نگرانی سید احمد علی صاحب اور دیگر رفقائے کار نے محنت سے

طباعت کے تمام مراحل پورے کروائے ہیں۔اللہ تعالیٰ سب کو اپنی شان کے مطابق اجر دیں۔(آمین)

اگر اس کتاب کو پڑھ کر سرورِ کونین ﷺ سے تعلق میں اضافہ محسوس ہو تو مصنف،اس کے والدین، دیگر احباب اور ناشرین کو عافیتِ کاملہ کی دعا سے نواز دیجیے گا۔

ڈاکٹر فہد انوار

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ / ۷ جنوری ۲۰۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

میں کیسے لکھوں پیکرِ انوار کی سیرت
اک جلوہ گہِ نور ہے سرکار کی سیرت

کلیوں کی مہک، رونقِ گلزار کی سیرت
دل جس سے سکوں پاتا ہے دلدار کی سیرت

اس فخرِ رسل سیدِ ابرار کی سیرت
تابندہ و پُرنور ہے سردار کی سیرت

ہمدرد و مہربان کی غم خوار کی سیرت
تہذیب سکھاتی ہوئی اقدار کی سیرت

رحمت کی گھٹا، ابرِ گہر بار کی سیرت
عالم میں ضیاء جس سے ہے سالار کی سیرت

افکار کی سیرت ہے جو کردار کی سیرت
اللہ سے فقط اس کے طلب گار کی سیرت

منزل کا پتہ دیتی ہے سرکار کی سیرت
عظمت کا جہاں پیکرِ انوؔار کی سیرت

نبیِ کریم ﷺ کی بیان کردہ مثالیں

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے حضور ﷺ کی گفتگو کی کیفیت بتائیں۔ یہ حضرت ہند بن ابی ہالہ عرب کے 'وصّاف الحلیہ' تھے۔ وصّاف الحلیہ اس آدمی کو کہتے ہیں، جو الفاظ کے ذریعے کسی کا حلیہ قائم کر دے۔ چنانچہ حضرت ہند بن ابی ہالہ نے آپ ﷺ کی گفتگو کا نقشہ کھینچا، جس میں یہ بھی فرمایا کہ آپ ﷺ اکثر اوقات خاموش رہتے، بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی تمام گفتگو شروع سے آخر تک منہ بھر کر ہوتی تھی۔ جامع الفاظ کے ساتھ کلام فرماتے۔ الفاظ کم اور معنی زیادہ ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کا کلام ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا۔ نہ تو اس میں فضول باتیں ہوتیں اور نہ ضرورت سے اتنی کم ہوتیں کہ مطلب پوری طرح واضح نہ ہو۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، ج: 22، ص: 155)

اس بات کی تائید احادیثِ مبارکہ کے اس عظیم ذخیرے پر سرسری نگاہ ڈالنے سے ہو جاتی ہے، جو آج تقریباً ساڑھے چودہ صدیوں بعد بھی آب و تاب کے ساتھ ہمارے درمیان موجود ہے۔ اِسے معجزے کے علاوہ کیا نام دیا جائے کہ ایک اُمّی اور ناخواندہ شخص کی زبان سے ایسے کلامِ مُعجِز کا ظہور ہو جائے، جو بجائے خود فصاحت و بلاغت کا معیار بن جائے۔ جب حدیثِ پاک کا طالبِ علم کتبِ حدیث کی ورق گردانی کرتا ہے تو اسے یہ جان کر خوش گوار احساس ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کلام فرماتے ہوئے مخاطَبین کی نفسیات کی رعایت کی ہے۔ انہوں نے کلام کو مُغلق و پیچیدہ بنانے کے بجائے ایسا واضح کر دیا ہے کہ ہر دور کا آدمی (حسبِ ظرف) اس کی مراد معلوم کر سکے۔

روز مرہ زندگی میں کسی بات کی تفہیم و تشریح میں مثال کی جو اہمیت ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ اگر مشکل سے مشکل بات کو مثال کے ذریعے سمجھا دیا جائے تو وہ ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔ مثال دیتے ہوئے مُمَثَّل اور مُمَثَّل لہ میں کسی حد تک مطابقت بھی ضروری ہے۔ مُمَثَّل سے مراد وہ ہے، جس کو مثال بنایا جائے اور مُمَثَّل لہ سے مراد وہ ہے، جس کے لیے مثال دی جائے۔ ان دونوں کے ذریعے مثال بیان کر کے مخاطب کو بات سمجھائی جاتی ہے۔ مثال کی اس افادیت کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے بہت سی مثالیں پیش فرمائی ہیں۔ ان مثالوں کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم ذخیرہ تیار ہو سکتا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں "ابواب الامثال" کے نام سے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے۔ امام موصوف اس کے تحت حدیثیں لاتے اور اپنی عادت کے مطابق سندِ حدیث پر کلام بھی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی احادیثِ اَمثال کی ایک بڑی تعداد ہے، جو حدیث کی مختلف کتابوں میں بکھری ہوئی ہے۔ ان احادیث میں بعض جگہوں پر تشبیہ بھی دی گئی ہے۔ علم البیان میں ایک شے کو کسی دوسرے شے کے ساتھ کسی مشترکہ صفت کی بِنا پر ملا دینے کو تشبیہ کہتے ہیں۔ جیسے بہادری کی بنا پر کسی کو شیر کہنا، خوب صورتی کی بنا پر کسی بچے کو پھول کہنا... چونکہ تشبیہ میں بھی ایک شے کو دوسری کے مانند قرار دے کر واضح کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم تشبیہ والی احادیث کو بھی احادیثِ اَمثال ہی تصور کریں گے۔ اب ہم احادیثِ اَمثال سے متعلق چند نکات لکھتے ہیں:

1۔ نبی کریم ﷺ نے کبھی تو پہلے مثال بیان فرمائی، پھر جس چیز کے لیے مثال لائی، اسے بیان فرمایا۔ یعنی ممثل کو ممثل لہ پر مقدم کیا۔ بسا اوقات اس کے برعکس فرمایا، یعنی ایک چیز کو بیان فرمایا، پھر اس کی مثال دی۔ گویا ممثل لہ کو ممثل پر مقدم فرمایا۔ اول صورت کی مثال دیکھیے، جس میں مثال پہلے بیان فرمائی:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال بیان فرمائی، جیسے راستے کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں۔ ان میں کھلے ہوئے دروازے ہیں۔ ان دروازوں پر پردے ہیں۔ ایک بُلانے والا ہے، جو راستے کے ایک سِرے پر بیٹھا ہے اور ایک اَور بُلانے والا ہے۔ یہ مثال دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سلامتی والے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے، سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے اور راستے کے دونوں طرف کے دروازے اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی حدود ہیں۔ پس جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حدود پامال کرنے لگے تو پردہ اٹھ جاتا ہے۔ جب کہ دوسرا پکارنے والا اس کے رب کا واعظ ہے۔ (ترمذی، جلد2/ 585، رحمانیہ)

دوسری صورت، جس میں آپ ﷺ نے مثال بعد میں بیان فرمائی:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حدوں میں چشم پوشی سے کام لینے والوں اور حدود پامال کرنے والوں کی مثال اس قوم کی سی ہے، جس نے قرعہ اندازی کے ذریعے بحری جہاز کی منزلیں مقرر کر لیں۔ بعض نچلے حصے میں ہیں اور بعض اوپر کے حصے میں ہیں (پانی اوپر کے حصے میں ہے)، جب نیچے والا پانی لینے کے لیے اوپر کے حصے میں جاتا ہے، تو وہ یہ خیال کر کے کہ ہمارے اس طرح آنے جانے سے اوپر والوں کو اذیت ہوتی ہے، جہاز کے نچلے حصے میں کلہاڑے سے سوراخ کرنے لگے۔ اوپر والے اس کے پاس آئے اور اس سے وجہ پوچھی۔ نیچے والے نے کہا کہ مجھے پانی کی ضرورت ہے اور تمھیں میرے آنے جانے سے تکلیف ہوتی ہے۔ پس اگر اوپر والوں نے اسے روک دیا تو اسے ڈوبنے سے بچا لیا اور خود بھی بچ گئے اور اگر چھوڑ دیا تو اسے بھی ہلاک کیا اور خود بھی ہلاک ہو گئے۔ (مشکوۃ: 436، قدیمی)

2۔بسا اوقات رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کا امتحان فرماتے تھے۔ان کے ذوق میں ترقی کے لیے اور ان کی ذہنی صلاحیتوں کو مزید جِلا بخشنے کے لیے ان سے کسی چیز کی مثال دے کر دریافت کرتے۔ جیسے بخاری شریف میں متعدد بار آنے والی درج ذیل حدیث:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ایک درخت ہے، جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی طرح ہے۔ مجھے بتاؤ کہ وہ کون سا ہے ؟لوگ صحراؤں کے درخت شمار کرنے لگے۔ میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، لیکن (کم عمر ہونے کی وجہ سے) میں شرم کے مارے چپ رہا۔لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں بتا دیں کہ وہ کون سا درخت ہے ؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے بعد میں اپنے والد کو اپنے دل کی بات بتائی تو انہوں نے فرمایا اگر تو (اپنے دل میں آنے والی) بات کہہ دیتا تو مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتی۔(بخاری:1 / 85،رحمانیہ)

ایک اور مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بخیل اور خرچ کرنے والے کی مثال ایسے ہے، جیسے دو شخصوں نے لوہے کے جبّے پہنے ہوئے ہوں، جو (فقط) ان کے پستانوں سے پسلی کی ہڈی تک ہوں۔ پھر خرچ کرنے والا تو جب بھی خرچ کرتا ہے تو جبہ اس کی جلد پر پھیلتا جاتا ہے۔ حتی کہ اس کی انگلیوں کے پَورے ڈھانپ لیتا ہے۔(اس طرح خرچ کرنے والے کا دل خوش ہوتا ہے اور کھلتا ہے) اور بخیل جب بھی

خرچ کا ارادہ کرتا ہے تو جبے کا ہر کڑا تنگ ہوتا ہے۔ وہ اسے لمبا کرتا ہے تو وہ کھلتا نہیں۔ (یعنی مال خرچ کرنے کا خیال آئے تو بخیل کا دل تنگ ہوتا ہے)۔ (بخاری: 1 / 276، رحمانیہ)

۳۔ بسا اوقات نبی کریم ﷺ کو کوئی مثال رویائے صالحہ (اچھے خوابوں) کے طور پر بیان کی گئی۔ آپ ﷺ نے اسے امت پر پیش فرمایا۔ جیسے ترمذی شریف میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے:

ایک روز رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ پھر فرمایا کہ میں نے نیند میں دیکھا کہ جبرائیل (علیہ السلام) میرے سر کی طرف کھڑے ہیں اور میکائیل (علیہ السلام) میرے پاؤں کی طرف کھڑے ہیں۔ ان میں سے ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ اِس شخص کے لیے مثال بیان کرو۔ دوسرے نے کہا: پوری توجہ سے سنو! آپ ﷺ اور آپ کی امت کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک بادشاہ نے محل بنایا۔ اس میں ایک گھر تیار کیا۔ اس میں دستر خوان بچھایا، اس کے بعد کھانے کی دعوت کے لیے نمائندے بھیجے۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے تو نمائندوں کی دعوت قبول کی اور کچھ لوگوں نے قبول نہیں کی۔ پس اللہ تعالیٰ تو بادشاہ ہوا اور محل اسلام ہے۔ گھر جنت ہے اور اے محمد ﷺ! آپ رسول ہیں۔ جس نے آپ کی دعوت قبول کی، وہ اسلام میں داخل ہوا اور جو اسلام میں داخل ہوا، وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ جو جنت میں داخل ہو گیا، اس نے اس کے اندر کی چیزیں کھائیں۔

(ترمذی: 2 / 575، رحمانیہ)

نیز ذخیرۂ احادیث میں ایسی مثالیں بھی بہ کثرت ملتی ہیں، جن میں نبی کریم ﷺ نے تشبیہ کا انداز اختیار فرمایا ہے:

ان لکل شی قلبا وقلب القرآن یٰسٓ۔

(مشکوۃ، ص:187، مدینہ)

ہر شے کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل یٰس ہے۔

۴۔ کہیں آپ ﷺ نے تشبیہ یا مثال دیتے ہوئے اشارہ بھی فرمایا جیسے:

''بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ هَكَذَا'' وَيُشِيرُ بِإِصْبَعَيْهِ فَيَمُدُّ بِهِمَا۔

(بخاری: 2/ 963، دارالقرآن و الحدیث)

میں اور قیامت ایسے مبعوث کیے گئے ہیں، جیسے یہ! آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کے ذریعے اشارہ فرمایا اور دونوں کو پھیلا دیا۔

موسموں کی تبدیلی

(تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں)

اگر ہم اپنے اردگرد پھیلی کائنات کا چند لمحے مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ خالقِ بزمِ عالم نے اسے ایک خوب صورت تنوّع بخشا ہے۔ دن اور رات کے اختلاف، چاند اور سورج کے آنے جانے، سردی و گرمی کے اتار چڑھاؤ، تاروں کی چمک، صبح میں کلیوں کی مہک اور آسمان کا یوں ہو جانا کہ جیسے رات بھر اس پر تاروں کی بساط جمی ہی نہ تھی، طلوعِ شمس و غروبِ آفتاب، صحرا کی لو، برسات کی رم جھم، خزاں کے زرد پتے، غرض یہ کہ ایک طرف تو: ؎

تم نے دیکھا ہے کبھی ایک نظر شام کے بعد
کتنے چپ چاپ سے لگتے ہیں شجر شام کے بعد

اور دوسری طرف: ؎

چند لمحوں میں نگاہوں کو سحر دے دے گا
سورج ابھرے گا تو خود اپنی خبر دے دے گا

موسموں کی یہ تبدیلی اور رات دن کا الٹ پھیر ابتدائے عالم سے جاری ہے۔ اگر اسے عقلِ انسانی کی کسوٹی پر پرکھا جاتا تو اس کا تعلق کائنات میں رونما ہونے والی بعض تبدیلیوں سے جوڑ کر بات ختم کر دی جاتی۔ تاہم اگر پیغمبرانہ تعلیمات کی روشنی میں موسموں کی رونما ہونے والی اس تبدیلی کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس کا سبب ایک نظر نہ آنے والی ہستی کا فیصلہ ہے، جو ان تبدیلیوں کے ذریعے اپنی پہچان کرواتی ہے۔ نبی کریم ﷺ جو

کلامِ الٰہی لے کر آئے اور جس نے انسان پر اپنی حقیقت کو کھولا، اس کلامِ مقدس کی درج ذیل آیات سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ موسموں میں ہونے والی تبدیلیاں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ آیات کے ترجمے ملاحظہ فرمائیں:

1: بے شک آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور دن رات کے بدلنے میں اور وہ کشتی، جو سمندر میں لوگوں کے لیے نفع بخش چیزیں لے کر چلتی ہے اور وہ پانی، جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے اتارا۔ پھر اس کے ذریعے زمین کو زندہ کیا، بعد اس کے کہ وہ مر چکی تھی اور اس میں ہر قسم کے چوپائے پھیلا دیے اور ہواؤں کے چلنے اور بادل جو آسمانوں اور زمینوں کے درمیان مسخر رہتے ہیں، یقیناً ان میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔ (البقرۃ:164)

2: بے شک آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ (آل عمران:490)

یہ آیات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں نظر آنے والا تنوّع اتفاقی نہیں، بلکہ اس کے پیچھے ایک طاقت وَر ذات کا ارادہ کار فرما ہے۔ ان تبدیلیوں سے انسان کو ایک سبق ملتا ہے اور عقیدۂ توحید میں پختگی آتی ہے۔

مشرکینِ عرب کا عقیدہ تھا کہ فلاں ستارہ طلوع ہوتا ہے تو بارش ہوتی ہے۔ اگرچہ کسی خاص ستارے کے طلوع ہونے کے وقت سے بارش برسنا ممکن ہے اور ایسا خیال رکھنا بذاتِ خود جائز ہے، لیکن بارش کے برسنے کے پیچھے حقیقی طور پر مؤثر ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ بندۂ مومن کا اعتقاد بالاصل صرف اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہیے۔ چونکہ کفار ستارہ طلوع ہونے کو بارش برسنے میں مؤثر بالذات سمجھتے تھے، لہٰذا ان کو اس شرکیہ کلمے مُطِرْنَا بِنَوءِ کذا سے منع کر دیا گیا، بلکہ جیسا کہ آگے آئے گا، آنحضور ﷺ بادل

چھانے، بجلی کڑکنے، ہوا چلنے سے لے کر بارش برسنے تک ہر ہر موقع پر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ موسم بدلنے کو کس نظر سے دیکھتے تھے؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے، جس میں فرمایا کہ جہنم نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ اس کے بعض حصے نے بعض کو کھالیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے سال میں دومرتبہ سانس لینے کی اجازت دی۔ ایک سردی میں اور ایک گرمی میں۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب الابرادِ بالظھر فی شدۃ الحر)

اسی کے ساتھ گرمی کی شدت کو جہنم کی آگ کی لپٹ سے متعلق کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ موسم کے بدلنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو اپنا اندازِ فکر بدلنے کا ایک موقع سمجھتے تھے۔ سابقہ امتوں میں سے بعض کو آندھیوں اور سیلاب کے عذاب آئے تھے۔ چونکہ حضور ﷺ کو ان امتوں کے عذاب سے آگاہ کیا گیا تھا، لہٰذا آپ ﷺ کو اپنی امت کے بارے میں ایسے حالات آنے کی فکر رہتی تھی۔ آپ ﷺ کی یہ کیفیت اس سب کے باوجود تھی کہ آپ قرب و رضائے الٰہی کے اس مقام پر فائز تھے، جہاں اولین و آخرین میں سے کوئی نہ پہنچ سکا۔ بادل، بارش اور بجلی کے کڑکنے کے وقت آپ ﷺ کا کیا عمل ہوتا تھا؟ ''حیاۃ الصحابۃ'' کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں:

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ بادل گرجنے اور بجلی کڑکنے کی آواز سنتے تو فرماتے:

"اللّٰھم لا تَقْتُلْنا بِغضبِكَ ولا تُھلِكْنَا بِعذابكَ وعافنا قبل ذٰلكَ"

اے اللہ! ”ہمیں اپنے غصے سے قتل نہ فرما اور اپنے عذاب سے ہلاک نہ فرما اور ہمیں اس سے پہلے ہی عافیت نصیب فرما“۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ آسمان کے کنارے میں اٹھتا ہوا بادل دیکھتے تو کام چھوڑ دیتے اور اگر نماز میں ہوتے تو اسے مختصر کر دیتے، پھر یہ کلمات ارشاد فرماتے:

”اَللّٰهم انی أعوذبك من شرِّها“

اے اللہ! ”میں اس بادل کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں“۔

اگر بارش ہو جاتی تو فرماتے:

”اللهم صَيِّبًا هَنِيْئًا“

اے اللہ! ”اسے بہت برسنے والا، لیکن بابرکت اور نفع بخش بنا دے“۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تیز ہوا چلتی تو نبی کریم ﷺ یہ دعا مانگتے:

”اللهم انی اسئلكَ خيرَها و خيرَ ما فيها و خيرَ ما أرسلت به و أعوذبك من شرها و شر ما فيها و شر ما أرسلت به“۔

اے اللہ! ”میں تجھ سے اس ہوا کی خیر اور جو کچھ اس میں ہے، اس کی خیر اور یہ ہوا جو کچھ دے کر بھیجی گئی ہے، اس کی خیر مانگتا ہوں۔ اور تجھ سے اس ہوا کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے، اس کے شر سے اور یہ ہوا جو کچھ دے کر بھیجی گئی ہے، اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں“۔ (حیاۃ الصحابۃ:۲/۳۸۸، فیضی)

یہ حضور ﷺ کی چاند دیکھنے، کڑک سننے، بادل آنے اور تیز ہوا چلنے کے وقت کی کی دعائیں ہیں۔ بادل، بجلی اور بارش کے علاوہ بھی جب کبھی موسم میں کوئی خلافِ معمول تغیّر واقع ہوتا تو نبی کریم ﷺ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرماتے۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ ایک دفعہ سورج گرہن ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ ایسے خوف زدہ اور گھبرائے ہوئے اٹھے، جیسے کہ آپ کو ڈر ہو کہ اب قیامت آجائے گی۔ آپ ﷺ مسجد تشریف لائے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کو نہایت طویل رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ یہ نشانیاں ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے۔ یہ کسی کی موت وحیات کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتیں، بلکہ بندوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرنے کے لیے ظاہر ہوتی ہیں۔ جب تم ایسی کوئی چیز دیکھو تو خوف اور فکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اس کو یاد کرو اور اس سے دعا اور استغفار کرو۔

(صحیح بخاری، کتاب الکسوف)

آپ ﷺ کا آسمان میں واقع ہونے والے تغیّرات کے علاوہ زمینی تغیرات میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع ہوتا تھا۔ چنانچہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے زمین میں خشک سالی کے بعد قحط بڑھے تو آپ ﷺ نے استغفار کی نماز اور دعا کا طریقہ سکھایا۔

(صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء)

جناب نبی کریم ﷺ غیر معمولی موسمی تغیّرات کے ساتھ ساتھ معمول کی موسمی تبدیلیوں اور نئے مہینے کی آمد پر بھی اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت کے طلب گار رہتے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نیا چاند دیکھتے تو فرماتے:

اللھُمَّ اَھِلَّہ علینا بالیُمنِ والایمان والسَّلامۃِ والاسلام، رَبِّی و رَبُّكَ اللہ۔

اے اللہ !تو اس چاند کو ہم پر برکت اور ایمان کے ساتھ، سلامتی اور اسلام کے ساتھ نکال۔ (اے چاند) میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نیا چاند دیکھتے تو فرماتے:"ھلالَ خیرو رُشد" یعنی یہ خیر اور ہدایت کا چاند ہے۔پھر تین مرتبہ یہ کلمات فرماتے:

''اللھم انی أسئلکَ من خیرِھذاالشھرِو خیرِالقدرِو أعوذبکَ من شرِّہٖ'' ۔

اے اللہ ! ''میں تجھ سے اس مہینے کی بھلائی اور تقدیر کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں'' ۔(حیاۃ الصحابہ:۲/ ۳۸۷، فیضی)

یہ چند احادیثِ مبارکہ بطور مثال پیش کی گئی ہیں۔انہیں دیکھنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ موسموں کی تبدیلی کو سرسری نہیں سمجھتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی سمجھتے اور انہیں معرفتِ الٰہیہ میں ترقی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔پیغمبرانہ منصب کی ان ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ انسانی جذبات کی رعایت اس اعلیٰ درجے میں فرماتے تھے، جو آپ ﷺ کے انسانِ کامل ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ جب آپ ﷺ کی خدمت میں نیا پھل پیش ہوتا تو آپ اس کو آنکھوں اور ہونٹوں پر رکھتے اور یہ ارشاد فرماتے:

''اللّٰھم کما أرَیْتنَا أوَّلَہٗ أرِنَا اٰخِرَہٗ''

''اے اللہ! جس طرح آپ نے ہمیں اس پھل کا شروع دکھلایا، اسی طرح اس کا آخر بھی دکھلا''۔پھر آپ ﷺ کی خدمت میں جو سب سے کم عمر بچہ ہوتا، وہ پھل اسے عنایت فرماتے۔(اسوۂ رسول اکرم ﷺ، نئے پھل کا استعمال،بحوالہ زاد المعاد)

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

درود ان پر، سلام ان پر، جو رحمتِ کل جہاں ہوئے ہیں
شعور کے قافلے سبھی ہی، انہی کے دم سے رواں ہوئے ہیں

غبارِ ظلمت سے چُھپ گئے تھے، شجر شجر بھی، حجر حجر بھی
چراغِ ہستی جلا گئے ہیں، نہاں ستارے عیاں ہوئے ہیں

حیات پھر سے ہوئی ہے ظاہر، لہو تمنا کو مل گیا ہے
وہ علم و حکمت کے کہنہ پیکر، نئے سرے سے جواں ہوئے ہیں

وہ سنگ کھا کر دعائیں کرنا، وہ دشمنوں کو معاف کرنا
وہ عظمتوں کا بلند منارہ، جہاں میں روشن نشاں ہوئے ہیں

وہ شفقتوں کا عظیم پیکر، محبتوں کا شفاف چشمہ
وہ بحرِ عرفاں ہیں فخرِ انساں، وہ حق کی سچی زباں ہوئے ہیں

وہ عاصیوں کو امیدِ رحمت، وہ خاطیوں کو معاف کرنا
چلو انہی کی مدح کریں ہم! جو مجرموں کی اماں ہوئے ہیں

فواحش کی روک تھام

(تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں)

اِک پورا تمدن ہے تیری سیرتِ اطہر
تہذیب نے سیکھا کہ ہے تہذیب کا فن کیا

یوں تو عالمِ انسانیت پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے احسانات کی فہرست طویل ہے، جس کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ البتہ ان بے شمار احسانات میں سے ایک عظیم مہربانی عفت و عصمت کا وہ پاکیزہ نظام ہے، جس کی تابانیوں سے تاریک دل جگمگا اٹھتے ہیں۔ ایک لمحے کو ماضی میں جھانکتے ہیں۔ فاران کی چوٹیوں سے آفتابِ نبوت ابھی طلوع نہیں ہوا، انسانی قدریں جاہلی عصبیت کی بھینٹ چڑھ رہی ہیں، خدا کی دھرتی پر انانیت اور نفسانیت کا دور دورہ ہے، قتل و قتال عام ہے، رقص و سرود کی محفلیں جمتی ہیں، مینا و جام کا دور چلتا ہے، رشتے ناتوں سے بے خبر لوگ چند روزہ زندگی پر تن من دھن قربان کیے جا رہے ہیں۔ ایک نظر حماسہ کی شاعری کو دیکھیں، سبعہ معلّقہ پڑھ کر دیکھیں تو فحاشی، پست ذہنی، مال، زر، زن اور قبائلی عصبیت کے مناظر چہرہ بدل بدل کر ملیں گے۔ شعراء کے ہاں تشبیب کے اشعار کو بلند مقام حاصل ہے، جس میں عورت کے حسن و جمال کا تذکرہ کیا جاتا تھا۔ اس پس منظر کو سامنے رکھ کر نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے پاکیزہ نظامِ حیات کی اہمیت کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

نَجاشی شاہِ حبشہ کے دربار میں مسلمانوں کے متکلم سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی تقریر سے نبی علیہ السلام کے برپا کیے ہوئے انقلاب کا نقشہ سامنے آتا ہے۔ یورپ کے صنعتی

انقلاب اور مختلف ملکوں میں عیّارانہ تسلط کے بعد یورپی تہذیب نے محکوم قوموں کے دل و دماغ کو بھی متاثر کیا۔ یہ تہذیب مادے کی محبت و تعلق سے عبارت تھی۔ لہٰذا اس میں اعلیٰ روحانی اقدار کی جگہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ نتیجتاً اس میں نفسانی خواہشات کی پیروی اور شہوانی جذبات کی اندھی تقلید نظر آتی ہے، جو عقل پر پردے ڈال کر انسان سے گھٹیا حرکات کرواتی ہے۔ ہم اپنے اردگرد پھیلے ہوئے فواحش اور بے حیائیوں کو دیکھیں تو سب میں نفسانی خواہشات کی پیروی کارفرما نظر آتی ہے۔ بے پردگی، ناچ گانا، سازباجے، گالم گلوچ، بدکاری وغیرہ میں سے ایک ایک فحش کام دیگر کئی فواحش کو فروغ دیتا ہے۔

آج مسلمانوں کی اکثریت والا ہمارا معاشرہ سلگ رہا ہے۔ گھرانے تباہ ہو رہے ہیں۔ اولاد والدین کی نافرمان ہے۔ پابندیوں کو اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا اور ٹی وی وغیرہ پر ایسے مناظر دکھائے جا رہے ہیں، جن کا کبھی زبان پر لانے سے مر جانا بہتر سمجھا جاتا تھا۔ موبائل فون نے نوجوان لڑکے لڑکیوں کو خوب صورت پیکیجز کے نام پر مفت میں طویل گفتگو کے مواقع فراہم کر دیے ہیں۔ کئی نوجوان ان ناکام محبتوں کی بھینٹ چڑھ کر تباہ ہو چکے ہیں۔ وہ ڈیپریشن کا شکار ہو کر زندگی میں عملی کاموں سے محروم ہو گئے ہیں۔ ایسے وقت میں امید کی کرن صرف اور صرف نبی کریم ﷺ اور آپ کے سچے پیروکاروں کی تعلیمات ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ نبی ﷺ کی زندگی اور تعلیمات میں ان فواحش کو روکنے کے لیے کیا تدبیریں بتلائی گئی ہیں۔

حیا کی تاکید:

حیا اس جذبے کا نام ہے، جو ملامت اور الزام کے خوف سے کسی کام کے کرنے سے باز رکھتا ہے۔ حیا اچھی بھی ہو سکتی ہے، جب کہ کسی برائی سے ہو اور بُری بھی ہو سکتی ہے،

جب کسی نیک کام کرنے سے مانع ہو۔ البتہ جب عام طور پر حیا کا لفظ بولا جاتا ہے تو کسی گندے کام اور گناہ سے رُکنے پر بولا جاتا ہے۔ لہٰذا اب حیا کا مفہوم برائی، گندگی وغیرہ سے ملامت و الزام کے خوف سے رُکنا ہے۔ یوں تو حیا کا جذبہ فطری طور پر انسان میں القا بھی کیا گیا ہے، لیکن صاحبِ شریعت ﷺ نے اپنی تعلیمات سے اس کو مؤکد اور راسخ کیا ہے۔ حیا کو ایمان کا لازمی حصہ قرار دیا گیا ہے۔ حیا و ایمان کو لازم و ملزوم بتایا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

"حیا اور ایمان ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اٹھ جائے تو دوسرا خود بخود اٹھ جاتا ہے"۔ (مشکوٰۃ، کتاب الادب)

ایک دوسری حدیث میں ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ حیا کو قرار دیا گیا ہے۔ (ایضا)

رسولِ اطہر ﷺ خود بھی امت کے سامنے عملی نمونہ چھوڑ گئے ہیں۔ آپ ﷺ کی زوجۂ مطہرہ امّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ عادتاً سخت گو تھے اور نہ باتکلف سخت گو بنتے تھے۔ آپ بازاروں میں خلافِ وقار باتیں کرنے والے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے۔ آپ ﷺ معاف فرما دیتے تھے۔ غایتِ حیا سے آپ کی نگاہ کسی شخص کے چہرے پر نہ ٹھہرتی تھی۔ اگر کسی نا مناسب بات کا کسی ضرورت سے ذکر کرنا ہی پڑتا تو کنایہ میں فرماتے۔ (نشر الطیب)

نگاہ کی حفاظت: فواحش کی روک تھام کا دوسرا نبوی علاج:

قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ میں مومن مردوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کو نامحرم عورتیں دیکھنے سے بچائے رکھیں۔ ایسی عورتوں کو کھلے طور پر دیکھنے سے باز رہیں۔ اسی طرح مومن عورتوں کو بھی نامحرم مردوں کو دیکھنے سے روکا گیا ہے۔، اس کی وجہ خود نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد گرامی سے معلوم ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! کسی عورت پر اچانک نگاہ پڑ جائے تو نظر پھیر لو۔ اس پر دوسری نگاہ نہ ڈالو۔ پہلی نگاہ تمہاری ہے، مگر دوسری نگاہ تمہاری نظر نہیں ہے۔ (بلکہ وہ شیطان کی طرف سے ہے)

(مشکوٰۃ، کتاب النکاح باب النظر)

اِس طرح نبی کریم ﷺ نے شیطان کے بہت بڑے جال میں پھنسنے سے بچنے کا بہت بڑا گُر امّت کو بتلا دیا۔ شیطان نگاہ کے ذریعے غیر عورت یا مرد کی محبت دل میں ڈال کر برائی اور بدکاری کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ انسان حسنِ ظاہر پر فریفتہ ہو کر ایمان کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل جو شخص اپنی نگاہوں کی حفاظت کرتا اور نامحرم کو شدید مجبوری کے علاوہ نہیں دیکھتا، اسے دنیا میں نقد انعامات و حلاوتِ ایمانی ملتی ہے۔

ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو مسلمان کسی عورت کے حسن و جمال کو (اچانک) دیکھ کر اپنی آنکھ بند کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک ایسی عبادت نکال دیتا ہے، جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں پاتا ہے"۔

(مسند اَحمد، تتمہ مسند الانصار)

بہر حال بد نگاہی شیطان کا ایک مؤثر ہتھیار ہے، جس کے ذریعے اس نے بڑے معرکے سر کیے ہیں۔ نبی علیہ السلام کی دعاؤں میں نگاہ کے شر سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ ہمارے دور میں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی بدولت، نیز بے پردگی کے سبب بد نگاہی کا مہلک مرض عام ہو چکا ہے۔ اکثر و بیشتر اس کی برائی کا تصور بھی ختم ہو چکا ہے۔ لوگ کھلے عام نامحرم کو دیکھتے ہیں اور پھر سوچ کے پاک ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی سیرت کے درج ذیل واقعے سے سبق لینا چاہیے:

امِ سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں اور حضرت میمونہ بھی موجود تھیں۔ایک نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواج سے فرمایا کہ ابنِ امِّ مکتوم سے پردہ کرو۔ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ وہ تو ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیاتم دونوں بھی نابیناہو کہ تم انہیں نہیں دیکھ سکتیں؟(ابوداؤد، کتاب الآداب)

فواحش کی روک تھام کا تیسرا نبوی نسخہ: پردہ کی پابندی:

مومن مردوں اور عورتوں کو نگاہوں کی حفاظت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مومن عورتوں کو اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے جسم کو نامحرم مردوں سے چھپائیں، تاکہ مردوں کو بدنگاہی کا موقع میسر ہی نہ آسکے اور بدکاری کا سدِّباب ہو۔ چنانچہ عورت کے لیے سب سے پہلے تو اس بات کو پسند کیا گیا ہے کہ وہ بغیر کسی شرعی مجبوری کے گھر سے باہر ہی نہ نکلے۔اگر بدرجہ مجبوری نکلے تو اپنے جسم کے کپڑوں پر چادر، برقعہ لے، جس سے اصل کپڑوں کا بھی پردہ رہے۔اگر کام کاج کی وجہ سے بڑی چادر برقعہ نہ لے سکے، مثلاً گھر کی خادمہ ہے تو منہ ہاتھ کلائیوں تک اور پاؤں ٹخنے تک چھوڑ کے باقی سارا جسم ڈھانپ لے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کے لیے گھر سے باہر نکلنے میں کوئی حصہ نہیں، مگر بحالت اضطراری و مجبوری۔

(اسوۂ رسول اکرم ﷺ۔بحوالہ طبرانی)

آپ ﷺ نے ایک صحابیہ اسماء رضی اللہ عنہا کو نصیحت فرمائی کہ جب عورت بالغ ہوجائے تو ایسا لباس مت پہنے، جس سے اس کا جسم نظر آئے۔

(سنن اَبی داوٗد، باب: فیما تبدی المرأۃ من زینتھا)

چوتھا نسخہ: اختلاط سے اجتناب:

نبی کریم ﷺ نے نگاہوں کی حفاظت اور پردے کی پابندی کے ساتھ بھی نامحرم مرد اور عورت کے تنہا ملنے پر سخت پابندی لگائی ہے۔ چونکہ تنہائی میں برائی سے رُکنے کا کوئی معاشرتی مانع موجود نہیں ہوتا، لہٰذا ایسے وقت میں آدمی شہوانی جذبات سے مغلوب ہو کر برائی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی ﷺ نقل کرتے ہیں کہ تم ایسی عورتوں کے پاس مت داخل ہو، جن کے شوہر موجود نہیں ہیں۔ کیونکہ شیطان تمہاری رگوں میں خون کے ساتھ چلتا ہے۔ (مشکوۃ، کتاب النکاح، باب النظر)

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: نامحرم عورتوں کے پاس مت جاؤ۔ ایک انصاری نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! دیور کے بارے میں کیا رائے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”دیور تو موت ہے“۔ (یعنی اس سے بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے)۔ (ایضاً)

ایک اور جگہ نامحرم کے ساتھ تنہائی کی قباحت یوں بیان فرمائی ہے کہ غیر عورتوں کے ساتھ تنہائی میں رہنے سے بچو۔ قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ جب بھی کوئی مرد کسی غیر عورت کے ساتھ تنہائی میں ہو تو ان کے درمیان تیسرا شیطان آجاتا ہے اور اپنا وار کرنے لگتا ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: 7830)

جس طرح غیر مرد اور عورت کا تنہا ہونا خطرناک ہے، اسی طرح مجمع میں بھی غیر عورت کے ساتھ مرد کے جسم کا چھونا حرام ہے۔ نبی ﷺ نے اس پر شدید نکیر فرمائی ہے۔ آج کل ہمارے ہاں یہ وبا بھی پھیلتی جا رہی ہے کہ ایک ہی خاندان کے نامحرم مرد و عورت ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں۔ جن پبلک مقامات پر رش ہوتا ہے، وہاں اس

کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ غیر مرد و عورت ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوتے ہیں۔ غیر مرد و عورت کا اس قسم کا اختلاط غیر شرعی ہے۔ نبی ﷺ نے اس کے مفاسد کو بیان فرمایا ہے۔ ارشادِ گرامی ہے کہ آدمی کا بدبودار سڑی ہوئی کیچڑ میں لتھڑے سور سے ٹکرا جانا گوارا ہے، اس کے مقابلے میں کہ اس کے شانے کسی ایسی عورت سے ٹکرا جائیں، جو اس کے لیے حلال نہ ہو۔ (اسوۂ رسول اکرم ﷺ۔بحوالہ ابو داؤد)

پانچواں نسخہ: کانوں کی حفاظت:

نگاہوں کے غلط استعمال پر پابندی، پردے کی تاکید اور غیر مرد و عورت کے اختلاط سے بچنے کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ نے کانوں کے غلط استعمال سے بھی روکا ہے۔ کانوں کے غلط استعمال سے مراد اُن باتوں کا سننا ہے، جنہیں شریعت نے ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور جن کے سننے سے دل میں ناجائز جذبات ابھرتے ہیں۔ ان میں موسیقی، عشقیہ کلام، مرد کا لذت حاصل کرنے کے لیے غیر عورت کی آواز سننا اور غیبت وغیرہ شامل ہیں۔ آج کل ساز باجے گانے عام ہیں، جن سے شاذونادر کوئی گھر اور محفل پاک ہے۔ ثقافتی شو کے نام پر موسیقی کی نئی دھنیں ترتیب دی جاتی ہیں اور اسلامی ثقافت کو یکسر بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ بعض لوگ موسیقی کو تفریح قرار دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں انسانی جذبات کی عمدہ رعایت موجود ہے، لیکن ان جذبات کو پست ہونے سے بچانے کے لیے حدود و قیود بھی مقرر ہیں۔ عام مشاہدہ ہے کہ جو لوگ موسیقی، گانوں باجوں کے عادی ہوتے ہیں، وہ آخرت سے غافل اور پست ذہنی کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کی وضع قطع اور چال ڈھال سے ان کی ذہنی کج روی عیاں ہوتی ہے۔ گانے بجانے میں زیادہ مشغول رہنے والوں کے لیے مرد و عورت کا بے حجابانہ اختلاط، بے پردگی، بدنگاہی وغیرہ فواحش کا ارتکاب کوئی

معنی نہیں رکھتا۔ چنانچہ فساق وفجار کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کم وبیش سب ہی موسیقی پسند کرتے اور شوق سے سنتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے آلاتِ موسیقی کو کتنا ناپسند کیا اور ان کی آوازوں سے بچنے کا کتنا اہتمام کیا، اس کا پتہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے ہوتا ہے، جو نبی علیہ السلام کی اداؤں کے عاشق تھے:

نافعؒ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تو اپنے دونوں کانوں پر انگلیاں رکھ لیں اور اپنی سواری کو راستے سے موڑ لیا۔ پھر کہنے لگے: اے نافع! اب بھی آواز آرہی ہے؟ میں نے عرض کیا، جی! چنانچہ آپ چلتے رہے، حتی کہ میں نے عرض کیا کہ اب آواز نہیں آرہی تو آپ نے اپنے کانوں پر سے ہاتھ ہٹا لیے اور اسی راستے پر آگئے۔ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے چرواہے کی بانسری کی آواز سن کر ایسا ہی کیا تھا۔ (ابو داؤد، کتاب الادب، باب کراہیۃ الغنا)

ساز باجے اور گانے میں مشغولیت اللہ سے اور آخرت سے غافل کیوں کر دیتی ہے؟ اس کی وجہ خود آنحضرت ﷺ کے ایک ارشاد سے معلوم ہوتی ہے کہ گانا آدمی کے دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ”گانا دل میں نفاق کو ایسے اُگاتا ہے، جیسے پانی کھیت کو اگاتا ہے“۔ (مشکوٰۃ)

نبی کریم ﷺ نے آلاتِ موسیقی میں سے بعض کے نام لے کر ان پر نکیر کی ہے۔ ابو داؤد شریف کی ایک حدیث ہے: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر شراب، جوئے اور طبل کو حرام کیا ہے اور آپ ﷺ نے اس کے علاوہ بھی کچھ چیزیں گنوائیں۔ (ابو داؤد)

گانوں باجوں کی شناعت (برا ہونے) کو یہی بات کافی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس گناہ کے نتیجے میں صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش ہونے کی خبر دی ہے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس امت میں بھی زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہوں گے۔ایک صاحب نے پوچھا کہ ایسا کب ہو گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب گانے والی عورتوں اور باجوں کا رواج عام ہو جائے گا اور کثرت سے شرابیں پی جائیں گی۔
(ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی علامۃ حلول المسخ والخسف)

ترمذی شریف کی ایک دوسری حدیث میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ارشاد نقل کرتے ہیں: جب میری امت پندرہ چیزوں کی عادی ہو جائے تو اس پر مصائب نازل ہوں گے۔ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ جب گانے والی عورتیں اور باجے رواج پکڑ جائیں۔(أیضًا)

بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں جناب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے سامنے اپنا خواب بیان کیا، جس میں آپ کا گزر کئی ایسے لوگوں پر ہوا، جنہیں طرح طرح کے عذاب دیے جا رہے تھے۔ان میں ایک تنور میں ننگے مردوں اور عورتوں کو دیکھا، جو آگ کی لپٹ پر آنے پر چلاّتے تھے۔آپ ﷺ کو بعد میں بتایا گیا کہ یہ زناکار مرد اور عورتیں تھیں۔(بخاری شریف، کتاب التعبیر)

نبی کریم ﷺ نے اس ترغیب و ترہیب کے ساتھ حسب موقع و محل اس قبیح فعل کی برائی کو مثال دے کر سمجھایا۔چنانچہ ایک نوجوان آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے کہ مجھے زنا کی اجازت دی جائے۔آپ ﷺ نے انہیں قریب بلایا اور پھر ان سے پوچھا کہ کیا تم یہ کام اپنی ماں کے ساتھ اچھا سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح اَور لوگ بھی اپنی ماں کے ساتھ اچھا نہیں سمجھتے۔اسی طرح بیٹی، بہن، خالہ اور پھوپھی کا ذکر کر کے اسی طرح سمجھایا تو بات ان کو سمجھ آ گئی۔چنانچہ عرض کی یارسول

اللہ ﷺ! میرے لیے دعا فرمائیے۔ آنحضرت ﷺ نے سر پر یا سینے پر ہاتھ رکھ کی دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کے گناہ معاف فرما۔ اس کا دل پاک فرما اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما۔راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان کی نگاہ کسی بد عملی کی طرف نہ اٹھتی تھی۔

(شعب الایمان، باب تحریم الفروج)

آخر میں ہم مسند احمد بن حنبل کی ایک روایت پیش کرتے ہیں، جسے بار بار پڑھتے رہنے سے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور گناہوں سے روک پیدا ہو گی:

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ سے حیا کرو، جیسا کہ اس سے حیا کرنے کا حق ہے۔ہم نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں اور اس پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ نہیں، بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرے، جیسی حیا کرنے کا حق ہے تو وہ اپنے سر اور جو اس کے آس پاس کی چیزیں ہیں، ان کی حفاظت کرے۔ پیٹ اور جسے پیٹ نے گھیرا ہوا ہے، اس کی حفاظت کرے۔ موت اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات کو یاد رکھے۔ جس نے آخرت کی زندگی کا ارادہ کیا، اس نے دنیا کی زیب و زینت پر فریفتہ ہونے کو چھوڑ دیا۔ پس جس شخص نے ایسا کر لیا، اس نے اللہ تعالیٰ سے ایسے حیا کر لی جیسا (اس سے حیا کرنے کا) حق ہے۔

(مسند احمد بن حنبل، رقم: 3671)

مقاصدِ نبوت

حضورِ اکرم ﷺ اپنے جد بزرگوار حضرت ابرہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا کا نتیجہ ہیں۔ بقول حالی: ؎

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل و نویدِ مسیحا

حضرت خلیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت اللہ کی نئ تعمیر فرمائی۔ آپ اور آپ کے فرزندِ مقدس حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام نے بہ نفسِ نفیس یہ کام کیا۔ آپ نے اس عظیم کام کی تکمیل کے بعد رب کریم سے اپنے اس عمل کی قبولیت کی التجا کی۔ اس دعا میں آپ نے یہ بھی عرض کی: اے رب! اور بھیج اُن میں اُنہی میں سے ایک رسول کہ پڑھے اُن پر تیری آیتیں اور سکھلائے ان کو کتاب و حکمت اور پاک کرے ان کو۔ (البقرۃ: ۱۲۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت سے نوازا اور مکہ مکرمہ کے بنی اسماعیل میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور فرمایا۔ آپ ﷺ انسانوں کی جنس ہی میں سے تھے اور قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی زبان اور زمان و مکان سب اسی قوم میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان مقاصد کے لیے چنا، جنہیں حضرت خلیل علیہ السلام نے اپنی دعا میں طلب کیا تھا۔ ان مقاصدِ جلیلہ کو مقاصدِ نبوتِ محمدی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کہتے ہیں۔ وہ مقاصد یہ ہیں:

1: تلاوتِ آیات 2: تعلیمِ کتاب و حکمت 3: تزکیہ

قرآنِ مجید میں سورۃ آل عمران اور سورۃ الجمعۃ میں بھی حضور ﷺ کی بعثت کے ان مقاصد کو بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ آلِ عمران میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کو اللہ تعالیٰ کا احسان فرمایا گیا ہے اور ساتھ آپ ﷺ کے مقاصدِ جلیلہ کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

{لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ}

[آل عمران: ۱۶۴]

"یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان فرمایا ہے کہ جب ان ہی میں سے ایک رسول بھیجے، جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں تلاوت کرتے اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور البتہ وہ اس سے پہلے صاف گمراہی میں تھے"۔

سورۃ الجمعۃ میں ارشاد فرمایا:

{ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ } [الجمعة:۲]

اس میں بھی مقاصدِ نبوت کا بیان ہے۔ ہم انہی مقاصدِ نبوت پر علیحدہ علیحدہ کلام کرتے ہیں۔

1۔ تلاوتِ آیات:

تلاوتِ آیاتِ الٰہی نبی کریم ﷺ کی نبوت ورسالت کا پہلا مقصد تھا۔ قرآن پاک میں جہاں بھی آپ ﷺ کی نبوت کے مقاصد کو بیان کیا گیا ہے، تلاوتِ آیات کو ہمیشہ ابتداء میں رکھا گیا۔ "تلاوۃ" عربی زبان کا مصدر ہے۔ اس کا مطلب پیروی کرنا ہے۔ چونکہ نبی کریم ﷺ سے آیات پڑھوا اور سنوا کر ان میں دی جانے والی تعلیم کی پیروی کروانا

مقصود تھا۔ لہٰذا آیات کے پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے۔ پھر تلاوت کا لفظ قرآنِ مجید اور دوسری آسمانی کتابوں اور کلامِ الٰہی کے پڑھنے کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ کلامِ الٰہی پڑھنے والوں کے لیے اس کی پوری اتباع لازم ہے۔

نبی کریم ﷺ نے منصبِ نبوت پر فائز ہونے کے بعد قوم کے سامنے وحی کی تلاوت کی۔ آپ ﷺ کی سابقہ زندگی اس پر شاہد تھی کہ آپ ﷺ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا۔ اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کا رواج ہی نہیں تھا۔ عرب میں معدودے چند لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ایسا شخص، جو کسی مکتب میں نہ گیا ہو، جس نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہ کیے ہوں، جس نے کسی کتاب سے استفادہ نہیں کیا، اس کے سامنے جبرئیلِ مقدس آتے اور کہتے ہیں: اقرأ! 'پڑھ' ۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ماأنا بقارئ (میں پڑھ نہیں سکتا) جبرئیل امین آپ ﷺ کو سینے سے لگا کر بھینچتے ہیں، پھر کہتے ہیں: اقرأ 'پڑھ' ۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ما انا بقارئ! جبرئیل علیہ السلام پھر اسی طرح کرتے ہیں۔ تیسری بار پھر جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کو سینے سے لگا کر بھینچتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

{اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (1) خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (2) اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (3) الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (4) عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (5) } [العلق]

(واقعے کے لیے ملاحظہ فرمائیں بخاری، 1/57 رحمانیہ)

بہر حال نبی کریم ﷺ کی زبان سے فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار اور بڑے بڑے شعراء وادباء کو عاجز کر دینے والے کلام کا ظاہر ہونا یقیناً ایک انتہائی غیر معمولی واقعہ تھا۔

نبی کریم ﷺ اپنی دعوت میں وحیِ الٰہی کی تلاوت کرتے۔ کلامِ الٰہی کی عظمت و ہیبت دلوں کو متاثر کرتی اور جس کے مقدر میں ہدایت ہوتی، وہ ہدایت قبول کرلیتا۔ اس کلام کو سن کر دلوں پر کیا بیتتی تھی، اس کا اندازہ درج ذیل واقعے سے ہوتا ہے:

قریش نے عتبہ کو آنحضرت ﷺ کی طرف بھیجا، تاکہ وہ آپ ﷺ سے گفت و شنید کر کے آپ ﷺ کو دعوتِ حق سے باز رکھے۔ عتبہ ایک تجربہ کار شخص تھا۔ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس گیا تو آپ ﷺ سے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے کوئی ایسا نوجوان نہیں دیکھا، جو اپنی قوم کے لیے (معاذاللہ) آپ سے زیادہ منحوس ثابت ہوا ہو۔ آپ نے ہم میں پھوٹ ڈالی اور ہمارے جوڑ کو بالکل ختم کر دیا اور ہمارے دین میں بہت سے عیب نکالے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ کو مال کی ضرورت ہے تو ہم آپ کے لیے اتنا مال اکٹھا کریں گے کہ آپ قریش میں سب سے زیادہ مال دار ہو جائیں گے۔ اگر آپ کو عورتوں کی ضرورت ہے تو اپنے لیے قریش کی عورتیں پسند کرلیں۔ ایک کیا، دس سے شادی کرادیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آپ اپنی بات کہہ چکے؟ عتبہ نے کہا: جی ہاں! اس پر حضور ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

{حمٓ (1) تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ } سے لے کر {فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ} [فصلت: 1 تا 13]

آخری آیت کا ترجمہ یہ ہے، کہ پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو کہہ دو کہ میں تم کو ایسی چنگھاڑ (کے عذاب) سے آگاہ کرتا ہوں، جیسے عاد اور ثمود پر چنگھاڑ کا عذاب آیا تھا۔۔ یہ سن کر عتبہ نے کہا کہ بس اب آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں۔ پھر عتبہ قریش کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا کہ وہاں کیا بات ہوئی؟ اس نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی، جس نے کعبہ کو عبادت کا گھر بنایا، اس نے جتنی باتیں کیں، ان میں سے مجھے صرف یہی سمجھ

آیا کہ وہ تمہیں قوم عاد و ثمود کے عذاب سے ڈراتا ہے۔لوگوں نے کہا کہ تیرا ناس ہو، وہ آدمی تم سے عربی زبان میں باتیں کرتا ہے اور تمہیں سمجھ نہیں آتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔عتبہ نے کہا (میں کیا کروں) اس نے جتنی باتیں کیں، ان میں عذاب والی بات کے علاوہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔(حیاۃ الصحابہ جلد اول بحوالہ مسند عبد بن حمید و بیہقی)

انسانوں تک آیاتِ وحی پہنچانا نبی کریم ﷺ کی ایسی ذمہ داری تھی کہ اس کے بغیر تبلیغ ورسالت کا تصور ہی نہیں تھا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

{يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ } [المائدة: 67]

ترجمہ: اے پیغمبر! جو ارشادات خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں، سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور خدا تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔بے شک خدا منکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس آیت مبارکہ میں آپ ﷺ کو یہ خوش خبری بھی دی گئی کہ تلاوتِ آیات اور تبلیغِ وحی کے کام کو بغیر کسی کھٹکے اور خوف کے کریں۔اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے آپ کو شریروں کی شرارت سے محفوظ رکھیں گے۔

جیسے نبی کریم ﷺ نے لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وحی کی خود تلاوت فرمائی، اپنی دعوت میں ان کو سنایا، لوگوں کے قلوب کو کلامِ الٰہی سے نرم فرمایا، اسی طرح اپنے اصحاب سے اس کی تلاوت کروائی اور خود سنا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف پڑھو۔ میں نے عرض کیا، حضور پر تو خود قرآن نازل ہوا ہے۔ارشاد فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ سنوں۔اس کے بعد انہوں نے سنایا تو حضور ﷺ کی آنکھوں سے

آنسو جاری ہو گئے۔سالم مولی حذیفہ رضی اللہ عنہ قرآن مجید پڑھ رہے تھے کہ حضورِ اکرم ﷺ دیر تک کھڑے سنتے رہے۔ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآن سنا تو تعریف فرمائی۔ (فضائلِ قرآن)

آپ ﷺ نے کلامِ الٰہی کی تلاوت سے اپنی راتوں اور خلوتوں کو بھی آباد کیا ہوا تھا۔ایک مرتبہ یہ آیت پڑھتے پڑھتے پوری رات نماز میں روتے ہوئے گزار دی:

{وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ أَيُّهَا الۡمُجۡرِمُونَ} [یس: 59]

یعنی اے مجرمو! آج کے دن دوسروں سے الگ ہو جاؤ۔ایک مرتبہ نماز میں تقریباً پونے چھ پاروں کی تلاوت کر دی۔

حضرت عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اکرم ﷺ کے ہم رکاب تھا۔ آپ ﷺ نے مسواک فرمائی، وضو فرمایا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ میں بھی حضور ﷺ کی نماز میں شریک ہو گیا۔ حضور ﷺ نے سورۂ بقرۃ ایک رکعت میں پڑھی۔جب آیتِ رحمت آتی، حضور ﷺ اس جگہ دیر تک دعائے رحمت مانگتے رہتے۔جب آیتِ عذاب آتی، دیر تک اس جگہ عذاب سے پناہ مانگتے رہتے۔سورہ کے ختم پر رکوع کیا، جو اتنا ہی لمبا تھا، جتنی دیر میں پوری سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔رکوع میں ''سبحان ذی الجبروتِ و العظمةِ'' پڑھتے جاتے تھے۔پھر اتنا ہی لمبا سجدہ کیا۔دوسری رکعت میں اسی طرح سورۂ آل عمران پڑھی۔اسی طرح ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورۃ پڑھتے رہے۔اس طرح چار رکعتوں میں سوا چھ پارے ہوتے ہیں۔(حکایاتِ صحابہ)

اس قسم کا واقعہ ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا۔اس سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی خلوتوں کو بھی تلاوتِ قرآن سے مزین کیا ہوا تھا۔

تعلیمِ کتاب و حکمت:

نبی کریم ﷺ کی نبوت کا دوسرا مقصد تعلیمِ کتاب و حکمت تھا۔ اگرچہ عربی زبان میں حکمت کے کئی معنی ہیں؛ جیسے دانائی، انصاف وغیرہ۔ البتہ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہاں حکمت سے مراد آپ ﷺ کی سنت ہے۔ درحقیقت سنت کے تحت دانائی، انصاف، دانش مندی وغیرہ تمام خوبیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا پہلے سنت کو سمجھنا ضروری ہے۔ سنت کا لفظی معنی طریقہ ہے۔ شریعت میں سنت کا لفظ سرکارِ دوعالم ﷺ کے اقوال (باتوں)، افعال (کاموں) اور احوال کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی چونکہ امام الانبیاء ﷺ سے بلاواسطہ دین سیکھا تھا اور اپنے آپ کو کامل طور پر اسی سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقوں پر بھی سنت کا لفظ بول دیا جاتا ہے۔

بہرحال نبی کریم ﷺ کی آمد کا مقصد کتاب و سنت کی تعلیم تھا۔ نبی کریم ﷺ نازل ہونے والی وحی پڑھ کر سناتے تھے۔ یہ تو تلاوت کا پہلو ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ وحی کے معانی و مطالب اور مُراد سے بھی آگاہ فرماتے تھے۔

پھر وحی میں دی جانی والی تعلیمات پر عمل کس طرح کرنا ہے۔ اوامر کو کس طرح بجا لانا ہے۔ نواہی سے کیسے بچنا ہے۔ زندگی کے ہر ہر شعبے اور ہر ہر لمحے کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کیسے گزارنا ہے، یہ سب کچھ نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال سے معلوم ہوتا ہے۔ آپ اپنے طریقے سے مکمل اسلامی زندگی سمجھا گئے ہیں۔ آپ نے کتاب و سنت کی تعلیم کے ذریعے مخلوق کو برائیوں کی ظلمت سے بچا کر اچھائیوں کی روشنی کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔

کتاب و سنت کی تعلیم کے حوالے سے چند واقعات درج کیے جاتے ہیں، تا کہ معلوم ہو سکے کہ نبی کریم ﷺ نے اس فریضے کو کیسی خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کلام فرماتے تو تین بار تکرار فرماتے، حتیٰ کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی سمجھ لیا جاتا۔ (بخاری کتاب العلم)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عید کے دن ایک روز نبی کریم ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر نکلے۔ آپ نے گمان کیا کہ جو آپ نے بیان فرمایا تھا، وہ عورتیں (دور ہونے کی وجہ سے) سن نہیں سکیں۔ لہٰذا آپ ﷺ نے عورتوں کو نصیحت کی اور صدقے کا حکم دیا۔ عورتوں نے آپ ﷺ کے وعظ سے متاثر ہو کر کانوں کے بُندے اور انگوٹھیاں صدقہ کر دیں، جسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے کپڑے کی ایک طرف میں رکھ لیا۔ (بخاری، 1/ 79 رحمانیہ)

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ ایک درخت ہے، جو پتے نہیں گراتا اور وہ مسلمان کی طرح ہے۔ بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگ صحرا کے درختوں میں غور کرنے لگے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، لیکن میں (کم عمر ہونے کی وجہ سے) شرما گیا۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہمیں بتائیں کہ وہ کون سا درخت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ (بخاری: 1/ 72، رحمانیہ)

فائدہ: حدیثِ پاک میں معلّمِ کائنات ﷺ نے کھجور کے درخت کو مسلمان کے ساتھ تشبیہ دی۔ علماء نے اس کی مختلف وجوہات بیان فرمائی ہیں:

1۔ جس طرح کھجور کے پتے نہیں گرتے، اسی طرح مسلمان کی دعا بے کار نہیں جاتی۔ اُس کے بدلے مانگی ہوئی چیز مل جاتی ہے یا اس سے بہتر ملتا ہے یا اگر مطلوب نہ ملے تو اجر و ثواب تو ضرور ہی ملتا ہے۔

2۔ کھجور کی جڑ زمین میں مستحکم اور شاخیں آسمان کی طرف جاتی ہیں۔ مومن کے دل میں ایمان راسخ (پکا) ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں اخلاق و اعمال وغیرہ بلند ہوتے رہتے ہیں۔

3۔ کھجور ہر وقت ہر موسم میں یعنی اکثر اوقات پھل دیتا ہے۔ اسی طرح مومن سے اعمالِ صالحہ ہر وقت صادر ہوتے رہتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں انعام الباری: 2/48)

ایک مرتبہ رسولِ کریم ﷺ نے ایک چوکور (Square) خط کھینچا اور ایک خط (لکیر) درمیان میں کھینچا، جو چوکور کی حد سے باہر نکل رہا تھا۔ اس درمیانے خط کے آس پاس چھوٹے چھوٹے خط کھینچے، جو اسے چُھو رہے تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ درمیان والا خط انسان ہے اور چوکور خط اس کی موت ہے اور (درمیانی خط کا) باہر نکلا ہوا حصہ اس کی آرزو اور یہ چھوٹے خطوط آفات و حادثات ہیں، جو انسان کو پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر ایک حادثہ انسان کو نہ پہنچ سکا تو دوسرا جا پکڑے گا۔ (اور اس طرح انسان لمبی آرزوئیں رکھتے ہوئے ختم ہو جاتا ہے)۔ (مشکوٰۃ: 449، مدنیہ)

ف: نقشے کے لیے دیکھیے! حاشیہ بخاری اور کشف الباری: /368، فاروقیہ

نبی کریم ﷺ نے کتاب و سنت کی تعلیم دینے کے بعد ان کے ساتھ مضبوطی سے لگے رہنے کی بھی تاکید فرمائی۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ بے شک بہترین بات کتاب اللہ ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور کاموں میں بدترین بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مشکوٰۃ: 27، مدنیہ)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص تب تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک اس کی چاہت میری لائی چیزوں کے تابع نہ ہو جائے۔(مشکوٰۃ)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ ان کو پکڑے ہوئے ہرگز تم گمراہ نہیں ہوگے۔ وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ ہے۔(مشکوٰۃ)

قرآن پاک کے سیکھنے سکھانے کی ترغیب دی اور فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ ہے، جس نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھلایا۔(نسائی)

اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے اپنی سنت کو مضبوطی سے تھامنے کی تاکید کی۔ سنت سے محبت کو جنت میں اپنی معیت کا ذریعہ قرار دیا۔ملاحظہ فرمائیں: تم پر میری سنت اور میرے خلفاء کی سنت کی اتباع لازمی ہے۔اسے دانتوں سے مضبوطی سے پکڑ لو۔(مشکوٰۃ)

ایک اور جگہ فرمایا: ”جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی، وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا“ ۔(مشکوٰۃ: 30، مدنیہ)

ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ جس نے فتنے اور فساد کے دور میں میری ایک سنت کو مضبوطی سے تھام لیا، اس کے لیے سو شہیدوں کا اجر ہے۔(ایضاً)

مشکوٰۃ کے حوالوں کے لیے مشکوٰۃ کا باب الاعتصام بالکتاب والسنة ملاحظہ فرمائیں۔

خود کلامِ الٰہی آپ ﷺ کی سنت کی اتباع کو مغفرت و محبت الٰہی کے حصول کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔

{قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ}

[آل عمران: 31]

یعنی کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت (کا دعوی) کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

تزکیہ:

یعنی نفس کو تمام گندگیوں سے پاک صاف کر دینا نبوت محمدی کے مقاصد میں سے تیسرا مقصد تھا۔ چونکہ منشائے خداوندی صرف اسی حد تک نہیں تھی کہ لوگوں کو کلام الٰہی پہنچایا جائے، بلکہ انسانوں کو حقیقی انسان بنانا بھی مقصود تھا۔ اس لیے ہر دور میں کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ رجال اللہ کا سلسلہ بھی جاری رہا ہے۔ حضور اکرم ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت و محنت سے انسان اخلاق کی بلند قدروں کو پاتا ہے۔ جیسے زمین سے حاصل ہونے والا لوہا اور درختوں سے حاصل ہونے والی لکڑی کانٹ چھانٹ اور آرائش کے مختلف مراحل سے گزر کر دیدہ زیب، باقیمت اور قابل قدر بن جاتے ہیں، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی اصلاح اور تربیت سے انسان سنورتا اور بنتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام انسان کے اندر ودیعت شدہ خیر کے پہلو کو ابھارتے اور شر کے پہلو کو مغلوب کر دیتے ہیں۔ نفسِ انسانی کو شرک، جہل، تکبر، حسد، بغض، کینہ، اغراض پرستی، مال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت، خودپسندی، عجب وغیرہ بری عادات سے پاک کرنا اور توحید، علم، تواضع، ہمدردی، خیر خواہی، ایثار وغیرہ اچھی عادتوں سے مزین کرنے کا عمل تزکیہ کہلاتا ہے۔ گویا تزکیے کا ایک پہلو تخلیہ ہے، جس میں نفس کو بری عادتوں سے خلوت (علیحدگی) دی جاتی ہے۔ دوسرا پہلو تجلیے کا ہے، جس میں نفس کو اچھی عادات سے مجلّی و مزیّن کیا جاتا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور امام الانبیاء علیہ السلام کی محنت اور تربیت سے انسانوں کو تزکیے کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ قرآن پاک اس تزکیے کو کامیابی کا ذریعہ بتلاتا ہے:

{قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (9) وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا} [الشمس: 9، 10]

یعنی فلاح پا گیا وہ شخص، جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ شخص، جس نے اسے خاک میں ملا دیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: ''نفس کا سنوارنا اور پاک کرنا یہ ہے کہ قوتِ شہویہ (شہوانی خواہشات کی قوت) اور قوت غضبیہ کو عقل کے تابع کر لے اور عقل کو شریعتِ الٰہی کا تابع دار بنائے، تاکہ روح اور قلب دونوں تجلی الٰہی کی روشنی سے منور ہو جائیں''۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ الاعلیٰ میں بھی اسی سے ملتا جلتا مضمون ارشاد فرمایا ہے:

{قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ} [الأعلى: 14] ''تحقیق فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کیا''۔

حضور نبی کریم ﷺ نے خود بھی اپنے متعلق ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی تکمیل کے لیے بھیجا ہے۔(مشکوٰۃ)

قرآن پاک آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ کی شہادت دیتا ہے:

{وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ} [القلم: 4]

بے شک آپ اعلیٰ اخلاق پر ہیں۔

اور یہ بات کیوں نہ ہو، جب کہ آپ ﷺ کو قیامت تک کے لیے نمونہ اخلاق بنا کر بھیجا گیا۔ آپ ﷺ کی تربیت خود حق سبحانہ وتعالیٰ نے کی۔ آپ ﷺ کو جہاں بھر کی تربیت وتزکیے کے لیے مبعوث کیا گیا۔

آنحضرت ﷺ کو جس زمانے میں تزکیۂ نفس کا مقصد دے کر مبعوث کیا گیا تھا، اگر اس دور کو تاریخ انسانی کے بھیانک ترین ادوار میں شمار کیا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا۔ جہالت و اخلاقی پستی کے مہیب سائے دنیا پر چھائے ہوئے تھے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا سے

آسمان پر رخصت ہوئے تقریباً پونے چھ سو سال ہو چکے تھے، وحی کا نزول ایک عرصے سے منقطع ہو چکا تھا۔ انسانوں کی نگہداشت کے لیے کوئی مسیحا ایسا نہیں تھا، جو بیماریوں کا مکمل علاج کر سکے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی قدّس اللہ سرّہ کے الفاظ میں:

عقل پر قفل چڑھے ہوئے تھے، جن کو کھولنے سے حکماء و فلاسفہ عاجز تھے۔ ضمیرِ انسانی مقفّل تھا، جس کو آزادی دلانے سے واعظین اور مصلحین عاجز تھے۔ قلوبِ انسانی مقفّل تھے، جن کے قفل توڑنے میں قدرت کی نشانیاں اور زمانے کے عبرت انگیز حوادث ناکام ہو چکے تھے۔ صلاحیتیں مقفل تھیں، جن کو بروئے کار لانے سے تعلیم و تربیت کا نظام، ماحول اور سوسائٹی کے اثرات قاصر تھے۔ درس گاہوں کا وجود لاحاصل تھا، جن کو کارآمد اور نتیجہ خیز بنانے میں اہلِ علم اور اہلِ درس بے بس تھے۔ عدالتیں کھلی ہونے کے باوجود مقفل تھیں، جن سے انصاف حاصل کرنے کے لیے مظلوموں اور محکوموں کی فریادیں بے اثر تھیں۔ خاندانی مسائل الجھے ہوئے تھے، جن کو سلجھانے سے مصلحین اور مفکرین عاجز تھے۔ قصر ہائے سلطنت مقفل تھے، جن میں راہ پانے سے محنت کش، پسے ہوئے مزدور اور مظلوم رعایا محروم تھی۔ دولت مندوں کے خزانے مقفل تھے، جن کے قفل کھولنے سے ناداروں کی بھوک، ان کی عورتوں کی برہنگی اور ان کے دودھ پیتے بچوں کی گریہ وزاری عاجز تھی۔ بڑے بڑے مصلحین عزائم کے ساتھ میدان میں آئے، بڑے بڑے قانون ساز کمربستہ ہوئے، لیکن ان بے شمار قفلوں میں سے کوئی ایک قفل کھولنے میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لیے کہ ان باتوں کی اصل کنجی ان کے پاس نہ تھی۔ (کاروانِ مدینہ)

پوری دنیا کے عمومی حالات پر نظر ڈالنے کے لیے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی کتاب خطبات مدراس سے اقتباس نقل کیا جاتا ہے:

ظہور محمدی ﷺ سے پہلے دنیا کی یہ کل آبادی مختلف گھرانوں میں بٹی ہوئی تھی اور لوگ ایک دوسرے سے ناآشنا تھے۔ہندوستان کے رشیوں اور منیوں نے آریہ ورت سے باہر خدا کی آواز کے لیے کوئی جگہ نہیں رکھی تھی۔ان کے نزدیک ہر میشود صر آریہ ورت کے باشندوں کی بھلائی چاہتا تھا۔اور بنی اسرائیل اپنے خاندان سے باہر کسی رسول اور نبی کی بعثت اور ظہور کا حق نہیں سمجھتے تھے۔یہ پیغام محمدی ﷺ ہی ہے، جس نے یورپ، پچھم، اتر، دکھن ہر طرف خدا کی آواز سنائی اور بتایا کہ خدا کی رہنمائی کے لیے مظلوم ملک، قوم اور زبان کی تخصیص نہیں۔(خطبات مدراس: 127)

عربی کی مثل مشہور ہے "صاحب البیت أدریٰ بما فیه" گھر کا فرد زیادہ جانتا ہے کہ گھر میں کیا ہے؟اس مثل کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہاں فرزندِ عمّ رسول ﷺ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی وہ تقریر نقل کی جاتی ہے، جو انہوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے سامنے کی تھی۔اس سے بعثت کے وقت عربوں کی حالت کا اندازہ ہو جاتا ہے:

اے بادشاہ! ہم جاہلیت والی قوم تھے۔بتوں کو پوجتے تھے۔مردار کھاتے تھے۔ ہر قسم کی بے حیائیوں اور گناہوں میں آلودہ تھے۔ہم میں سے جو طاقت ور ہوتا، کمزوروں کو پھاڑ کھاتا۔ہم اس حال میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا، ہم پہلے سے اس کے خاندان، نسب و حسب، سچائی، امانت داری اور عفت و پاک بازی سے واقف تھے۔انہوں نے ہم کو یہ دعوت دی کہ ہم صرف ایک اللہ پر ایمان لے آئیں اور اسی کی عبادت کریں۔ انہوں نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، رشتہ داری کا خیال کرنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے، ناجائز حرام باتوں اور ناحق خون بہانے سے پرہیز کرنے کا حکم دیا۔ (نبیِ رحمت: 171، بحوالہ سیرت ابن ہشام)

حضورِ اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت انسانیت کتنی پستی کا شکار تھی؟ اس کا ایک عمومی نقشہ اجمالاً ہمارے سامنے آ گیا۔ حضور ﷺ کے تزکیہ و اصلاح کے بعد کیا تبدیلی پیش آئی؟ حالی مرحوم نے بڑے سادہ اور خوب صورت انداز میں اس کی تصویر کشی کی ہے:

مسِ خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دِکھایا
عرب، جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اِک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

(مسدّس)

ہم یہاں ان بے شمار واقعات میں سے بطور نمونہ پانچ واقعات نقل کرتے ہیں، جو محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اخلاقی وروحانی انقلاب پر شاہد ہیں:

ایک صحابی رضی اللہ عنہ روزہ پر روزہ رکھتے تھے۔ افطار کے لیے کوئی چیز کھانے کو میسر نہ آتی تھی۔ ایک انصاری صحابی ثابت رضی اللہ عنہ نے تاڑ لیا۔ بیوی سے کہا: میں رات کو ایک مہمان لاؤں گا۔ جب کھانا شروع کریں تو تم چراغ کو درست کرنے کے حیلے سے بجھا دینا اور جب تک مہمان کا پیٹ نہ بھر جائے، خود نہ کھانا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ ساتھ میں سب شریک رہے، تاکہ مہمان کو محسوس نہ ہونے دیں کہ کھانا نہیں کھا رہے۔ صبح کو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا

کہ رات کا تمہارا اپنے مہمان کے ساتھ برتاؤ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا۔اسی موقع پر سورۃالحشر کی آیت: {وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ}[الحشر: 9]نازل ہوئی۔ (ترمذی،2/638،رحمانیہ)

سیدنا ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنے تمام اموال میں اپنا باغ بیر حاسب سے زیادہ پسند تھا۔رسول اللہ ﷺ اس میں داخل ہوتے اور پانی بھی نوش فرماتے۔جب آیت {لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ} نازل ہوئی تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے اپنے تمام اموال میں بیر حاسب سے زیادہ محبوب ہے۔میں یہ اللہ کے لیے صدقہ کرتا ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس کا اجر و ثواب اللہ کے پاس ہے۔آپ ﷺ جہاں چاہیں،اسے خرچ کر دیں۔ (مؤطاامام مالک: 734،قدیمی)

ایک روز حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے شیرینی کی فرمائش کی۔آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرے پاس تو کچھ نہیں۔انہوں نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو میں روزمرہ کے خرچ میں سے کچھ دام بچا کر جمع کر لوں۔ آپ نے اجازت دے دی۔کچھ روز میں پیسے جمع ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ کو دیے کہ شیرینی لائیں۔حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ جمع کردہ رقم ہماری ضرورت سے زیادہ ہے۔لہٰذا وہ رقم بیت المال میں جمع کرادی اور اسی قدر اپنا وظیفہ کم کر دیا۔(کاروانِ مدینہ: 59، مجلس نشریات اسلام)

قشیری نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک صحابی کو کسی نے بکری کا سر ہدیے میں دیا۔انہوں نے سوچا کہ ہمارا فلاں بھائی اور اس کے اہل وعیال ہم سے زیادہ ضرورت مند ہیں۔ چنانچہ وہ سر ان کے پاس بھیج دیا۔اس دوسرے بزرگ کے

پاس پہنچا تو اسی طرح انہوں نے تیسرے کے پاس اور تیسرے نے چوتھے کے پاس بھیج دیا۔ حتی کہ وہ سر سات گھروں میں پھرنے کے بعد پھر پہلے صحابی کے پاس واپس آگیا۔

(معارف القرآن، مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ، 8/376، سروسز بک کلب)

ابو جہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں یرموک کی لڑائی میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا اور ایک مشکیزہ پانی کا ساتھ لے لیا۔ وہ ایک جگہ اس حالت میں لڑتے ہوئے ملے کہ دم توڑ رہے تھے اور جان کنی شروع تھی۔ میں نے پوچھا: پانی دوں؟ انہوں نے اشارے سے ہاں کہا۔ اتنے میں قریب پڑے ایک ساتھی نے آہ کی تو میرے چچازاد بھائی نے مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ میں پانی ان کے پاس لے کر گیا تو وہ ہشام بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تھے۔ اتنے میں ایک اور صحابی نے آہ کی، جو ہشام کے قریب پڑے دم توڑ رہے تھے۔ حضرت ہشام نے مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے پاس پانی لے گیا تو ان کا دم نکل چکا تھا۔ ہشام کے پاس واپس آیا تو وہ بھی شہید ہو چکے تھے۔ وہاں سے اپنے بھائی کے پاس آیا تو اتنے میں وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔ (حکایاتِ صحابہ، بحوالہ درایہ)

نبی کریم ﷺ نے نفوس کا تزکیہ شروع فرمایا تو سب سے پہلے روح انسانی کی مہلک اور خوف ناک ترین بیماری کے ازالے کی سعی فرمائی۔ یہ بیماری شرک ہے۔ در حقیقت شرک و بت پرستی اتنا بڑا اخلاقی رذیلہ ہے کہ ہر قسم کی تنگ نظری، پست ہمتی اور پست خیالی اسی سے جنم لیتی ہے۔ اس کے بالمقابل توحید ایسی پاکیزہ صفت ہے، جو انسانوں میں وسعتِ نظر، عالی ہمتی، روشن خیالی اور محبت و شوق جیسے عظیم جذبوں کو بیدار کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عرب کے بت پرستوں کو اکیلے خدا وحدہ لا شریک لہ کی قوت و سطوت اور ربوبیت کی دعوت دی۔ اگرچہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے قائل تھے، لیکن انہوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض اختیارات میں ان کے خود ساختہ بتوں کو بھی شامل کر لیا

ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس عقیدۂ فاسدہ کی اصلاح پر سب سے پہلے توجہ دی۔مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی وحی میں بھی اس عقیدے پر خاص طور پر رد کیا گیاہے۔ کیونکہ یہی وہ عقیدہ تھا، جو کفار کو اسلام کی دیگر خوبیوں سے محروم کیے ہوئے تھا۔ نبی ﷺ نے شرک کو ظلم عظیم بتلایا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے آگاہ کیا کہ سوائے شرک کے تمام گناہ قابل معافی ہیں۔(النساء: 116) ان پر شرک کی قباحت وشناعت کو اس طرح واضح کیا کہ سوائے متعصب کے کسی کو آپ ﷺ کی دعوت قبول کرنے میں کوئی عار نہیں رہی۔

حضرت حصین رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے پوچھا: حصین! کتنے معبودوں کی پوجا کرتے ہو؟ حضرت حصین رضی اللہ عنہ بولے: میرے سات خدا زمین پر ہیں اور ایک آسمان پر ہے۔ حضور ﷺ نے پوچھا: جب تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچتا ہے تو کس خدا کو پکارتے ہو؟ حصین رضی اللہ عنہ نے کہا آسمان والے کو! حضور ﷺ نے فرمایا: جب مال ہلاک ہو جائے تو کس کو پکارتے ہو؟ حصین رضی اللہ عنہ نے کہا: آسمان والے کو! آپ ﷺ نے فرمایا کہ عجیب بات ہے کہ تمہاری پکار پر وہ اکیلا تمہاری فریادرسی کرتا ہے اور تم اس کے ساتھ اور خداؤں کو شریک کرتے ہو۔ کیا تم آسمان والے کی اجازت سے ان دیوتاؤں کو شریک کرتے ہو یا ان دیوتاؤں سے ڈرتے ہو۔ حصین رضی اللہ عنہ اسی مجلس میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔(حیاۃ الصحابہ: 1/ 89، فیضی)

آپ ﷺ نے شرک کے علاوہ مختلف رذائل کی نشان دہی فرمائی اور اپنے قول و عمل سے ان کی اصلاح فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے لیے نبی کریم ﷺ کی صحبت ہی تزکیہ و تعلق مع اللہ کا ایسا ذریعہ تھی کہ ہزاروں لاکھوں مجاہدات مل کر بھی وہ بلند مقام نہیں دلا سکتے، جو نبی کریم ﷺ کی زیارت و صحبت سے مل جاتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی ذات

گویا ایک پاور ہاؤس تھی، جس سے نکلنے والا کرنٹ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو تزکیہ ومعرفت کے بلند مقامات پر فائز کر دیتا تھا۔ تاہم نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دیگر بہت سے مجاہدات وریاضات بھی کروائے، جن سے صحابہ کرام کو مزید استقامت اور ترقیِ درجات نصیب ہوتی تھی۔ دعوت وجہاد کے میدان میں بدنی ومالی قربانیاں، ذکر وعبادت میں مشقت، معاملات ومعاشرت میں خلاف طبع کا تحمل، ترکِ وطن و ترک تعلق وغیرہ مجاہدات وریاضات کے ذریعے بھی صحابہ کرام کے ایمان کی قوت وکیفیت میں اضافہ ہوتا تھا۔ درحقیقت اتنی ساری قربانیوں کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا صحبت نبوی کا کرشمہ تھا۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشادات عالیہ میں فضائلِ اخلاق (عمدہ اخلاق) کو بیان فرما کر ان کے حصول کی تدبیریں بھی بتلائیں۔ اسی طرح رذائل (نفس کی بری خصلتوں) کو بیان فرما کر ان کے ازالے کی تدبیر بھی بتلائیں۔ چند ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ کہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے۔ کسی کی مخفی حالت کی کرید کرو نہ اچھی بُری حالت کی۔ دھوکہ دے کر کسی چیز کے دام بڑھاؤ اور نہ آپس میں حسد کرو۔ بغض رکھو اور نہ پیٹھ پیچھے کسی کی غیبت کرو۔ اے اللہ کے بندو! سب بھائی بھائی ہو کر رہو۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک دوسرے پر شک نہ کرو۔ (متفق علیہ)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے شر کے لیے یہ کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ (یعنی اگر کسی میں یہ بات ہو اور شر کی کوئی اور بات نہ ہو، تب بھی اس میں

شر کی کمی نہیں) مسلمان کی ساری چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں۔اس کی جان، اس کا مال اور اس کی آبرو۔(مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے بدتر (حالت میں) اس شخص کو پاؤ گے، جو دو منہ والا ہو گا۔یعنی جو ایسا ہو کہ اُن کے منہ پر اُن جیسا اور اِن کے منہ پر اِن جیسا۔(متفق علیہ)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ غصہ شیطان سے ہے اور شیطان آگ سے ہے۔ آگ کا علاج پانی ہے۔اس لیے جب غصہ آئے تو وضو کرے۔ ایک جگہ یہ علاج بھی ارشاد فرمایا کہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔

دنیوی تعلقات و مشغولیات میں حد سے زیادہ لگنا اللہ اور آخرت سے غافل کر دیتا ہے۔پھر اگر ان مشغولیات کے ساتھ گناہ بھی شامل ہو جائیں تو دلوں پر زنگ لگ جاتا ہے۔دل کا زنگ تمام چھوٹے بڑے گناہوں کو جنم دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے، جیسے لوہے کو زنگ لگتا ہے۔پوچھا گیا کہ اس کا علاج کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قرآن پاک کی تلاوت اور موت کی یاد" ۔(بیہقی)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ اپنے ایمانوں کو لا الہ الا اللہ کی کثرت سے تازہ کرتے رہا کرو۔ (مسند احمد)

ایک اور جگہ صفائی قلب و تزکیہ نفس کے لیے ذکرُاللہ کو بطور نسخہ تجویز فرمایا۔ارشاد فرمایا کہ ہر ایک چیز کے لیے صیقل ہوتی ہے۔(یعنی میل کچیل دور کرنے والا کیمیکل) دلوں کا صیقل اللہ کا ذکر ہے۔ (از فضائلِ ذکر)

نبی کریم ﷺ کو جن مقاصد کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا، کیا ان مقاصد میں آپ ﷺ کو کامیابی حاصل ہوئی؟ اگرچہ اس سوال کا جواب اسی مضمون میں پہلے گزر چکا ہے، تاہم اس کا سرسری جواب یہ ہے کہ کسی بھی مُصلح و قائد کی دعوت کے اثرات دیکھنے کے لیے سب سے پہلے انہی لوگوں کو معیار بنایا جاتا ہے، جو اس کی دعوت کے اولین تائید کرنے والے ہوتے ہیں۔ اگر وہ دعوتِ فکر و عمل ان رفقا میں اثرات پیدا کر دیتی ہو تو پھر واقعی اس داعی و مصلح کو اپنی دعوت میں کامیابی ہو رہی ہے اور اس بات کی قوی توقع ہے کہ وہ تحریک اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کر لے گی۔ ہم اس معیار کے مطابق حضور ﷺ کے اصحاب کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو نبوت کے تینوں مقاصد میں حضور انور ﷺ کی کامیابی کا یقین ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو دُور، حتیٰ کہ جن لوگوں کو صحابہ کرام کی صحبت ملی، وہ بھی تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب و حکمت اور تزکیہ کے عملی نمونہ تھے۔ بعد کے لوگوں نے بھی اپنی استعداد کے بقدر خود کو ان تینوں میدانوں میں لگایا۔ البتہ وقت کے ساتھ ساتھ تقسیم کار ہوتی گئی۔ ایک جماعت حفاظ و قراء کی ہو گئی۔ اس میں وہ افراد شامل تھے، جنھوں نے تلاوت قرآن کو بطور خاص مشغلہ کے اپنایا۔ انہوں نے قرآن پاک زبانی یاد کیا اور اس کے تلفظ کی درست ادائیگی سیکھنے اور سکھانے کو بطور دینی خدمت کے سرانجام دیا۔ دوسری جماعت ان حضرات کی ہوئی، جنھوں نے کتاب و سنت کے مطالب و معارف اور تشریحات میں عمرِ عزیز صرف کر دی۔ ان لوگوں نے اپنی زندگیوں کے اوقات قرآن و حدیث کو سمجھنے اور سمجھانے میں لگا دیے۔ یہ علماء کرام کی جماعت ہے، جو اگرچہ تلاوت و تزکیہ سے بھی وافر حصہ رکھتی ہے، لیکن ان کا خاص مشغلہ اور خصوصی شعبہ تعلیمِ کتاب و سنت ہے۔ ان علماء میں مفسرین، محدثین، فقہاء اور متکلّمین شامل ہیں۔

ایک تیسری جماعت ان اربابِ قلوب کی ہوئی، جنھوں نے اللہ والوں کی سرپرستی میں ذکر و مجاہدے سے اپنے نفس کو بُری خصلتوں سے خوب پاک کیا۔ خود کو صفاتِ حمیدہ سے آراستہ کیا۔ اپنے بڑوں کی اجازت سے تزکیۂ قلوب کے سلسلے کو آگے بڑھایا۔ یہ صوفیائے کرام کی جماعت ہے۔ اگرچہ تلاوت اور تعلیمِ کتاب و سنت سے ان حضرات نے بھی معتدبہ حصہ پایا، لیکن ان کا غالب اور ممتاز ترین مشغلہ مخلوق خداوندی کی باطنی تربیت اور ظاہر کو کتاب و سنت کے سانچے میں ڈھالنا ہوتا ہے۔ علمائے کرام اقوال اور افعالِ نبوی آگے منتقل کرتے ہیں۔ صوفیائے کرام احوالِ نبوی سے روشناس کرواتے ہیں۔

کبھی ایک ہی شخص میں نبوت کی یہ مختلف شانیں اس انداز سے جمع ہوتی ہیں کہ اسے ان کا جامع کہہ دیا جاتا ہے۔ کبھی یہ شانیں موجود تو ہوتی ہیں، لیکن ایک شان اتنی ممتاز ہوتی ہے کہ اس فرد کی پہچان ہی اس سے ہوتی ہے۔

اس ساری بات سے یہ حقیقت مزید واضح ہو جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو مقاصد نبوت میں انتہائی اعلیٰ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ آپ نے امت کے لیے سونپی جانے والے امانت کو امت تک کامیابی سے منتقل کیا۔ بلکہ بلاواسطہ یا بالواسطہ ایسے افرد تیار کر دیے، جو ان مقاصد میں آپ ﷺ کے متبع تھے۔

آرزوئے مدینہ

میری زندگی میں سویرا ہو یا رب
مدینے کا پھیرے پہ پھیرا ہو یا رب

مروں تو دفن ہوں میں جنت بقیع میں
جیوں تو مدینے میں ڈیرا ہو یا رب

مدینے کی گلیوں میں چلتا رہوں میں
مدینے میں اب تو بسیرا ہو یا رب

مدینے کے آقا کی نسبت سلامت
کرم ایسی نسبت پہ تیرا ہو یا رب

مدینے کے انوآر سے دل منور
مٹیں سارے غم اور سویرا ہو یارب

فہدانوار

تعاون—نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں

آنحضرت ﷺ کی ہمہ جہت تعلیمات کا ایک پہلو وہ ہے، جس میں ایک فرد کے اپنے ارد گرد بسنے والے دیگر انسانوں کے ساتھ رابطے کے متعلق ہدایات کا بیان ہے۔ دنیا میں آنے کے بعد ایک فرد کو زندگی کے مختلف ادوار میں کئی طرح کے انسانوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ کبھی یہ اُن کی مدد و رہنمائی کا محتاج ہوتا ہے اور کبھی وہ اِس کے تعاون کے محتاج ہوتے ہیں۔ کبھی اِسے اُن کے کاموں میں ہاتھ بٹانا پڑتا ہے اور کبھی اپنے کاموں کی تکمیل کے لیے دوسروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس امدادِ باہمی اور ایک دوسرے کے تعاون سے زندگی کی گاڑی رواں رہتی ہے۔ اس باہمی تعلق کا دائرہ کار ازدواجی زندگی سے شروع ہو کر گھریلو، معاشرتی، بلکہ ملی اور بین الاقوامی زندگی تک وسیع ہوتا ہے۔ رؤف و رحیم نبی کریم ﷺ کی زندگی سے اس تعاون کی حدود کا بھی پتہ چلتا ہے اور عملی طریقۂ کار سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ آپ ﷺ اپنی تبلیغی مصروفیات، جہادی اسفار اور دین کے دوسرے کاموں میں جس درجہ مشغول رہتے تھے، وہ ظاہر ہے۔ البتہ وہ اس کے باوجود اپنے اہلِ خانہ اور عام اہلِ معاشرہ کے ساتھ مختلف امور میں تعاون کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خانگی زندگی جاننے کا مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ گھر ہوتے تو اپنے گھر کے کام کاج میں رہتے تھے اور جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لیے باہر چلے جاتے۔

(صحیح البخاری: کتاب الصلوٰۃ، باب من کان فی حاجۃ اہلہ)

آپ ﷺ گھر سے باہر بھی اپنے اصحاب کے درمیان ہوتے تو از خود ممتاز نہ بنتے۔ خود بھی مخدومیت کی شان کو پسند نہ فرماتے اور دوسروں کو بھی خدمت کی ترغیب

دیتے۔جب آپ ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہجرتِ مدینہ کے وقت اکٹھے تشریف فرما تھے تو پہلی مرتبہ دیکھنے والوں کو خادم و مخدوم اور آقا و جانثار کے درمیان فرق معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ سورج کی شعاعوں میں تیزی ہوئی تو صدیقِ اکبر رضی اللہ نبی کریم ﷺ پر کپڑا تان کر کھڑے ہو گئے، تاکہ آپ ﷺ کو تپش سے تکلیف نہ ہو۔

(نبی رحمت ﷺ، بحوالہ سیرۃ ابن ہشام، ص: 252)

آپ ﷺ غزوۂ خندق کے موقع پر اپنے اصحاب کے ساتھ کھدائی میں شریک ہوئے۔یہ اس ہستی کا حال ہے، جس کے قدموں کی گرد کے سامنے کونین کی دولت ہیچ ہے۔جس کے ایک اشارے پر اس کے جانثار ساتھی اپنی جانوں کے نذرانے لیے حاضر ہیں۔جس کے لبوں سے نکلا ہوا ایک لفظ زمین و آسمان میں ہلچل بپا کر سکتا ہے۔اس سب کے باوجود جب یہ مقدس ہستی اپنے لشکر کے ایک عام آدمی کی طرح خدمت و تعاون کے کام میں لگی دکھائی دیتی ہے تو یہ ہمارے لیے امت کے اجتماعی کاموں میں تعاون کا درس ہے۔

ایک مرتبہ کسی سفر میں لشکرِ اسلام کو سواریوں کی قلت کا سامنا تھا، ایک سواری کو تین آدمیوں پر تقسیم کر دیا گیا۔نبی کریم ﷺ کے ساتھ بھی دو اصحاب شریک تھے۔طے یہ پایا کہ باری باری سوار ہوا جائے۔جانثار ساتھی اپنی باری آنحضرت ﷺ پر پیش کرتے، لیکن آپ ﷺ انہیں ارشاد فرماتے کہ نہ تو تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقت وَر ہو اور نہ ہی میں تم دونوں سے زیادہ اجر حاصل کرنے سے بے پرواہ ہوں۔

(مشکوٰۃ: باب آداب السفر)

آپ ﷺ نے مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرنے اور مشکلات میں ان کی مدد کی جابجا ترغیب دی ہے۔ایک جگہ ارشاد فرمایا:

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اِس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے چھوڑتا ہے، بلکہ اس کی مدد کرتا ہے۔ جو اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوتا ہے، اللہ جل جلالہ اس کی حاجت پوری فرماتے ہیں۔ جس نے اپنے مسلمان بھائی کی دنیا کی کسی تکلیف کو دور کیا، اللہ تعالیٰ اس پر سے قیامت کی سختیوں میں سے کوئی سختی دور فرمائیں گے۔ جس نے اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

(مشکوٰۃ: کتاب الادب باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

اگرچہ اس حدیث میں مسلمان کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کی وہ دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرتا۔ تاہم علامہ طیبیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ نہی ہے، یعنی مسلمان پر ظلم کرنے سے روکا جارہا ہے۔ نیز اسی حکم میں ذمی اور مستامن غیر مسلم بھی شامل ہیں، جنہیں معاہدے کے مطابق اسلامی حکومت حفاظت فراہم کرتی ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے مسلمانوں کے ساتھ مالی تعاون کی بھی ترغیب دی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ ہر مسلمان پر صدقہ فرض ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کمائے، خود فائدہ اٹھائے اور صدقہ کرے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اگر اسے کمانے کی قدرت نہ ہو یا وہ نہ کمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: غریب حاجت مند کی مدد کرے۔ صحابہ نے پوچھا کہ اگر وہ ایسا نہ کرسکے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نیکی کرنے کا حکم دے۔ صحابہ نے پھر پوچھا کہ اگر وہ ایسا نہ کرسکے؟ ارشاد فرمایا کہ برائی سے باز رہے۔ کیونکہ یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث: 1008)

ابی برزہ اسلمیؓ نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ مجھے کسی ایسے عمل کا بتائیں جس سے میں نفع اٹھاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دیا کر

(ابن ماجہ، حدیث: 3681)

راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور تعاون ہی کی ایک صورت ہے لہٰذا اس کو بھی عمل نافع قرار دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعاون ایک بڑا عمل ہے۔

تعاون و ہمدردی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اگر آدمی نے کسی کو قرض دیا ہو تو قرض وصول کرتے ہوئے نرمی کا معاملہ رکھے، سختی اختیار نہ کرے۔ بعض مرتبہ قرض لینے والا شخص بروقت ادا کرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ ایک شخص نیکی کا کوئی کام نہیں کرتا تھا، وہ لوگوں کو قرض دیتا تھا۔ جب اسے کوئی مقروض تنگ دست نظر آتا تھا تو اپنے ملازموں سے کہتا تھا کہ اس سے درگزر کرو، شاید خدا ہم سے بھی درگزر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے صلہ میں اس شخص کی بخشش کر دی۔

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے ایک ایسے شخص کی حالت سنائی، جس سے مرنے کے بعد سوال کیا گیا کہ کیا تم نے نیکی کا کوئی کام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں خرید و فروخت کرتے ہوئے لوگوں سے آسانی والا معاملہ کرتا تھا۔ اس پر اس کی مغفرت کر دی گئی۔

(صحیح مسلم: کتاب فی الاستقراض، حدیث: 2391)

معاشرے کے کمزور اور ضعیف افراد زندگی گزارنے میں عام لوگوں کی نسبت تعاون کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ تعاون کرنے پر نبی رحمت ﷺ نے خصوصی اجر و ثواب کی بشارت دی ہے۔ جن خواتین کے خاوند انتقال کر گئے ہیں، ان کے کام آنے کو ایک طرح کا جہاد قرار دیا گیا ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک متفق علیہ حدیث میں ارشاد ہے:

بیوہ اور مسکین کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا ایسا ہے، جیسا کہ خدا کی راہ میں دوڑنے والا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جیسا کہ وہ نمازی، جو اپنی نماز سے نہیں تھکتا اور جیسا کہ وہ روزہ دار، جو کبھی اپنا روزہ نہیں توڑتا۔

(مشکوٰۃ: باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

ایک حدیث میں تو مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی مدد و رحمت کے ملنے کا ذریعہ بتلایا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا۔ جو مسلمان کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو اس سے دور فرمائے گا۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد میں تب تک رہتا ہے، جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔

(ترمذی: باب ماجاء فی الستر علی المسلمین)

انسان کو دین و دنیا کے معاملات خوش اسلوبی کے ساتھ سر انجام دینے کے لیے سہارے کی ضرورت رہتی ہے۔ یہ سہارا کبھی ماں باپ، استاد و مربی کی صورت میں ہوتا ہے، کبھی اپنے برابر والے کی شکل میں اور کبھی کسی چھوٹے کی صورت میں۔ ایک اچھا مسلمان دوسرے مسلمان کے دین و دنیا، دونوں میں سہارا بنتا ہے۔ جائز کام میں تعاون کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ مومن دوسرے مومن کے لیے ایک عمارت کی طرح ہے۔ ایک دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر دیا۔ (مشکوٰۃ: کتاب الادب باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

تعاون کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان کسی ضروت مند کی سفارش ایسے شخص کے پاس کر دے، جو اس کی متعلقہ ضرورت پوری کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ آنحضرت ﷺ

نے اسے بھی نیکی بتلا کر ثواب کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کے پاس کوئی سوالی یا حاجت مند آتا تو آپ ﷺ دیگر صحابہ کو ارشاد فرماتے کہ تم اس کی سفارش کرو، تمھیں اجر ملے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے وہی فیصلہ جاری کروائے گا، جو چاہے گا۔ (اَیضًا)

اس حدیث میں ذکر کردہ فضیلت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ البتہ اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ جس آدمی سے سفارش کی جائے، اس پر دباؤ نہ ڈالا جائے۔ اسے اس بات کی مکمل آزادی ہو کہ وہ اس کام کو کرے یا نہ کرے۔ آج ہمارے معاشرے میں جب کسی کی سفارش کی جاتی ہے تو اس بات کو نہیں دیکھا جاتا کہ جس سے سفارش کی جارہی ہے، کہیں اس کی کوئی مصلحت تو فوت نہیں ہو رہی، جس کے نتیجے میں اسے کوئی پریشانی ہو گی یا اسے ملکی یا شرعی قانون کی خلاف ورزی کرنا پڑے گی۔ بس اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے کام کروانا ہے، چاہے جس کے لیے سفارش کی جارہی ہے، وہ استحقاق بھی رکھتا ہے یا نہیں! ذکر کردہ حدیث مبارکہ میں بھی نبی کریم ﷺ نے جہاں یہ فرمایا کہ تم سفارش کرو تو تمھیں اجر ملے گا، وہاں یہ بھی فرمایا کہ نبی کی زبان پر وہی بات جاری ہو گی، جو اللہ کو منظور ہو گی۔ لہٰذا سفارش کرتے ہوئے ایسا دباؤ بھی نہیں ڈالنا چاہیے، جس سے دوسرا آدمی بہ ہر صورت مجبور ہو جائے۔

چونکہ مسلمان ایک قوم اور برادری ہیں، جو ایک جسم کی مانند ہیں، لہٰذا وہ ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ کے بھی ساتھی ہیں۔، ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے اسے مثال سے واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مسلمان ایک جسم کے مانند ہیں۔ اگر ایک عضو تکلیف میں ہو تو اس کی وجہ سے سارا جسم بے چینی اور تکلیف میں ہوتا ہے۔

(مشکوٰۃ: کتاب الادب باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

چنانچہ اگر ایک مسلمان ستایا جا رہا ہو یا بے آبرو کیا جا رہا ہو تو بشرط استطاعت دوسرے مسلمان کو اس کی مدد کرنی چاہیے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو ایسی جگہ ذلیل کرے، جب کہ اس کی حرمت پامال کی جا رہی ہو اور اس کی بے عزتی کی جا رہی ہو تو اللہ تعالیٰ ان جگہوں میں اس کی مدد نہیں فرمائیں گے، جب کہ اُسے اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت ہو گی۔ جو مسلمان کسی مسلمان کی مدد ایسی جگہ کرے گا، جب کہ اس کی حرمت پامال کی جا رہی ہو اور اس کی بے عزتی کی جا رہی ہو تو اللہ تعالیٰ اُن جگہوں پر اس کی مدد فرمائیں گے، جہاں اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت ہو گی۔

(مشکوٰۃ: کتاب الادب باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ غفلت یا کم علمی کی وجہ سے مسلمان ظالم بن جاتا ہے۔ ایسے وقت میں اس کے ساتھ تعاون یہ ہے کہ اسے سمجھا کر اس ظلم سے روکا جائے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں مظلوم کی مدد تو کرتا ہوں، لیکن ظالم کی مدد کیسے کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اسے ظلم سے روک دے تو یہ اس کے ساتھ مدد ہو گی۔ (ایضاً)

راستے سے کسی تکلیف دِہ چیز کا ہٹا دینا بظاہر ایک معمولی فعل ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ راستہ چلنے والوں کے ساتھ راہ چلنے میں تعاون ہے، تاکہ وہ بلا خوف و خطر اور کسی اذیت کا شکار ہوئے بغیر چل سکیں۔ اس کام کی قدر نبی اکرم ﷺ کی زبان سے سنیے:

جو شخص راستہ چلنے میں کوئی کانٹا راستہ سے ہٹا دے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس کام کی قدر کرتا ہے اور اس کا گناہ معاف کرتا ہے۔ (متفق علیہ، صحیح بخاری: 652، صحیح مسلم: 1914)

اس قسم کی بہت سی تعلیمات ہیں، جن میں نبی ﷺ نے مسلمانوں کو جائز کاموں میں باہمی تعاون کی ترغیب دی ہے۔ عام حالات میں غیر مسلموں کے ساتھ بھی تعاون و ہم دردی کا درس دیا ہے۔ نبی ﷺ نے یہ تعلیمات اور عملی نمونے پیش کر کے تعاون کا دائرہ کار اور لائحہ عمل واضح کر دیا ہے، جسے اختیار کرنے میں ہماری فلاح و بہبود ہے۔

عید کی خوشیاں

(نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں)

مجاہدۂ نفس اور حصولِ تقوی کے تربیتی مراحل یعنی رمضان المبارک کے روزوں اور رات کی تراویح کے بعد عید الفطر کی شکل میں خوشیوں اور مسرتوں کا انعامِ خداوندی امتِ مسلمہ کے لیے ایک عظیم تحفہ ہوتا ہے۔اِسی طرح فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد حجاج کرام کے طفیل دیگر مسلمانان عالم کو عید الاضحیٰ کا تحفہ ملتا ہے۔ہر سال عید کی خوشیاں اطرافِ عالم میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کو وحدت کی لڑی میں پرو دیتی اور مسلمان کی شانِ امتیازی کو نمایاں کرتی ہیں۔ عید کا دن اپنی مسرتوں کے ساتھ کچھ پیغام لے کر آتا ہے، جس کی دستک سے فکر و دانش کے دریچے وا ہوتے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے عید کے متعلق کیا ہدایات دی ہیں۔

1۔ عید سے قبل مغفرت کرالینا:

نبی کریم ﷺ کی مشہور حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اس دعا پر آمین کہا کہ "ہلاک ہو جائے وہ شخص، جس پر رمضان کا مہینہ آیا اور اس کی بخشش نہ ہوئی۔ (بیہقی، فضائل الاوقات، باب حدیث 55)

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو عید سے پہلے رمضان میں ہی ایسے اعمال روزہ، تراویح، مناجات اور استغفار اختیار کرنے چاہییں، جو اس کی مغفرت کا ذریعہ بن سکیں۔ یہ نہ ہو کہ رمضان غفلت میں گزار کر عید کی ظاہری خوشیوں میں تو دیگر مسلمانوں کا شریک بن جائے اور عید کے حقیقی انعامات سے محروم رہ جائے۔

2۔ عید کی راتوں میں عبادت کرنا:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص عیدین کی دونوں راتوں میں طلبِ ثواب کے لیے جاگا، اس کا دل اس دن نہ مرے گا، جس دن سب دل مر جائیں گے۔

(بیہقی، شعب الایمان الصیام، حدیث 3438)

فائدہ: یہ ان راتوں کا بیان ہے، جنہیں ہمارے عرف میں چاند رات کہتے ہیں۔ ان راتوں میں جو طوفان بد تمیزی و بے حیائی برپا کیا جاتا ہے، وہ ان کے تقدس کے خلاف ہے۔ یہ در حقیقت دل کے مردہ ہونے کی علامت ہے۔ اس کے برخلاف نبی کریم ﷺ ان راتوں میں عبادت کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں اور قیامت کے دن دل کے زندہ ہونے اور پُر سکون ہونے کو ان راتوں کی عبادت سے جوڑتے ہیں۔

3۔ عید مسلمانوں کی شان امتیازی:

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

(مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، باب الرخصۃ فی اللعب)

فائدہ: مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد کے ہاں بعض ایام ایسے ہیں، جن میں وہ مذہبی جوش و خروش کے ساتھ اظہارِ مسرت کرتے ہیں۔ عیسائیوں کی کرسمس، ہندوؤں اور یہودیوں کے مذہبی تہوار ان کی عیدیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو بھی الگ دنوں میں عید کے تحفے دیے اور اس دن کھانے پینے اور تفریح کا حکم دیا۔ حتٰی کہ عید کے ایام میں روزہ رکھنے تک کی ممانعت کر دی۔

4۔ عید، عطیۂ ربانی:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے لوگوں کے دو دن تھے، جن میں وہ کھیل کود کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان دنوں کے بدلے میں ان سے اچھے دو دن عطا فرمائے ہیں۔ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کا دن۔ (ابو داؤد کتاب الصلوۃ)

فائدہ: نبی کریم ﷺ نے لطیف انسانی جذبات کی رعایت فرماتے ہوئے کھیل کود اور تفریح سے یکسر منع نہیں فرمایا، بلکہ اس کھیل کود کو اسلامی تشخص عطا کر دیا۔

5۔ عید، بدلے کا دن:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کی وجہ سے، جنہوں نے رمضان کے روزے رکھے، فرشتوں سے فرماتے ہیں: اے میرے فرشتو! اس مزدور کا کیا بدلہ ہے، جس نے اپنی مزدوری پوری کر دی ہو؟۔ فرشتے کہتے ہیں: اے ہمارے رب! اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس کی اجرت اسے پوری پوری دی جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! میرے بندوں اور میری بندیوں نے خود پر لازم میرا فریضہ پورا کر دیا۔ پھر وہ فریاد کرتے ہوئے نکلے۔ میری عزت اور جلال کی قسم! میرے کرم، بلند شان اور مرتبے کے بلند ہونے کی قسم! میں ان کی دعا ضرور پوری کروں گا۔ پھر وہ فرماتا ہے: (اے میرے بندو!) لوٹ جاؤ، میں نے تمہای بخشش کر دی اور تمہارے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔ پھر لوگ بخشے بخشائے لوٹ جاتے ہیں۔

(خطبات الاحکام، ص 133، بحوالہ شعب الایمان للبیہقی)

6۔ صدقۂ فطر:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جو غنی ہو اللہ (صدقہ فطر ادا کرنے کی وجہ سے) اسے پاک کر دیتا ہے اور جو تم میں سے فقیر ہو اور پھر بھی صدقہ دے تو اللہ اس کو اس کے دینے سے بھی زیادہ عطا فرما دیتا ہے۔

(بیہقی، فضائل الاوقات، باب فضل العید حدیث، 148)

فائدہ: صدقۂ فطر ہر مسلمان عاقل، آزاد، مرد و عورت پر فرض ہے، جب کہ وہ مالکِ نصاب ہو۔ نصاب سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کے برابر نقدی (پیسہ) یا اتنا ہی مالِ تجارت ہو، جس کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ہو۔ اس نصاب میں گھر کے اس مال و سامان کو بھی شامل کیا جائے گا، جو ضرورت سے زائد ہے۔ جس شخص کے پاس اتنا مال ہے، اس پر صدقۂ فطر بھی واجب ہے۔ اس میں سال کا گزرنا بھی ضروری نہیں۔ ایسا شخص اپنے زیرِ کفالت نابالغ بچوں کی طرف سے بھی صدقہ فطر ادا کرے گا۔ صدقۂ فطر گندم کے اعتبار سے تقریبا پونے دو کلو (احتیاطا پورے دو کلو) یا اس کی قیمت اور کھجور، کشمش اور جَو کے حساب سے تقریبا ساڑھے تین کلو یا اس کی قیمت دینا ہوتی ہے۔ نمازِ عید سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا سنت ہے۔ تاہم ادا نہ کیا تو بعد میں ادا کر لے۔ صدقہ فطر کے مستحق بھی وہی ہیں، جو زکوۃ کے مستحق ہیں۔

نوٹ: یہاں ہم نے صدقۂ فطر کے اہم مسائل آسان کر کے پیش کر دیے ہیں۔ تاہم تفصیل کے لیے کتبِ فقہ سے رجوع کیا جائے یا عوام کسی عالم سے اچھے طریقے سے مسائل سمجھ لیں۔

نعت

رحمتِ عالم صدقِ مجسم شافعِ محشر، ہادیٔ اعظم

صلی اللہ علیہ و سلم

سرورِ عالم، انور و اکرم اجمل و اکمل، سب کے مکرم

صلی اللہ علیہ و سلم

مدح و ثنا میں عاجز آئے عرب و عجم، کیا نطق و قلم

صلی اللہ علیہ و سلم

ذکر ترا ہے روح کی غذا تو فکر تری ہے قاطعِ ہر غم

صلی اللہ علیہ و سلم

تجھ سا ہوا ہے، تجھ سا نہ ہو گا بات یہی ہے، رب کی قسم

صلی اللہ علیہ و سلم

قاسم و عاقب، شاہد و حاشر رحمتیں رب کی، تجھ پہ ہوں پیہم

صلی اللہ علیہ و سلم

ظلمتِ شب میں تجھ سے اجالا صبح میں بدلی، شامِ الم

صلی اللہ علیہ و سلم

کفر کی آندھی لاکھ چلے پر بجھ نہ سکے گی شمعِ حرم

صلی اللہ علیہ و سلم

دل میں تری ہیں یاد بسائے سوز سے تیرے آنکھیں ہیں پر نم

صلی اللہ علیہ و سلم

نظرِ کرم انوآر پہ آقا حشر میں اس کا رکھنا بھرم

صلی اللہ علیہ و سلم

حجۃ الوداع کا پیغام

ہجرت کا آٹھواں برس فتحِ مبین کا سال تھا۔مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ پوری آب و تاب کے ساتھ بلند ہو گیا اور شرک کے آثار سے بیت اللہ کو پاک کر دیا گیا۔فتحِ مکہ کے بعد اطراف و اکناف سے لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے اور پیغمبر ﷺ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیا گیا۔اب وقت آ گیا تھا کہ جس مبارک مقصد کے لیے آپ ﷺ کو دنیا میں بھیجا گیا تھا، اس کی تکمیل کر دی جائے۔نیابتِ نبوت کو باقی رکھ کر نبوت کا سلسلہ ختم کیا جائے اور حبیب اللہ کو محبوبِ حقیقی کے پاس بلا لیا جائے۔

9ھ میں اسلام کا پانچواں رکن حج فرض ہوا۔اس سال آپ ﷺ نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مسلمانوں کو حج کروایا۔سن 10ھ میں آپ ﷺ نے خود حج کا عزم فرمایا۔آس پاس کے قبائل کو اطلاع کر دی گئی کہ آپ ﷺ بنفسِ نفیس خود حج کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔لوگ آپ ﷺ کی معیت کا لطف اٹھانے اور مناسکِ حج کی تربیت کے لیے جمع ہونا شروع ہو گئے۔اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی ایک ایک ادا کو، سفر کی تفصیلات، دعا، خطبات، قدم بہ قدم مناسک کی تفصیلات کو جس طرح محفوظ کیا، یہ ان کے رسول اللہ ﷺ سے عشق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔پھر محدثین اور سیرت نگاروں نے جس اہتمام سے انہیں اپنی کتب میں درج کیا، اس پر وہ پوری امت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔یہ تفصیلات دیکھنے کے لیے سیرت کی متعدد محققانہ تصانیف موجود ہیں، جن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ ﷺ 4 ذی الحجہ کو دن کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ چار روز قیام کے بعد جمعرات کے روز دن نکلتے ہی مسلمانوں کے ساتھ منیٰ تشریف لائے۔ ظہر و عصر کی نمازیں یہیں ادا فرمائیں۔ رات بسر کرنے کے بعد جب سورج نکل آیا تو عرفہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ نمرہ میں آپ ﷺ کے لیے خیمہ لگایا گیا ہے۔ آپ ﷺ اس میں اُترے، زوال کا وقت ہوا تو اپنی اونٹنی قصویٰ تیار کرنے کا حکم دیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر عرفہ کے میدان کے وسط میں آئے اور اپنی سواری پر ہی تشریف رکھتے ہوئے وہ عظیم تاریخی خطبہ دیا، جس میں اسلام کی بنیادوں کو واضح کیا۔ یہ عظیم خطبہ اپنے اندر حکمت و موعظت کا بے پناہ سامان رکھتا ہے۔ ذیل میں اس کا متن دیا جاتا ہے، پھر اس سے حاصل ہونے والے فوائد پر ایک نظر ڈالی جائے گی:

”لوگو! تمہارے خون اور مال تم پر اس طرح حرام ہیں، جیسے کہ اس دن کی اس شہر میں اور اس مہینے میں حرمت ہے۔ سنو! جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے پامال ہے۔ جاہلیت کا خون باطل ہے اور میں ایسے خونوں میں سے سب سے پہلے (اپنے چچازاد بھائی) ربیعہ بن حارث کے لڑکے کا خون معاف کرتا ہوں۔ جس نے بنو سعد میں پرورش پائی اور ہذیل نے اسے قتل کر دیا۔ اور جاہلیت کا سود معاف ہے۔ اور (اعزہ) کے سُودوں میں عباس بن عبدالمطلب کا سود (جو ان کو دیا جاتا تھا) معاف کرتا ہوں، وہ سارا باطل ہے۔ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو! کیونکہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امانت کے طور پر لیا ہے اور اللہ کی بات کے ساتھ ان کی شرم گاہوں کو حلال سمجھا ہے۔ ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو (جس کا آنا تمہیں گوارا نہیں) نہ آنے دیں۔ اگر وہ ایسا

کریں تو انہیں اس طرح مار سکتے ہو، جس سے انہیں چوٹ نہ آئے اور تم پر ان کا یہ حق ہے کہ انہیں خوراک اور پوشاک اچھے طریقے سے دو اور میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اس کو پکڑنے سے تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ وہ کتاب اللہ ہے۔ تم لوگوں سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم لوگ گواہی دیں گے کہ آپ نے پیغام پہنچا دیا اور امانت ادا کی اور خیر خواہی کی۔ آپ ﷺ نے اپنی انگلی آسمان کی طرف بلند کی پھر لوگوں کی طرف اشارہ کیا اور تین مرتبہ فرمایا: اے اللہ گواہ رہ! اے اللہ گواہ رہ! اے اللہ گواہ رہ!" (صحیح مسلم)

ایک سرسری نظر اس خطبے سے حاصل ہونے والے فوائد پر ڈالتے ہیں:

پیغمبر ﷺ نے قربانی میں اپنے اعزہ کو مقدم کیا

اس خطبے میں نبی کریم ﷺ نے جاہلیت کے خون اور سود کو باطل قرار دے دیا۔ یعنی جاہلیت میں کسی نے دوسرے کو قتل کیا تھا تو اب اس کا بدلہ معاف یا قرض وغیرہ کے ساتھ کیے گئے ناجائز معاملات کے نتیجے میں طے ہونے والے سود کو بھی باطل قرار دے کر اس کا لین دین ممنوع قرار دے دیا۔ اس ضمن میں نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے اپنے رشتہ داروں سے پہل کی۔ اپنے رشتہ داروں کو جو اس قسم کے حقوق ملتے تھے، انہیں سب سے پہلے ساقط کر کے عملی نمونہ قائم کر دیا۔ کسی تنقید کرنے والے کے لیے تنقید کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ شارحِ مسلم امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ امام اور دیگر جو لوگ نیکی کا حکم دیں، برائی سے منع کریں، انہیں چاہیے کہ ابتداء اپنی ذات اور اپنے اہل سے کریں کہ یہ زیادہ قابل قبول ہے۔

مسلمان کے خون کی حرمت:

نبی کریم ﷺ نے اس خطبے میں مسلمان کے جان و مال کی بڑی تکریم بیان فرمائی ہے۔ زمانہ جاہلیت سے تمام تر خرابیوں کے باوجود عربوں میں حج کا مہینہ بہت مقدس تصور کیا جاتا تھا۔ اسی طرح بیت اللہ شریف کی وجہ سے مکہ مکرمہ بھی بہت محترم شہر تصور کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سامعین کے سامنے حج کے دن، مہینے اور مکہ مکرمہ کی مثال دی اور مسلمانوں کے جان و مال کی حرمت اور انہیں پامال کرنے کی شناعت و بُرائی کو واضح فرما دیا۔ یہ اسی تعظیم کا اثر تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسلمانوں کی راحت رسانی کو اپنی جان پر بھی مقدم رکھتے تھے۔

اسلام کفر کے نشان مٹا دیتا ہے:

اس عظیم خطبے سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جہاں اسلام توحید اور سنت کی عملی جلوہ گری سے حیاتِ انسانی کو مزین کرتا ہے، وہاں کفر کی تمام رسوماتِ باطلہ اور آثارِ فاسدہ کو بھی مٹا دیتا ہے۔ جہاں اسلام بندے سے دل کی تصدیق اور زبان کا اقرار طلب کرتا ہے، وہاں کفر اور کفر کے تمام لوازم سے بیزاری بھی چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بندے کو اس بات کی بھی تسلی دیتا ہے کہ حالتِ کفر میں اس سے جو گناہ ہوئے، ان کی وجہ سے مایوس نہ ہو۔ وہ اسلام قبول کرے تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اگر مسلمان ہے، پھر اس سے گناہ ہوئے تو توبہ کرے، اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔

سود کی حرمت:

رسول اللہ ﷺ نے سود کو بھی باطل قرار دیا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ قرض لیتے تو قرض دینے والا قرض دار سے رقم واپس کرنے پر کچھ نفع لینے کی شرط بھی مقرر کر

لیتا۔واپسی کی تاریخ آنے پر بھی قرض دار مزید مہلت طلب کرتا تو قرض خواہ نفع بڑھا کر مزید مہلت دے دیتا۔اسی طرح جب تک قرض دار رقم ادا نہ کر سکتا، نفع کی مقدار بڑھتی چلی جاتی۔اسی کے بارے میں قرآن پاک میں فرمایا گیاہے{فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ } [البقرة: 279] کہ تمہارے لیے اتناہی ہے، جتنا تم نے اصل قرض دیا تھا۔اسے رِباالقرآن بھی کہا جاتا ہے۔اس کے ساتھ سود کی ایک دوسری قسم، جسے رِباالحدیث کہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ جب دو اشیاء ایک ہی جنس کی ہوں تو ایک کے بدلے میں دوسری کو لیتے ہوئے زیادتی کی شرط جائز نہیں ہے۔بلکہ دونوں کا برابر سرابر ہونا ضروری ہے۔سود کی یہ دونوں قسمیں حرام ہیں۔

خواتین کے حقوق کا تعین اور تحفظ:

خطبہ حجۃ الوداع میں حقوقِ نسواں کے تعین اور تحفظ کا جس تاکید سے اہتمام کیا گیا ہے، وہ تاریخِ انسانی کا ایک سنگ میل ہے۔یہ ایک ایسا روشن مینارہ ہے کہ دنیا بھر میں خواتین کی فلاح وبہبود کے لیے مخلصانہ کوششیں کرنے والے افراد اور ادارے اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ذرا ایک نظر عرب کے اس معاشرے پر ڈالیے، جس کے بارے میں قرآن عظیم فرماتا ہے:

{وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ۔يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ} [النحل: 58، 59]

"اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے اور (اس کے دل کو دیکھو تو) وہ اندوہ ناک ہو جاتا ہے، اور اس خبر بد سے (جو وہ سنتا ہے) لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے"۔

یہ وہ معاشرہ تھا، جہاں عورت کھیل تماشے کا ذریعہ تھی۔اشعار میں اس کا تذکرہ کسی گری پڑی چیز کی طرح کیا جاتا تھا۔نہ صرف عرب، بلکہ دنیا بھر میں بالعموم عورت کا کوئی وقار نہ تھا۔ہندوستان میں عورت معاشرے کا ذلیل فرد تھی۔یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات تھیں، جن کے نتیجے میں ماں کے قدموں کے نیچے جنت کو جانے والے نشانات مقرر ہوئے۔باوقار اور حیادار بیوی کو اسبابِ سعادت قرار دیا گیا۔بیٹیوں کی پرورش کرنے والے کو جنت کی خوش خبری دی گئی۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے اس خطبے میں عورتوں کی خوراک اور لباس کے انتظام کو مردوں کے ذمے کر کے عورتوں کو اس فکر سے بے نیاز کر دیا۔عورتوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تاکید کر کے مردوں پر خواتین کے حقوق کی عظمت کھول دی گئی۔

خواتین پر مردوں کے حقوق:

آپ ﷺ نے اس کے ساتھ مردوں کے احترام کو بھی لازم قرار دیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خواتین اپنی اور اپنے مردوں کی ناموس کا خیال کریں۔بے حیائی، بے پردگی اور بے وفائی کا ارتکاب نہ کریں۔خاوند کی خدمت کو اعلیٰ درجے کی سعادت سمجھیں۔جب تک خاوند کسی غیر شرعی کام کا حکم نہ دے، تب تک اس کی فرماں برداری کریں۔ تاہم اگر وہ کسی بے حیائی میں مبتلا ہو جائے تو تربیت کے لیے خاوند اسے ہلکی ضرب بھی لگا سکتا ہے، لیکن مارنے یا جھڑکنے میں حد سے تجاوز نہیں کر سکتا۔

کتاب اللہ ہر فتنے سے بچاؤ کی کفیل:

چونکہ نبی کریم ﷺ جانتے تھے کہ اب اللہ کی مرضی اسی میں ہے کہ اپنے حبیب کو جلد اپنے پاس بلا لیا جائے۔اسی وجہ سے سورۂ نصر میں آپ ﷺ کو تسبیح اور

استغفار کے خاص اہتمام کا بھی حکم دے دیا گیا۔ اس لیے آپ ﷺ نے امت کو کتاب اللہ سے مضبوط تعلق قائم کرنے کی تلقین کی اور اس تعلق کو ہر گمراہی سے حفاظت کا ذریعہ قرار دیا۔

کتاب اللہ دین کی اصل ہے۔ اس کی حفاظت خود باری تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ یہ اپنے اندر ہدایت کا سامان رکھتی ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں رہنمائی کرتی ہے۔ کتاب اللہ کے الفاظ اور معانی دونوں فتنوں کے وقت میں پناگاہیں ہیں۔ کتاب اللہ وہ مضبوط رسی ہے، جو اللہ تک پہنچاتی ہے۔

تبلیغِ دین میں رسول اللہ ﷺ کی فکر مندی:

نبی کریم ﷺ نے اپنے تیئس سالہ دورِ نبوت میں جس دل سوزی اور عالی ہمتی سے اللہ کے دین کو انسانوں تک پہنچایا، اس کے متعلق خود قرآن پاک کہتا ہے:

{حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ} [التوبة: 128]

یعنی تمہاری ہدایت پر حریص ہیں اور اہل ایمان کو معاف کرنے والے اور رحم دل ہیں۔

آپ ﷺ نے سخت حالات میں اللہ کے دین کی دعوت لوگوں کے سامنے رکھی۔ پھر بھی یہ آپ کی کمال تواضع، للّٰہیت اور خدا کے دین کو پہنچانے کے لیے فکر مندی کا اظہار تھا کہ آپ ﷺ صحابہ کرام کے تقریبا سوا لاکھ سے زائد مجمع کو اللہ کے سامنے بطور گواہ پیش کرتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی صدقِ دل سے مقصدِ رسالت میں آپ ﷺ کی کامیابی کا اقرار کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصحابِ دعوت کو بھی اپنی دعوت میں اس عظیم امانت کی درست ادائیگی کے بارے میں فکر مند رہنا چاہیے۔ اس میں کوتاہی کے اندیشے کو ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہیے۔ دعوت اور دعوت کے طریقِ کار کے مختلف پہلو پر نظر رکھنی چاہیے۔ دعوت پہنچانے کے بعد اللہ سے قبولیت کی دعا بھی مانگنی چاہیے۔

اَلنَّبِیُّ الاُمِّی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خصائص میں ایک اہم خصوصیت " اُمیّ" ہونا ہے۔ قرآن مجید میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو النبی الامی کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ حدیثِ پاک میں بھی "النبی الامی" کے الفاظ ملتے ہیں۔ عربی لغت میں اُمِی کا مطلب " ناخواندہ" ہے۔ یعنی وہ شخص، جس نے تعلیم حاصل کی ہو اور نہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو۔ اس لحاظ سے النبی الامی کا مطلب وہ نبی ہے، جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ اگر چہ امی کا یہی معنی زیادہ واضح اور زیادہ سمجھ میں آنے والا ہے۔ تاہم امی کے ضمن میں چند دیگر اقوال بھی ملتے ہیں۔

☆ امی منسوب ہے، اُم القریٰ (بستیوں کی ماں) کی طرف، جو مکہ مکرمہ (زاداللہ شرفہا) کا نام ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ولادت و بعثت مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ لہٰذا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو امی لقب دیا گیا۔

☆ امی منسوب ہے "اُم" کی طرف، جس کا مطلب ماں ہے۔ بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ سرکارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بھی ہر گناہ سے معصوم تھے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے گناہ کا صادر ہونا محال تھا۔ گناہوں کی آلائشوں سے بالکل پاک تھے۔ لہٰذا آپ کا لقب "امی" ہوا۔

☆ امی امت سے ہے "ت" نسبت کے وقت گر گئی، جیسے مکہ سے "مکی" اس صورت میں آپ کی امت کے کثیر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

بہر حال اگر النبی الامی کا معنی یہ لیا جائے کہ وہ نبی، جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تو یہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ایک عظیم خصوصیت اور کھلا معجزہ ہے۔ دنیا میں لکھت پڑھت کو کمال سمجھا جاتا ہے، لیکن رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا کمال یہ تھا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ناخواندہ ہونے کے

باوجود ایک طرف تو کلام اللہ شریف کی صورت میں ایسا کلام لائے، جس کی فصاحت و بلاغت کو وقت کے عظیم خطباء وشعراء نے تسلیم کیا۔ جس نے قیامت تک کے لیے معاندین کو چیلنج دے دیا کہ اگر تمہیں اس کے بارے میں شک ہو تو ایک سورت اس جیسی لاؤ۔ یہ تو النبی الامی پر اترنے والے کلامِ الٰہی کا حال ہے۔ دوسری طرف آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے حکمت و دانائی کے ایسے چشمے جاری ہوتے ہیں، جن میں پائی جانے والی تاثیر آج بھی محسوس ہوتی ہے۔ حضورِ انور ﷺ کی ولادت مکہ میں ہوئی، جہاں کے رہنے والے اپنی زندگیاں تعلیمی ماحول سے بیگانہ رہ کر گزار دیتے تھے۔ چند گنے چنے افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ لوگوں کی دلچسپی کا محور علمی مذاکروں کے بجائے گھوڑے، نیزے، جنگیں اور حسب و نسب تھا۔ جب نبی کریم ﷺ ایسے ماحول میں باوقار زندگی گزارتے ہوئے عمر مبارک کے چالیسویں سال کو پہنچتے ہیں تو آپ ﷺ کو حرا کی غار میں اللہ کا مقرّب فرشتہ جبرئیل علیہ السلام کہتا ہے۔ ''اقرأ'' پڑھ! آپ ﷺ فرماتے ہیں ''ما انا بقارئ'' (میں پڑھ نہیں سکتا) جبرائیل علیہ السلام پھر کہتے ہیں: پڑھیے! آپ ﷺ پھر عذر فرماتے ہیں۔ آخر جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کو اپنے سینے سے لگا کر زور سے دباتے اور چھوڑ کر پھر پڑھنے کا کہتے ہیں۔ آپ ﷺ پوچھتے ہیں کیا پڑھوں؟ جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''پڑھ اپنے رب کے نام سے، جس نے پیدا کیا انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے، پڑھ اور تیرا رب سب سے زیادہ عزت والا ہے، جس نے قلم کے ذریعے سکھلایا انسان کو، وہ سکھلایا، جو وہ نہیں جانتا تھا''۔ (سورۃ القلم)

پہلی وحی ہی میں نبیِ امی کو پڑھنے کا حکم دے کر بتلا دیا گیا کہ آپ ﷺ کی تعظیم زمینی نظام کی پابند نہیں، بلکہ آسمانوں سے کی جائے گی۔ کوئی فرد اس کا اہل نہیں ہو سکتا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھائے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معلّم و مربّی خود اللہ تعالیٰ ہے۔ چنانچہ ایک ارشاد گرامی ہے جو معنیً صحیح ہے اگر چہ اس کی سند پر کلام ہے: ''أَدَّبَنِيْ رَبِّيْ فَأَحْسَنَ تَأْدِيْبِيْ'' ''مجھے میرے رب نے ادب سکھلایا اور کیا خوب سکھلایا ہے''۔

(مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ: 18/ 375)

وقال ابن تيميه بعد نقل هذا الحديث: ''الحمد لله، المعنى صحيح لكن لا يعرف له إسناد ثابت

جس کا معلم و مربی خود خالقِ علم و اخلاقِ فاضلہ ہو، اس کے لیے امی ہونا باعث فخر و کمال ہے۔ قرآن پاک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کیفیتِ تعلیم کو اللہ کا بڑا فضل قرار دیتا ہے:

{وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا} [النساء: 113]

اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب و حکمت اتاریں اور آپ کو وہ سکھایا، جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا عظیم فضل ہوا۔

عربوں کی علم شناسی اور تعلیم کا یہ حال تھا کہ اہلِ کتاب یہودیوں نے ان کا نام ہی ''امیّون'' یعنی اَن پڑھ رکھ دیا تھا۔ ان اُمیوں میں اللہ تعالیٰ نے ان ہی کی جنس میں سے ایک نبی مبعوث فرمائے، جو امی تھے، لیکن ان کی وجہ سے ان ناخواندہ عربوں میں علم کی تحصیل کا ایسا جذبہ پیدا ہو گیا کہ دوسرے جذبات اس کے سامنے ثانوی حیثیت اختیار کرتے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم دیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ ہدایت اسے آگے منتقل فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار ساتھی دل و جان سے اسے محفوظ رکھتے اور اس پر عمل کرتے۔ یہ اس نبیِ اُمی کا فیضان ہے، جو آج امت کے پاس تفسیر، اصولِ تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، کلام اور دیگر علوم کا بیش بہا خزانے کی صورت میں موجود ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ کسی بھی مذہب اور نظریے کے

پیروؤں نے اپنے قائد یا نبی کی تعلیمات میں ایسی حزم و احتیاط اور جان فشانی نہیں دکھائی، جیسی امتِ مسلمہ نے اپنے حبیب ﷺ کے اقوال و احوال اور افعال سے اخذ ہونے والے علوم و معارف کی حفاظت اور نشر واشاعت میں کوشش کی ہے۔ پہلی وحی میں قلم کا ذکر بھی ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس امت کو تعمیر کرنا تھا، اس امت کا قلم سے بڑا مضبوط رشتہ قائم ہونا تھا۔

چونکہ نبی اکرم ﷺ کی تعلیم و تربیت بغیر کسی استاد یا قلم کے ہوئی تھی، لہٰذا آپ ﷺ نے وحی کی کتابت اور دعوتی خطوط کی کتابت کے لیے اپنے صحابہ میں سے بعض کو منتخب فرمایا۔ چنانچہ سیر و تاریخ کی کتب میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام محفوظ ہیں۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے یہود کی زبان سیکھنے کا حکم دیا، تاکہ خط وکتابت میں سہولت ہو۔ میں چند دنوں میں ہی یہ زبان سیکھ کر اس خدمت کو انجام دینے لگا۔ مسجد نبوی میں صفہ نامی ایک چبوترہ تھا۔ اس میں ان صحابہ کرام کا پڑاؤ رہتا تھا، جو حصولِ علم کے لیے اپنے آپ کو دیگر کاموں سے فارغ کر دیتے یا دیگر دھندوں کو جزوی وقت دیتے تھے۔ یہ اور دیگر بہت سے شواہد ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کا تعلق علم اور قلم سے جوڑا تھا۔

"النبی الامی" سرکارِ دوعالم ﷺ کا وہ لقب ہے، جو قرآن پاک میں بھی موجود ہے اور حدیث پاک میں بھی موجود ہے۔ سورۂ اعراف کے نویں دسویں رکوع میں "الرسول النبی الامی" کے القاب کے ساتھ آپ ﷺ کی دیگر صفات کا بھی ذکر ہے۔ مضمون کے اختتام پر تبرکاً درود کے وہ صیغے لکھتے ہیں، جو حدیث سے ثابت ہیں اور ان میں آپ ﷺ کا مبارک لقب " امی " بھی موجود ہے۔ ان کے پڑھنے سے درود پاک کے ساتھ حدیث کی تلاوت کا ثواب بھی حاصل ہو گا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی کتاب نشر الطِّیب

کے آخر میں دورد و سلام کی ایک چہل حدیث نقل کی ہے، اس میں ایک حدیث میں درود پاک کے یہ الفاظ منقول ہیں:

"وصلی اللہ علی النبی الامی" اللہ کی رحمت ہو نبی امی پر ۔

فضائلِ درود شریف از شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ میں ایک درود پاک نقل کیا گیا ہے، جسے جمعہ کے روز عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے قبل پڑھ لینے سے 80 سال کی نیکیاں ملتی ہیں اور 80 سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ وہ درود شریف یہ ہے:

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا"

(القول البدیع، ص: 198)

نظامی گنجوی کی "مخزن اسرار" میں امی کے متعلق ایک لطیف نکتہ ہے، جسے شعر میں بیان کیا گیا ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ اول نبی آدم علیہ السلام سے لے کر بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء و رسل حضور ﷺ کی صفات عالیہ بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ "امی" کے الف سے مراد آدم اور "م" سے مراد مسیح علیہما السلام ہیں۔ اور یائے نسبت اس راز کو کھولنے والی ہے۔ شعر یوں ہے ؂

امی و گویا بزبان فصیح

از الف آدم و میم مسیح

ایک ہندی شاعر رسول اللہ ﷺ کی مدح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ ﷺ ناخواندہ تھے، لیکن عالم کی باریک باتیں (جن سے دوسرے لوگ ناواقف تھے) ان کو جاننے والے تھے۔ آپ ﷺ کے جسمِ اطہر کا سایہ بھی زمین پر نہیں پڑتا تھا، لیکن آپ ﷺ نے کل عالم کو اپنی رحمت و شفقت کے سائے میں لے لیا ہے۔

امی و دقیقہ دان عالم
بے سایہ و سائبان عالم

نبی کریم ﷺ کی سیرت میں دعا کا پہلو

"اے میرے رب! میری اعانت فرما اور میرے خلاف کسی کی اعانت نہ فرما اور میری مدد فرما اور میرے خلاف کسی کی مدد نہ فرما۔ میرے لیے تدبیر فرما اور میرے خلاف کوئی تدبیر نہ فرما اور مجھے ہدایت نصیب فرما اور ہدایت پر قائم رہنے کو میرے لیے آسان فرما اور جو مجھ پر زیادتی کرے، اس کے خلاف میری مدد فرما۔ اے میرے رب! تو مجھے اپنا شکر ادا کرنے والا، اپنا ذکر کرنے والا، اپنے سے ڈرنے والا، اپنا فرماں بردار اور اپنی طرف متوجہ ہونے والا بنا دے۔ میری توبہ قبول فرما۔ میرے گناہ دھو دے اور میری دعا قبول فرما اور میری دلیل کو مضبوط فرما اور میرے دل کو ہدایت نصیب فرما۔ اور میری زبان کو ٹھیک رکھ اور میرے دل کے کینے اور کھوٹ کو نکال دے"۔ (ترمذی)

دعا کے اندر اس درجہ عاجزی کرنے والی شخصیت، کائنات میں باری تعالیٰ کی طاقت و قدرت کو سب سے زیادہ پہچاننے والی ہستی محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ یوں تو نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی کا ایک ایک گوشہ تواضع اور عاجزی سے عبارت ہے، لیکن نماز اور دعا میں آپ سراپا عجز و نیاز بن جاتے تھے۔ والہانہ انداز میں اللہ تعالیٰ کے حضور گڑ گڑا کر اپنی حاجات طلب کرتے تھے۔ درحقیقت یہ اپنے مالک کے حکم {ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ} [غافر:60] (مجھ سے مانگو میں تمہارے لیے قبول کروں گا) کی تعمیل تھی۔ علمائے امت نے اپنی کتب میں نبی کریم ﷺ سے منقول دعاؤں کو نقل کیا ہے۔ انہیں ادعیۂ ماثورہ کہتے ہیں۔ ادعیہ دعا کی جمع ہے اور ماثورہ اثر سے ہے۔ یعنی وہ دعائیں، جو احادیث سے ثابت ہیں۔ پھر ان ادعیۂ ماثورہ میں بھی دو اقسام ہیں۔ ایک تو وہ دعائیں ہیں، جن میں باقاعدہ دعا کا انداز شامل ہے۔ جیسے نماز کے بعد کی دعائیں، کسی خاص حاجت کو طلب کرنے کی دعا، استخارہ

وغیرہ کی دعا... ان دعاؤں میں تو باقاعدہ دعا کی ہیئت اختیار کی گئی ہے اور امت کے لیے بھی سنت طریقہ یہی ہو گا کہ ان میں باقاعدہ سکون و تواضع، یکسوئی کے ساتھ اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے۔

نبی کریم ﷺ سے منقول دعاؤں کی دوسری قسم وہ ہے، جنہیں احوال متواردہ کا ذکر کہتے ہیں۔یعنی آدمی کو مختلف اوقات میں مختلف احوال پیش آتے ہیں، اس وقت نبی کریم ﷺ سے منقول یادِ الٰہی جیسے صبح وشام کی دعائیں، سونے اور جاگنے کی دعائیں وغیرہ۔ان اذکار میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور آخرت کی یاددہانی ہے۔گویا ہر وقت اللہ اور آخرت کی یاد بندے کے سامنے ہے۔ان اذکار کو پڑھتے ہوئے نبی کریم ﷺ سے باقاعدہ دعا کی ہیئت کا التزام منقول نہیں۔امت کے لیے بھی ان اذکار کو پڑھتے ہوئے سنت یہی ہو گی کہ وہ اس کے لیے باقاعدہ دعا کی ہیئت (ہاتھ اٹھانا وغیرہ) اختیار نہ کریں۔

بہر حال ادعیۂ ماثورہ کو دیکھنے سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ ہر قسم کی حاجتوں کو رفع کرنے والی اور مشکلات و آفات کو دفع کرنے والی ہستی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو مانتے ہوئے دعا فرماتے۔ آپ ﷺ کی ان دعاؤں کو یاد کرنے اور سمجھ کر پڑھنے سے خود بخود عقیدۂ توحید دل پر نقش ہو جاتا ہے۔اپنی شکستگی اور خالق علی الاطلاق کی ہیبت اور سطوت نصیب ہوتی ہے۔کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک فلسفی نے کسی اللہ والے سے کہا کہ اگر یہ سارا آسمان ترکش بن جائے، مصائب وبلیلات تیر بن جائیں، چلانے والا خود ربِ کائنات ہو تو بتاؤ تم کیسے بچو گے؟ ان بزرگوں نے جواب دیا کہ میں تیر چلانے والے کے پہلو میں جا کھڑا ہوں گا۔ نبی کریم ﷺ کی دعاؤں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ پریشانیوں اور مصیبتوں سے بچنے کے لیے پناہ اور نجات صرف

اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے۔ اسی کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرنا تمام مسائل سے چھٹکارے کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ درج ذیل دعا میں عام طور پر انسانوں کو درپیش مسائل کے دور کرنے اور ان سے حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی گئی ہے۔

حضور ﷺ کی دعا کے الفاظ:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِوَالْکَسَلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وُالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِالرِّجَالِ" (حصن حصین ص 79 بحوالہ ابوداود)

اے اللہ! میں تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں غم و حزن سے اور پناہ طلب کرتا ہوں عاجزی اور سستی سے اور تیری پناہ طلب کرتا ہوں بزدلی اور بخل سے اور تیری پناہ طلب کرتا ہوں قرض کے غلبے اور لوگوں کے اپنے اوپر چھا جانے سے۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک صاحب نے آپ ﷺ کے پاس آکر اپنے حالات کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے انہیں یہ دعا تلقین فرمائی۔ نبی کریم ﷺ کی دعائیں اکثر و بیشتر "اللّٰھم یا ربّنا" سے شروع ہوتی تھیں۔ یا تو آپ ﷺ "انی أسئلك" (میں تجھ سے سوال کرتا ہوں) کہہ کر اپنی حاجت مانگتے یا "اٰتِنا" (ہمیں دے) وغیرہ کہہ کر ضرورت طلب کرتے۔ یہ ہمیں اس بات کا درس ہے کہ دعا کرتے ہوئے محتاج بن کر اللہ تعالیٰ سے طلب کریں۔ علماء نے لکھا ہے کہ دعا کرتے ہوئے ابتداء میں اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنا مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کر کے بھی بندہ اپنے عجز و نیاز کا اظہار کرتا اور اپنے آپ کو محتاج ظاہر کر کے اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے۔

قبولیتِ دعا میں مؤثر بعض کلمات:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص دعا کے شروع میں "یا ارحم الرحمین" (اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے) تین مرتبہ کہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ ارحم الراحمین تیری طرف متوجہ ہے، مانگ، کیا مانگتا ہے؟(حاکم عن ابی امامہؓ)

اسی طرح دعا کی ابتداء میں یاذالجلال و الاکرام کے تکرار کو دعا کی قبولیت کا ذریعہ بتلایا ہے۔(ترمذی عن معاذ)

"لآاله الا انت سبحٰنک انی کنتُ من الظٰلمین"

(اے اللہ! تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔تو بے عیب ہے۔میں ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔) کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص اسے پڑھ کر دعا کرے گا، اس کی دعا قبول ہو گی۔ (حصنِ حصین بحوالہ حاکم)

اسی طرح احادیث میں اور بھی ایسے کلمات آتے ہیں، جن کو پڑھ کر دعا کرنے سے دعا قبول ہوتی ہے۔ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی طاقت، عظمت اور اپنی شکستگی کا اظہار ہے۔

نبی کریم ﷺ ہر حال اور ہر لمحے اپنے خالق و مالک کی طرف متوجہ رہتے تھے۔نماز اور دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مدد طلب فرماتے تھے۔آپ ﷺ کی نظر میں دعا کس قدر اہمیت کی حامل ہے، اس کا اندازہ ان ارشادات سے ہو جاتا ہے، جن میں دعا کی عظمت بیان فرمائی ہے۔چنانچہ ارشاد فرمایا:

جس کے لیے لیے دعا کے دروازے کھول دیے گئے، اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے گئے۔ (حصنِ حصین)

ایک اور جگہ فرمایا: "دعا عین عبادت ہے"۔ (ایضاً)

ایک اور جگہ فرمایا:

"دعا مومن کا ہتھیار ہے"۔ (حصنِ حصین بحوالہ کنز العمال)

ان ارشادات کی روشنی میں امتیوں کا کام یہ ہے کہ وہ دعا کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے برابر دعا میں مشغول رہیں۔ کوئی آدمی کسی دوسرے سے برابر اصرار کرتا رہے تو بالآخر وہ اس مانگنے والے کی طلب پوری کر ہی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو خالقِ کائنات ہے، مانگنے والے سے خوش ہوتا ہے۔ یقیناوہ بھی بندے کی حاجت روائی کرے گا۔

پھر قبولیتِ دعا کی صورتیں ہیں۔ یا تو اس کی مانگی ہوئی چیز دے دی جاتی ہے یا اس کے بدلے میں اُس سے کوئی برائی یا مصیبت ہٹا دی جاتی ہے یا آخرت میں اسی قدر ثواب اس کے حصے میں لگا دیا جاتا ہے۔ بہر حال بندہ پورے عزم اور حوصلے کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرما دیتے ہیں اور دعا مانگتے رہنے کا ثواب بھی دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی دعا پر لکھتے ہوئے آپ ﷺ کی قبولیتِ دعا کے ایک دو نمونے لکھتے ہیں، ان سے معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ کی دعا کو قبولیت و استجابت کی ایک خاص شان حاصل تھی۔ علماء نے اسے بھی آپ ﷺ کے معجزات میں شمار کیا ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ صحنِ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بعض روسائے قریش نے عین حالت نماز میں آپ ﷺ کی گردن مبارک پر نجاست ڈال دی۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ نجاست ہٹائی تو آپ ﷺ نے سجدے سے سر اٹھایا، پھر نام لے لے کر دعا مانگی کہ اے خداوند! تُو ان کو پکڑ۔ چنانچہ وہ سب کے سب غزوۂ بدر میں واصل جہنم ہوئے۔ (صحیح البخاری، غزوۃ البدر)

آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ انہیں چادر میں لپیٹ کر لے آئیں اور آپ ﷺ کی خدمت میں بطور خادم پیش کیا اور ان کے لیے دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ترقی مال و اولاد کی دعا دی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آج اس دعا کی برکت ہے کہ بکثرت دولت ہے اور میرے لڑکوں اور پوتوں کی تعداد سو کے قریب پہنچ چکی ہے۔ (مسلم شریف)

ہم آخر میں مختصراً قارئین کے فائدے کے لیے دعا کے کچھ آداب لکھتے ہیں۔ ان کی رعایت سے دعا کی قبولیت کی قوی امید ہے۔

دونوں ہاتھ سینے تک یا کندھوں تک اٹھالیں۔ ہتھیلیوں کا رخ اوپر ہو۔ دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے ملے ہوں یا بہتر یہ ہے کہ دونوں میں ہلکا سا فاصلہ ہو۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف، پھر درود پاک پڑھ لیں۔ استغفار کریں اور اپنی حاجت طلب کریں۔ توجہ اور حضورِ قلب کے ساتھ دعا مانگیں۔ محتاج بن کر اور عاجزی کے ساتھ دعا کریں۔ آخر میں پھر درود شریف پڑھ کر دونوں ہاتھ منہ پر پھیر لیں۔ دعا کرتے ہوئے اور بعد میں بھی پُر امید رہیں۔ اس کے ساتھ مالِ حرام سے خصوصی پرہیز ہو، کیونکہ یہ قبولیتِ دعا میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ (حصن حصین)

نعت

عظیم سے بھی عظیم تر ہے، عظیم پیکر ہے ذات ان کی
بشر ہیں لیکن بشر میں سب سے بلند تر ہیں صفات ان کی

حرِا کی چوٹی سے نور چمکا، زمانہ جس سے ہوا تھا روشن
دلوں میں الفت، نگہ میں ذوقِ حیا، یہ سب ہیں سوغات ان کی

جہاں ہیں آقا، وہاں کے منظر نظر کو فرحت نوازتے ہیں
مہکتی کلیوں سے جا کے پوچھو، عجیب روشن ہے رات ان کی

ہے موت تو اک اٹل حقیقت، وہ موت کے بعد بھی ہیں زندہ
نظامِ شام و سحر پہ اب تک لکھی ہوئی ہے حیات ان کی

رسولِ رحمت کی عظمتوں کو لکھے گا عنواں بدل بدل کے
ہو جب جہاں سے روانہ یارو ، کہے گا انوؔار بات ان کی

نبی کریم ﷺ کی دعوت و تبلیغ کے اصول اور اس کے اثرات

نبی کریم ﷺ کی دعوت کی ایک انفرادی خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ نے اپنے رفقاء کو بھی اس فریضے کی ادائیگی میں شامل کیا۔ جو اہلِ سعادت آپ ﷺ پر ایمان لاتے، وہ مستقل مبلغ ہوتے۔ وہ اپنے آقا کی تعلیمات پھیلانے میں عزیمت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ چونکہ نبوت و وحی کا سلسلہ سرکارِ دوعالم پر بند ہو رہا تھا، لہٰذا امت کے سامنے سرکارِ دوعالم ﷺ اور دعوت الی اللہ کے اصول کو منظم انداز میں بیان فرمایا گیا ہے۔ دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں حضور اقدس ﷺ کو جس ضابطے کا پابند کیا گیا، اس کا بیان سورۃ نحل میں ہے:

{ٱدۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلۡحِكۡمَةِ وَٱلۡمَوۡعِظَةِ ٱلۡحَسَنَةِۖ وَجَٰدِلۡهُم بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُ}

[النحل: 125]

"آپ اپنے رب کی راہ (یعنی دین) کی طرف (لوگوں کو) علم کی باتوں کے ذریعے سے (جن سے مقصود ترغیب و ترہیب اور ترقیقِ قلب ہوتا ہے) بلائیے۔ اور اگر بحث آن پڑے تو ان کے ساتھ اچھے طریقے سے (کہ جس میں شدت اور خشونت نہ ہو) بحث کیجیے"۔ (بیان القرآن)

دعوت و تبلیغ کے ان تین اصولوں کو حضورِ اکرم ﷺ کی سیرت کے مختلف واقعات میں بہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ ان اساسی اصولوں پر اٹھائی جانے والی دعوت کے اثرات کا اندازہ تیس سال کے مختصر عرصے میں تیار ہونے والی اطرافِ عالم کے باشندگان پر مشتمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت کی زندگیوں سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ دعوت و تبلیغ کے ان اصولوں کے ساتھ ساتھ قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کو

تلقین کردہ مزید اصولِ دعوتِ دین بھی ملتے ہیں۔جیسے نرم گفتاری(قول لیّن) شفقت(رِفق) تدریج، تالیفِ قلوب، اعراض، تبشیر(خوش خبری دینا) تنذیر (ڈرانا)۔ آیئے! نبی کریم ﷺ کی سیرت میں ان اصولوں کو دیکھتے ہیں، تاکہ ان کے استعمال اور اثرات سے آگاہی ہو۔

حکمت:

حکمت یعنی دانائی ایک عطیۂ ربّانی ہے، جسے حکمت عطا کی گئی، اسے بڑی خیر دی گئی۔(قرآن)

حکمت آدمی کو موقع محل کی مناسبت سے درست فیصلے میں مدد دیتی ہے۔دعوت و تبلیغ میں حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی دوسرے شخص کے مزاج، مزاق اور ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے اس طرزِ تکلم کو اختیار کرے، جو اس کے لیے پُر اثر اور دل نشین ہو۔اس کے ذہن سے آگے کی یا نچلی سطح کی باتیں حکمت کے خلاف ہیں۔جو دلائل مخاطب کو قائل کر سکیں، حکمت سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے والد حضرت حصین رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔یہ وہ شخص تھے، جن کی قریش تعظیم کرتے تھے۔انہوں نے یہ کہہ کر حصین رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا کہ آپ اس آدمی (محمد ﷺ) سے بات کیجیے، جو ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہتا ہے۔حصین رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟ حصین رضی اللہ عنہ بولے: سات آسمانوں میں اور ایک زمین میں۔آپ ﷺ نے فرمایا: جب تمہیں تکلیف پہنچے تو کس کو پکارتے ہو؟ بولے، آسمان والے کو۔آپ ﷺ نے فرمایا: مال ہلاک ہو جائے تو کس کو پکارتے ہو؟ بولے:

آسمان والے کو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ عجیب بات ہے کہ تمہاری بات پر وہ اکیلا فریادرسی کرتا ہے اور تم اس کے ساتھ اَور خداؤں کو شریک کرتے ہو۔ کیا تم آسمان والے خدا کی رضا واجازت سے ان دیوتاؤں کو شریک کرتے ہو یا ان دیوتاؤں سے ڈرتے ہو کہ تم اگر ان کو شریک نہیں کروگے تو وہ تم پر غالب آجائیں گے۔ حصین بولے: ان دو میں سے کوئی بات نہیں۔ نبی کریم ﷺ کی اس حکیمانہ دعوت کا اثر یہ ہوا کہ حصین رضی اللہ عنہ اس مجلس سے اسلام کی دعوت لے کر اٹھے۔ (حیاۃ الصحابہ، جلد اول)

موعظہ حسنہ:

یعنی عمدہ نصیحت دعوت و تبلیغ کا دوسرا بنیادی اصول ہے۔ داعی کو اپنی دعوت سمجھانے کے لیے مخلصانہ طور پر بات کرنی پڑتی ہے، جو دوسرے کے لیے دعوت کو پرکشش بنا دے۔ اس ضمن میں نبی کریم ﷺ کی سیرت میں وافر رہنمائی موجود ہے۔ نبی کریم ﷺ بے لوث ہو کر جو دعوت دیتے رہے، وہ بت پرستوں کے لیے اجنبی تھی، لیکن آپ ﷺ نے اپنی دعوت کو حسین اور خوب صورت انداز میں پیش کیا، جس نے دلوں کے اندر جگہ پکڑ لی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے کہیں تو نفیس مثالیں دیں، کہیں ترغیب دی اور کہیں ترہیب (ڈرانے) کا پہلو اختیار کیا۔ آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت اور خیر خواہی پر مبنی نصیحت نے لوگوں کو رسولِ پاک ﷺ کی بات سننے اور ماننے پر آمادہ کر دیا۔ اب سیرتِ طیبہ میں اس کی جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

ضماد ازدی رضی اللہ عنہ اپنے قبولِ اسلام کا قصہ سناتے ہیں کہ میں عمرے کے لیے مکہ مکرمہ حاضر ہوا۔ مجھے ایک مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا، جس میں ابوجہل اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ اس شخص نے ہماری جماعت میں تفرقہ پیدا کر دیا اور ہمیں بے وقوف قرار

دیا۔ ہمارے مردوں کو گمراہ کہا اور ہمارے معبودوں میں عیب نکالے۔ اس پر امیہ بن خلف نے کہا کہ یہ شخص یقیناً پاگل ہے۔ ضماد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جی میں کہا کہ میں جنات کے اثرات کا علاج کرتا ہوں، لہٰذا اس شخص سے مل کر دیکھتا ہوں۔ اس کے بعد میں نبی کریم ﷺ کی تلاش میں رہا تو آپ ﷺ کو بیت اللہ میں نماز پڑھتے دیکھا۔ میں آپ ﷺ کے قریب ہوا اور بتایا کہ میں نے آپ کی قوم کو آپ کے متعلق ایسی باتیں کہتے ہوئے سنا ہے، اگر آپ چاہیں تو میں آپ کا علاج کروں؟ نبی کریم ﷺ نے اس کے جواب میں یہ کلمات فرمائے:

''الحمد لله أحمده وأستعينه وأومن به وأتوكل عليه، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له واشهد ان لَّا اله الاالله وحده لاشريك له واشهد ان محمدًا عبدُه ورسولُه''۔

ترجمہ: ''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ میں اس کی تعریف کرتا ہوں اور اسی سے مدد طلب کرتا ہوں، اسی پر ایمان لاتا ہوں اور اسی پر توکل کرتا ہوں۔ جسے اللہ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کرے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں''۔

ضماد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے بہتر کلام کبھی نہیں سنا تھا۔ میں نے آپ ﷺ سے دوبارہ یہ کلمات پڑھنے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اعادہ فرمایا۔ میں نے پوچھا: آپ کس چیز کی طرف بلاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی طرف کہ تم اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لاؤ اور بتوں کا پھندا پھینک دو اور میرے رسول ہونے کی گواہی

دو۔ ضماد کہتے ہیں: اگر میں ایسا کروں تو میرے لیے کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت!
چنانچہ ضماد نے اسلام قبول کر لیا۔ (حیاۃ الصحابہ، جلد اول)

مجادلہ:

کبھی حکیمانہ دعوت اور اچھی نصیحت کے باوجود مخاطب دعوت قبول کرنے میں پس و پیش کرتا ہے اور تنقید کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ اپنے نظریات کو درست سمجھتے ہوئے دوسرے سے بحث و مباحثہ اختیار کرتا ہے۔ ایسے وقت جب مباحثہ ناگزیر ہو جاتا ہے، تب دعوت کا تیسرا اصول رہنمائی کرتا ہے۔ یعنی اس جدال و مباحثے میں بھی اخلاق کا پہلو ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہیے۔ ہدایت عطا کرنے والی اور دلوں کو پلٹنے والی ذات حق تعالیٰ کی ہے۔ لہٰذا زیادہ غم و غصے کی ضرورت نہیں۔ اپنا کام تو منشائے خداوندی پورا کرنا ہے۔ لہٰذا داعی اپنی ذمہ داری پوری کر کے نتیجہ اللہ تعالیٰ شانہ پر چھوڑ دے۔ بہر حال نبی کریم ﷺ نے ''وجادلھم بالتی ھی احسن'' پر کیسے عمل کیا، ملاحظہ ہو۔

عدی بن حاتم عرب کے معروف سخی حاتم طائی کے فرزند تھے اور نصرانی مذہب کے عالم تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عدی بن حاتم! تُو کس چیز سے فرار ہوتا ہے؟ کیا تو اس بات سے بھاگا کہ لا الہ کہنا پڑتا ہے؟ تو بتا کیا اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق ہے؟ تو کس چیز سے بھاگا؟ کیا اس لیے بھاگا کہ اللہ اکبر کہا جائے گا؟ تو بتا کوئی چیز ایسی ہے، جو اللہ عز و جل سے بڑی ہے؟ عدی کہتے ہیں؛ میں مسلمان ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک جن پر غضب ہوا، وہ یہودی ہیں اور جو گمراہ ہوئے وہ عیسائی ہیں۔

(مسند احمد 4،37)

قولِ لیّن:

یعنی نرم گفتگو دعوت کی تاثیر اور کشش میں ریڑھ کی ہڈی کے مانند ہے۔ خود مالکِ ارض و سماء نے اپنے پیغمبروں کو نرم گفتگو کی تلقین کی ہے۔ موسی و ہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے باغی اور دشمن کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا: "فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا" اس سے نرم بات کہنا۔ اپنے حبیب ﷺ کو نرم گفتگو اور خوش اخلاقی سے مزین فرمایا اور فرمایا کہ اگر آپ تند خو اور سخت طبیعت کے ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔
(آل عمران، 159)

نبی کریم ﷺ نے اپنے مخاطبین سے نرم گفتگو کا رویہ ہی اختیار فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ بنو نجار کے ایک آدمی کے پاس عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے ماموں جان! آپ لا الہ الا اللہ پڑھ لیں۔ انہوں نے کہا: میں ماموں ہوں یا چچا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آپ چچا نہیں ماموں ہیں۔ (یعنی رشتے کے) لا الہ اللہ پڑھ لیں۔ انہوں نے کہا کیا یہ میرے لیے بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! (مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے ایک آدمی سے فرمایا: مسلمان ہو جاؤ، سلامتی پا لو گے۔ اس نے کہا: میرا دل نہیں چاہتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دل نہ چاہے، تب بھی (مسلمان ہو جاؤ)۔ (مسند احمد)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے ان کے دل پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: مسلمان ہو جائیں، سلامتی پا لیں گے۔ چنانچہ ابو قحافہ مسلمان ہو گئے۔ (ابن سعد 1 / 451)

تدریج:

عموماً انسانی طبائع کو کسی نئی چیز سے مانوس ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ پھر وہ نئی چیز اگر ایک ایسا نظامِ حیات اور فکر و عمل کا مجموعہ ہو، جو سر سے پیر تک ظاہر و باطن کی تبدیلی چاہتا ہو۔ ان روایت و اقدار سے یکسر مختلف ہو، جو نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی ہوں تو اس سے انسیت بطریقِ اَولیٰ دیر طلب ہو گی۔ نبی کریم ﷺ نے بت پرستی اور مادہ پرستی میں ڈوبے ہوؤں کے درمیان توحید کی دعوت دی تو لوگوں کا یہ بھی اعتراض تھا کہ ہمارے آباء نے اس عقیدے کے ساتھ زندگی نہیں گزاری۔ کیا انہیں عقل نہیں تھی؟ پھر صرف عقیدے کی حد تک نہیں، بلکہ اسلام تو ظاہر و باطن سب کی تبدیلی کا طلب گار تھا۔ بقول اقبال ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

ایسے وقت میں ایک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہی حوصلہ تھا، جنہوں نے آپ ﷺ کی تصدیق و اعانت میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی، لیکن عام طور پر لوگوں کو اجنبیت محسوس ہوئی۔ اس صورتِ حال کو سامنے رکھ کر ہم دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ اسلامی احکام کا نزول بتدریج ہوا۔ ابتداء میں توحید و رسالت اور آخرت پر پختہ یقین بٹھایا گیا۔ پھر مدنی زندگی میں جمعہ، روزہ، زکوٰۃ، پردہ، حج، جہاد اور حرمتِ شراب وغیرہ کے احکامات نازل ہوتے رہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس اصولِ تدریج کو کیسے ملحوظ رکھا؟ ملاحظہ فرمائیں:

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرماتے ہوئے وصیت کی کہ تم اہل کتاب پر جاؤ گے۔ جب تم ان کے پاس پہنچو تو اس بات کی دعوت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ

اللہ کے رسول ہیں۔اگر وہ اس میں تیری اطاعت کریں تو انہیں خبر دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔اگر وہ یہ بھی مان جائیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ (زکوۃ) فرض کیا ہے۔جو ان کے مال داروں سے لیا جاتا ہے اور ان کے فقیروں پر لوٹایا جاتا ہے۔اگر وہ تیری بات مان لیں تو پھر ان کے بہترین مال لینے سے بچنا اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا۔کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔

(البدایۃ والنھایۃ:5/116،دار احیاء التراث)

رِفُق (شفقت و مہربانی):

عام مشاہدہ ہے کہ محبت آمیز رویہ اور مشفقانہ حسنِ سلوک بڑے سخت دلوں کو بھی پسیج دیتا ہے۔ آدمی احسان کرنے والے کی بات سننے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔اور مہربان کے لیے اس کی طبعی ضد و انا کم پڑ جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ تو دونوں جہانوں کے لیے رحمت تھے۔ مومنین کے لیے رؤف و رحیم اور لوگوں کی ہدایت پر حریص تھے۔ آپ ﷺ کی شفقت و مہربانی انسانوں سے آگے بڑھ کر جانوروں پر بھی سایہ فگن تھی۔اس شفقت و مہربانی نے بڑے سرکش دشمنانِ دین کو بھی اپنا رویہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا۔ بالآخر وہ اسلام کے جانثار سپاہی بن گئے۔بنو حنیف کے رئیس ثمامہ بن اثال قیدی بنا کر نبی کریم ﷺ کے خدمت میں لائے گئے۔ یہ ثمامہ بڑے سخت دشمنِ اسلام تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان پر اسلام پیش کیا تو ثمامہ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو مسجدِ نبوی کے اندر ہی ایک ستون سے باندھ دیا جائے۔دوسرے دن نبی کریم ﷺ نے ثمامہ کو اپنے پاس طلب کیا اور اسلام کے بارے میں رائے پوچھی۔ ثمامہ نے کہا کہ اگر آپ مجھے چھوڑتے ہیں تو ایک کریم نفس کو چھوڑتے ہیں۔اگر مال چاہتے ہیں تو آپ کو

مال دیا جائے گا اور اگر خون کرتے ہیں تو ایک ایسے شخص کا خون کریں گے، جس کے لیے بہت سا خون بہے گا۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حکم دیا کہ ثمامہ کو ستون سے باندھ دیا جائے۔ تیسرے روز آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ثمامہ سے پھر ان کی رائے پوچھی تو ثمامہ نے وہی جواب دیا۔ آپ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو چھوڑ دیا جائے۔ ثمامہ نے وہیں قریب میں جا کر غسل کیا اور حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ مجھے کلمہ پڑھایا جائے۔ اس کے بعد ثمامہ کہنے لگے کہ مجھے پہلے آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض چہرہ کوئی نہیں تھا اور اب آپ کے چہرے سے زیادہ محبوب چہرہ کوئی نہیں۔ (ترمذی)

تالیفِ قلوب:

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عقل و دانائی میں کامل تھے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انسانوں کی روحانی تربیت کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے انسانی نفسیات کی بھی رعایت کی ہے۔ بہت سے لوگ مسلمان ہوتے تو انہیں اپنی برادری کی دشمنی کا سامنا کرنا پڑتا۔ بعض لوگ اپنی وجاہت کے ساتھ ساتھ مال کا بھی نقصان سہتے۔ ایسے وقت میں جب ان لوگوں کے دلوں کو ڈھارس دینے کی ضرورت تھی اور انہیں اسلامی برادری میں ضم کرنا ضروری تھا، معلمِ انسانیت نے ان لوگوں کے لیے عطیات مقرر فرمائے، مالِ غنیمت میں ان لوگوں کے لیے خاص حصہ مقرر فرمایا۔ اس کریمانہ سلوک نے ان نو مسلموں کے حوصلے بلند کیے اور جو لوگ قبولِ اسلام میں تردد کا شکار تھے، ان کے دل موہ لیے۔ اگرچہ صفوان بن امیہ اس دن تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن ہوازن کی جنگ میں شریک ہوئے۔ جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی تو بہت سامال ہاتھ لگا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مالِ غنیمت دیکھ رہے تھے اور صفوان آپ کے ساتھ تھے۔

تبشیر(خوش خبری دینا):

حضوراکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے ہوئے یہ اصول بھی تلقین فرمایا تھا کہ ''یسرا ولا تعسرا بشرا ولاتنفرا''یعنی آسانی کرنا، تنگی نہ کرنا۔خوش خبری دینا اور متنفر نہ کرنا۔خود آپ ﷺ نے اپنی دعوت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان اور اعمالِ صالحہ پر ملنے والے اجر وثواب کو کھول کھول کر بیان فرمایا۔جنت اور اس کی نعمتوں کو بیان فرمایا۔جنت کی نعمتوں کو اس انداز سے بیان فرمایا کہ نہ کسی آنکھ نے انہیں دیکھا نہ کسی کان نے ان کی خوبیوں کو سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں ان بلند پایہ نعمتوں کا خیال گزرا۔

انسانی طبائع کا خاصہ ہے کہ نفع کی طرف مائل ہوتی ہیں۔آپ نے کسی کام کے لیے کسی کو تیار کرنا ہے تو آپ اس کام کے فائدے اسے بیان کر کے اس کے شوق کو مہمیز دیتے ہیں۔پھر مشکل سے مشکل کام انسانی ہمت کے سامنے دم توڑ دیتا ہے۔جنت کی طلب اور اس میں ملنے والی ابدی رضا و لقائے خداوندی کے لیے تو بس نفس کی مخالفت درکار ہے۔آگے کے تمام مراحل طے ہوتے چلے جاتے ہیں۔آپ ﷺ نے اپنی دعوت میں تبشیر وترغیب کے اصول کو قائم رکھا، جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

بنی مالک بن کنانہ کے ایک آدمی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو بازار ذوالمجاز کے وسط میں دیکھا تھا۔آپ ﷺ فرماتے تھے،لوگو! لاالہ الا اللہ کہہ دو، کامیاب ہو جاؤ گے۔اس قسم کے دوسرے بہت سے واقعات موجود ہیں، جن میں آپ ﷺ نے تبشیر وترغیب کے اصول کو مد نظر رکھا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خوش

خبری دینے والا اورڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اگر تم اس بات کو قبول کر لو، جو میں لے کر آیا ہوں تو تمہارے لیے دنیا اور آخرت میں فائدہ ہے۔(ابن کثیر 3/24)

تنذیر(ڈرانا):

کبھی طبیعت ایسی سخت ہو جاتی ہے کہ اس پر نرم بات کار گر نہیں ہوتی۔ خوش خبری سنانے پر بجائے یہ کہ وہ مزید ہمت کے ساتھ عمل میں لگتے، الٹا ان کی جرأت اَور بڑھ جاتی ہے۔ جب وہ سِرے سے توحید ورسالت کے ہی منکر ہوں تو دنیوی عیش و نشاط ہی کل کائنات معلوم ہوتے ہیں۔ ان حالات میں نبی اور داعی انہیں دردناک عذاب کی خبر دیتے ہیں، تاکہ وہ بڑے نقصان سے بچ سکیں۔ اس ڈراوے میں انہیں دنیوی تکالیف یاد دلا کر آخرت کی کئی گنازائد تکلیفوں کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ احادیث میں مختلف گناہوں کے نتائج کو بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پوری خیر خواہی کے ساتھ امت کے سامنے کفر، شرک، حسد اور دیگر تمام گناہوں کے ہول ناک انجام کو اجمالاً یا تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے {وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ} [الشعراء: 214] آیت نازل فرمائی تو آپ صفا پہاڑی پر گئے اور پکارا یاصباحاہ! (اے لوگو! دشمن صبح صبح حملہ کرنے والا ہے) سب آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے بنو عبد المطلب! اے بنو فہر! اے بنو کعب! اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دامن میں لشکر ہے، جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ کیا تم مجھے سچا مان لو گے ؟ سب نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں سخت عذاب کے آنے سے پہلے اس سے ڈرانے والا ہوں۔ ابو لہب بولا: تو برباد ہو جائے، ہمیں محض اسی لیے بلایا تھا؟ اس پر اللہ عزوجل نے سورۃ تبت یدا نازل فرمائی۔ (متفق علیہ، صحیح البخاری: 4971، صحیح مسلم:208)

تعلیماتِ نبوی ﷺ کے تناظر میں

بددیانتی(Corruption)کاسدِباب

نبی کریم سرکارِدوعالم ﷺ کی ہمہ گیر وہمہ جہت تعلیمات کاہرہر گوشہ اپنے اندر اخلاق و آداب کی وسعتوں کو سموئے ہوئے ہے۔خالق و مخلوق کے تعلق کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مخلوق کے باہمی حقوق و فرائض کی تفصیلات بھی آپ ﷺ کی تعلیمات کا ایک گوشہ ہیں۔معاشرے کی اصلاح اور امن و آشتی کے قیام کے لیے پیغمبرانہ تعلیم میں رہنمائی کا وافر سامان موجود ہے۔بددیانتی کے لیے موجودہ دور میں قدرے وسیع معنوں میںCorruption (کرپشن) کا لفظ مستعمل ہے۔یہ ایک معاشرتی ناسور ہے،جو بہت سی بے چینیوں، بے اعتدالیوں اور بے آرامی کو جنم دیتی ہے۔اس کے ذریعے معاشرہ عدم توازن کا شکار ہو جاتاہے اور محرومیوں کے عفریت دل ودماغ پرپنجے گاڑلیتے ہیں۔

بددیانتی(Corruption) دوسرے کے حق سے متعلق اپنی ذمہ داری کو پورا نہ کرناہے۔دوسرے لفظوں میں اسے خیانت بھی کہتے ہیں۔حقیقت میں یہ بھی ساری برائیوں کا مجموعہ ہے۔جب ہمارے دور میں کرپشن کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد جھوٹ، دغابازی، خیانت، بددیانتی، بد معاملگی، رشوت اور فریب وغیرہ جیسی بہت سی اخلاقی کوتاہیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔آج کی دنیامیں کرپشن کے خاتمے کے لیے نت نئے اقدامات کیے جاتے ہیں۔پیغمبرِاعظم ﷺ کی تعلیمات میں ان تمام معاشرتی خرابیوں کی اصلاح کا سامان وافر موجودہے۔آنے والی سطور اسی عنوان کی شرح ہیں۔ذیل میں آنحضرت ﷺ

کا ایک ارشاد نقل کرتے ہیں، جس سے معلوم ہو گا کہ آپ ﷺ کی نظر میں بد دیانتی کتنی قبیح ہے:

"آیة المنافق ثلاثٌ:اذا حدَّث کَذَبَ واذا وَعَدَ أَخْلَفَ واذا ائْتُمِنَ خَانَ"۔ (بخاری 1/6 رحمانیہ)

ترجمہ: منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے، جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب امانت دیا جائے تو خیانت کرے۔

اس حدیث کو امام بخاریؒ کے علاوہ امام مسلمؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ حدیث پاک میں منافق کی تین نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ منافق وہ شخص ہے، جو نفاق کے مرض میں مبتلا ہو۔ نفاق اس کو کہتے ہیں کہ آدمی کی زبان پر کچھ ہو، اور دل میں کچھ اور ہو۔ نفاق کی بدترین صورت وہ ہے، جس میں آدمی زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرتا ہے، اپنے آپ کو مسلمانوں کی جماعت کا ایک فرد ظاہر کرتا ہے، لیکن دل میں کفر رکھتا ہے۔ اسلامی عقائد و نظریات کا منکر ہوتا ہے۔ نفاق کی یہ وہ قبیح ترین صورت ہے جسے نفاقِ اعتقادی کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے دور میں یہودِ مدینہ کی ایک بڑی تعداد اسی اعتقادی نفاق کا شکار تھی اور وہ آئے دن مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ ان منافقین کی سزا کیا ہے؟ قرآن مجید فرماتا ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء)

بے شک منافقین جہنم کے نچلے ترین طبقے میں ہوں گے۔

نفاق کی دوسری قسم عملی ہے۔اس میں اگرچہ آدمی دل سے مسلمان ہوتا ہے، لیکن لوگوں کو اپنے عمل سے دھوکہ دیتا ہے۔اپنے عمل سے ظاہر کرتا ہے کہ دین پر ثابت قدم ہے، لیکن دل میں شریعت کی عظمت واہمیت نہیں ہوتی۔یہ ایک قبیح فعل ہے۔بہر حال اس حدیثِ پاک میں منافق کی تین نشانیاں بیان فرمادی گئی ہیں:

(1)جھوٹ بولنا (2) وعدہ خلافی کرنا (3) امانت میں خیانت کرنا

آج ہمارا معاشرہ بددیانتی (Corruption) کے جس مہلک مرض کا شکار ہے، اس میں مندرجہ بالا تینوں خصائلِ فاسدہ کو کلیدی کردار (key Role) حاصل ہے۔لہٰذا ان تینوں کو نبوی تعلیمات کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔

جھوٹ:

آج ہمارے معاشرے میں جھوٹ اپنی مختلف شکلوں میں رائج ہے۔کاروبار کو ترقی دینے کے لیے جھوٹ کے نئے نئے طریقے وجود پارہے ہیں۔بظاہر جھوٹ کے یہ سب جدید انداز نفع کمانے کے سہل ذرائع ہیں، لیکن ان سے حاصل ہونے والے فوائد مکمل طور پر یک طرفہ ہوتے ہیں۔پیغمبرانہ تعلیمات تمام تر دل کشیوں کے باوجود جھوٹ کو رَد کرتی ہیں۔اس کی وجہ یہی ہے کہ جھوٹ دھوکہ، خیانت اور دوسری بہت سی بیماریوں کو جنم دینے والا ہے۔

یہ حدیث اوپر گزرہی چکی ہے کہ جھوٹ آدمی کے منافق ہونے کی بھی نشانی ہے۔اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے جھوٹ کو بڑے عظیم گناہوں میں شمار کیا ہے۔ترمذی شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: "کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑا گناہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا: جی یارسول اللہ! فرمایا کہ

شرک اور ماں باپ کی نافرمانی۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے کہ دفعتہً اٹھ بیٹھے اور کہا کہ 'جھوٹی شہادت یا جھوٹی بات!' آپ ﷺ برابر یہی بات کہتے رہے، حتیٰ کہ ہم نے کہا کہ کاش آپ خاموش ہو جاتے۔ (ترمذی، ابواب البر والصلہ، 2/ 339، رحمانیہ)

ایک دفعہ ایک عورت نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر پوچھا کہ یا رسول اللہ! میری ایک سوکن ہے۔ اگر میں اسے جلانے کے لیے ظاہر کروں کہ مجھے میرے شوہر نے یہ دیا تو یہ بھی گناہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو جتنا نہیں دیا گیا، اتنے کا دکھاوا کرنے والا جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے۔(مطلب یہ ہوا کہ جو اس کے پاس نہیں، اس کا ہونا اپنے پاس بتانا، جھوٹ کا ایک کپڑا ہوا اور جس نے جو نہیں دیا، اس کا دینا بتانا، اس پر جھوٹ باندھنا ہے۔ یہ جھوٹ کا دوسرا کپڑا ہے)۔ (ابوداؤد، کتاب الادب جلد:2)

چونکہ جھوٹ دوسرے بہت سے گناہوں کا پیش خیمہ ہے، اس لیے جھوٹ کو ہر مرتبے پر روکنا ضروری ہے۔ پھر چھوٹے دائرے میں رہ کر جھوٹ بولتے بولتے آدمی کا دائرہ کار بھی وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ روزمرہ زندگی میں بچوں کو بلانے کے لیے جھوٹ بولنا عام ہو چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ ایک کمسن صحابی عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میری ماں نے مجھے بلایا، جب کہ حضور ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ میری والدہ نے مجھے بلانے کے لیے کہا: یہاں آؤ، تجھے کچھ دوں گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم کہتی ہو، مگر اس کو کچھ دینا نہیں چاہتی ہو۔ ماں نے کہا: اس کو کھجور دے دوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اگر تم اس وقت کچھ نہ دیتی تو یہ جھوٹ بھی تمہارا لکھا جاتا۔ (ابوداؤد، کتاب الادب، باب التشدید فی الکذب 2/339 رحمانیہ)

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم میں سے کوئی کسی چیز کی خواہش رکھے اور پھر کہہ دے کہ مجھے اس کی خواہش نہیں تو کیا یہ جھوٹ شمار ہوگا؟ ارشاد فرمایا کہ ہر چھوٹے سے چھوٹا جھوٹ بھی جھوٹ لکھا جاتا ہے۔(مسند احمد)

تفریحِ طبع اور خوش گپیوں کے لیے جھوٹ بولنا بھی عام ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، اس پر افسوس ہے۔اس پر افسوس ہے۔ (سنن ابی داؤد، باب التشدید فی الکذب 2/339رحمانیہ)

موجودہ دور میں تجارت و معاملات کے اندر خلاف واقعہ کو حقیقت باور کرانا بڑا فن (Art) سمجھا جاتا ہے۔ تمام تر صلاحیتوں کو اسی مقصد کے لیے بروئے کار لایا جاتا ہے کہ اپنی چیز اور اپنا مال بہتر سے بہتر ثابت کر کے دکھایا جائے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اسے سخت خیانت قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایک بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایک جھوٹی بات کہو، حالانکہ وہ تمہیں سچا سمجھتا ہو۔

(سیرت النبی از سید سلیمان ندوی جلد3، بحوالہ ادب المفرد)

وعدہ خلافی:

کسی سے کوئی معاہدہ کر کے یا کسی معاملے کی یقین دہانی کرا کے اسے پورا نہ کرنا بھی معاشرے میں پھیلے ہوئے انتشار کا بڑا سبب ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت و احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وعدہ خلافی مومن کی شان کے خلاف ہے۔ یہ بڑے گناہوں میں سے ہے۔ کفار نے نبی کریم ﷺ کو اذیت دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ آپ ﷺ نے نہ صرف ان سے کیے جانے والے معاہدوں کی پابندی خود کی، بلکہ اپنے

اصحاب سے بھی کرائی۔ اگرچہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کے بعد مسلمانوں کی جمیعت و شوکت میں روز بروز اضافہ ہوا اور کفار و مشرکین کی قوت دن بدن گھٹی، لیکن پھر بھی نبی کریم ﷺ نے معاہدے کی پابندی کی۔ حتیٰ کہ کفار کی طرف سے بدعہدی ہوئی اور فتحِ مکہ کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔

صحیحین میں مروی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ منافق کی تین نشانیوں میں سے ایک وعدہ خلافی ہے۔ مسلم شریف کی ایک روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو، روزے رکھتا ہو اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ وہ مسلمان ہے۔ صحیحین کی ہی ایک اَور روایت میں ہے کہ یہ چار باتیں جس میں ہوں، وہ پکا منافق ہے۔ جس میں ان میں سے کوئی ایک ہو، اس میں منافق کی ایک نشانی ہے، جب تک کہ وہ اس کو چھوڑ نہ دے۔ جب امانت دار بنایا جائے تو خیانت کرے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو خلاف کرے۔ جب جھگڑا کرے تو گالی بکے۔ (بخاری 2/66 رحمانیہ)

ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے تین باتوں کا ذمہ لو تو میں تمہارے لیے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔ جب بولو تو سچ بولو۔ جب وعدہ کرو تو پورا کرو۔ جب امین بنو تو خیانت نہ کرو۔ (مسند احمد)

ایک حدیث میں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لا إيمان لمن لا أمانة له۔ (مسند احمد، حدیث: 12383)

”اس شخص کا ایمان کامل نہیں، جس میں امانت نہیں“۔

آنحضرت ﷺ جن باتوں سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے، ان میں سے ایک خیانت ہے۔ ابوداؤد میں آپ ﷺ کی یہ دعا منقول ہے کہ الٰہی مجھے خیانت سے بچائے رکھنا کہ یہ بہت بُرا اندرونی ساتھی ہے۔ (ابو داؤد)

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے قریب امانت کا وصف کم ہوتا چلا جائے گا۔ حالانکہ آپ ﷺ نے امانت داری کو فطرت میں شمار کیا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ رازدارِ رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے دو باتیں سنی تھیں۔ ایک تو آنکھوں سے دیکھ چکا۔ دوسری یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا امانت داری لوگوں کے دلوں کی جڑ میں اتری ہے۔ (یعنی ان کے فطرت میں ہے) پھر انہوں نے کچھ قرآن جانا، کچھ سنت سے سیکھا۔ (یعنی فطری جوہر میں کسب و تعلّم سے ترقی ہوئی) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے اس امانت کے مٹ جانے کا حال بھی بتایا۔ فرمایا: پھر یہ حال ہو گا کہ آدمی سوئے گا اور امانت اس کے دل سے نکال لی جائے گی اور اس کا ایک ہلکا سا نشان رہ جائے گا۔ پھر سوئے گا تو امانت چلی جائے گی اور ایک آبلہ (چھالے) کی طرح داغ رہ جائے گا، جو اٹھ تو جاتا ہے، مگر اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا۔ لوگ ایسے ہو جائیں گے کہ لین دین کریں گے، لیکن کوئی امانت داری نہیں کرے گا۔ اس وقت امانت داری کی مثال ایسی کمیاب ہو جائے گی کہ لوگ مثال کے طور پر کہیں گے کہ فلاں قوم میں ایک امانت دار شخص ہے۔ آدمی کی تعریف ہو گی کہ کیسا عقل مند، کیسا خوش مزاج اور کیسا بہادر ہے۔ حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان داری نہ ہو گی۔ (صحیح البخاری، باب رفع الامانۃ، جلد اول، رحمانیہ)

لوگوں کے اموال ٹھیک ٹھیک پہنچانا اور اپنی ذمہ داریوں میں کوتاہی نہ کرنا، یہ کس قدر ضروری ہے۔اس کا اندازہ بخاری شریف کی اس حدیث سے بخوبی ہوتا ہے۔بددیانتی اور کرپشن کے سدباب کے لیے مندرجہ بالا تعلیمات کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے مزید ہدایات بھی دی ہیں، جیسا کہ ذیل میں معلوم ہو گا۔

رشوت کی مذمت:

رشوت یہ ہے کہ اپنی باطل غرض اور ناحق مطالبہ پورا کرنے کے لیے دوسرے سے رقم طلب کرے، حالانکہ اسے اسی ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے تنخواہ کے ساتھ مقرر کیا گیا ہو۔ آنحضرت ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے، دونوں کے لیے جہنم کی خبر دی ہے۔ چنانچہ ابو داؤد میں حدیث موجود ہے:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ۔ (ابوداؤد: 2/148، رحمانیہ)

"آپ ﷺ نے رشوت دینے اور لینے والے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے"۔

عرب میں کہانت کا رواج تھا۔کاہن لوگ جنات، شیاطین اور نجوم کے ذریعے پیش گوئیاں کرتے، جو کبھی ٹھیک ہو جاتیں۔اپنی انہی طاقتوں کی بنا پر لوگ ان سے بعض مقدمات کے فیصلے بھی کرواتے۔اس مقصد کے لیے لوگ انہیں رشوت یا مزدوری بھی دیتے، جسے حلوان(مٹھائی) کہتے تھے۔نبی کریم ﷺ نے حلوان کو باطل قرار دیا اور خاص طور سے ممانعت فرمائی۔ (مسلم: 2/19رحمانیہ)

خیبر کے یہودیوں سے زمین کی آدھی پیداوار پر مصالحت ہوئی تھی۔جب پیداور کی تقسیم کا وقت آتا تو نبی کریم ﷺ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ صحابی کو بھیجتے۔وہ ایمان داری سے پیداوار کے دو حصے کر دیتے اور کہتے کہ ان دو میں سے جو چاہو لے لو۔یہودیوں

نے اپنے دستور کے مطابق ان کو بھی رشوت دینی چاہی۔ آپس میں چندہ کر کے اپنی عورتوں کا کچھ زیور اکٹھا کیا اور کہا کہ یہ قبول کرو اور اس کے مقابلے میں تقسیم میں ہمارا حصہ بڑھا دو۔ یہ سن کر حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے یہودیو! خدا کی قسم، تم خدا کی ساری مخلوق میں مبغوض ہو، لیکن یہ مجھے تم پر ظلم کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا۔ جو رشوت تم نے پیش کی ہے، وہ حرام ہے۔ ہم مسلمان اسے نہیں کھاتے۔ یہودیوں نے جب یہ بات سنی تو کہا یہ وہ (انصاف) ہے، جس سے زمین اور آسمان قائم ہیں۔

(مؤطاامام مالک، کتاب المساقاۃ، 636، قدیمی)

آپ ﷺ نے رشوت کی قباحت اور شناعت کے پیش نظر عُمّال (زکوٰۃ وصول کرنے والے حکومتی کارندے) کو لوگوں سے ہدیہ اور تحفہ قبول کرنے کی ممانعت فرمائی۔

(ابوداؤد، کتاب الاقضیہ والجہاد)

ایک دفعہ ایک عامل نے آکر کہا کہ یہ صدقے کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کی۔ حمد وثنا کے بعد فرمایا:

عامل کا کیا حال ہے؟ اگر ہم اس کو بھیجتے ہیں تو آکر کہتا ہے کہ یہ تمہارا ہے اور یہ میرا ہے۔ اپنے باپ یا ماں کے گھر بیٹھ کر دیکھے کہ اس کو تحفے ملتے ہیں یا نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے، وہ عامل اس میں سے جو لے جائے گا، وہ قیامت میں اپنی گردن پر لاد کر لائے گا، وہ اونٹ، گائے، بکری جو ہو۔ پھر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر تین بار فرمایا: خداوندا میں نے پہنچا دیا۔ (صحیح البخاری، باب ہدایۃ العمال)

دھوکہ اور بے ایمانی سے اجتناب:

دھوکہ (فراڈ) اور بے ایمانی ایک ایسی اخلاقی کمزوری ہے، جو معاشرے کو ہر قسم کی خوش حالی کے باوجود دیمک کی طرح چاٹ لیتی ہے۔ ہمارے دور میں کامیاب تجارت کے لیے دھوکے میں مہارت حاصل کرنا بھی ایک طرح کا فن بن چکا ہے۔ دھوکا دینے والے کو زیرک اور دانا سمجھ کر اس کی حوصلہ افزائی بھی عام معمول ہے۔ ادنٰی چیز کو اعلٰی کر دکھانا، ردّی چیز کو عمدہ چیز بنا کر پیش کرنا اور دام اسی طرح وصول کرنا، ملاوٹ کرنا، ناحق مطالبے پورے کروالینا، دوسرے کے حق کو دبالینا، (جسے غصب کہتے ہیں) دوسروں کی محفوظ و مامون ملکیتوں سے ان کی اجازت کے بغیر فائدے اٹھانا، یہ تمام کام ایمان داری کے خلاف اور دھوکہ دہی میں آتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا مبارک ارشاد ہے:

''وہ جس نے ہم (مسلمانوں) پر ہتھیار اٹھایا اور ہم (مسلمانوں) کو دھوکا دیا، وہ ہم (مسلمانوں) سے نہیں''۔ (صحیح مسلم، حدیث: 101)

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک غلے کا ڈھیر پڑا دیکھا۔ آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو دیکھا کہ اندر سے بھیگا اور باہر سے سوکھا ہے۔ آپ ﷺ نے غلے والے سے پوچھا کہ یہ کیسا ہے؟ عرض کی کہ یہ بارش سے بھیگ گیا ہے۔ فرمایا: تو پھر اس کو اوپر کیوں نہیں رکھا کہ لوگ دیکھ لیں۔ جو دھوکہ دے، وہ ہم میں سے نہیں۔ (کیونکہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے ہٹ کر دوسرا طریقہ اختیار کیا)۔ (صحیح مسلم)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ جو بلاوجہ کسی کا مال لینے کے لیے جھوٹی قسم کھائے گا، وہ خدا سے ملے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہو گا۔ (صحیح مسلم)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی کسی کی بالشت بھر زمین دبائے گا تو اس کو زمین کے ساتوں طبقوں میں سے ہر ایک سے اتنا حصہ اٹھانے کو کہا جائے گا۔(صحیح مسلم)

دھوکہ بازی اور بے ایمانی کی ایک قسم وہ ہے، جس میں لوگ وکیلوں کی قوتِ بیان اور حکام کے ناجائز فیصلوں کے ذریعے دوسروں کی ملکیت پر زبردستی قابض ہو جاتے ہیں۔اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ فریقین میں سے کوئی ایک زیادہ زبان آور ہوتا ہے اور وہ اپنے دعوی کو خوبی سے بیان کرتا ہے اور میں اس کے حق میں فیصلہ دیتا ہوں، لیکن اگر میں نے اس کو کوئی ایسی چیز دلا دی، جو اس کی نہیں تو وہ خود نہ لے، کیونکہ میں نے اسے آگ کا ٹکڑا دیا ہے۔ (متفق علیہ، صحیح بخاری: 2680، صحیح مسلم: 1713)

چھپا کر لینا:

اکثر یہ ہوتا ہے کہ مال چند آدمیوں کے درمیان مشترک ہوتا ہے۔ایسے وقت میں جب کہ وہ مال شرکاء میں تقسیم نہ ہوا ہو، کسی ایک شریک کا اس میں سے چوری چھپے کچھ لے لینا ایک اخلاقی برائی ہے۔جو لوگ مسلمانوں کے مال کے امین بنائے جاتے اور لوگ ان پر اعتماد کر کے رقوم ان کے حوالے کرتے ہیں، ان پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ رقوم ٹھیک ٹھیک ان کے حق داروں کے حوالے کریں۔غزوۂ خیبر کے مالِ غنیمت میں سے مدعم نامی ایک غلام نے ایک شملہ لے لیا۔جب لوگ وادیِ قریٰ پہنچے تو ایک تیر آیا، جو مدعم کو لگا اور اس کی جان لے لی۔لوگوں نے کہا کہ مدعم کو جنت مبارک ہو۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شملے کو اس نے خیبر میں تقسیم سے پہلے لے لیا تھا، وہ اس پر آگ کا شعلہ ہو رہا ہے۔لوگوں نے یہ سنا تو ایک شخص نے جوتے کا تسمہ چوری چھپے لے لیا تھا، اس کو بھی لا کر

سامنے ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا: یہ آگ کا تسمہ ہے۔(گویا کہ یہ تسمہ جہنم کا سامان بن چکا ہے۔اس لیے کہ مشترک مال میں سب ہی کا حصہ ہوتا ہے۔ کس کس سے معاف کروائیں گے)۔ (ابوداؤد، کتاب الجہاد،2/23رحمانیہ)

ظلم:

یوں تو کسی بھی انسان، بلکہ جانوروں پر بھی ظلم حرام ہے۔ جب کہ مسلمان کا مسلمان پر ظلم کرنا تو انتہائی قبیح فعل ہے۔ جس کا جو حق ہو، اسے اس کے حق سے محروم کرنا ظلم ہے۔اسی طرح کسی کو ناجائز تنگ کر کے اس کا چین و سکون برباد کرنا یہ بھی ظلم ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ظلم سے بچو کہ ظلم قیامت کے دن ظلمات (تاریکیاں) بن جائے گا۔ (صحیح مسلم،باب تحریم الظلم،2/320،رحمانیہ)

اسی طرح آپ ﷺ نے ایک حدیث قدسی ارشاد فرمائی: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! میں نے اپنے لیے اور تمہارے لیے آپس میں ظلم کو حرام کیا ہے تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔(أیضاً)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔چاہیے کہ وہ اس پر ظلم نہ کرے۔ اسے بے یارومددگار نہ چھوڑے۔ (صحیح بخاری، ابواب المظالم)

ظلم کے تحت دوسری بہت سی دیگر معاشرتی خرابیاں آتی ہیں جیسے ناانصافی، حق تلفی وغیرہ۔لہٰذا طوالت کے خوف سے ان پر علیحدہ سے نہیں لکھا جارہا۔ناپ تول میں کمی کرنا بھی ظلم ہی کا ایک فرد ہے اور صاحبِ وحی ﷺ نے اسے بھی ایک عظیم جرم قرار دیا ہے۔

سود خوری:

اِس وقت سود عالمی تجارت کی تہوں میں بیٹھ چکا ہے۔ یہ حرص، لالچ، فریب، دھوکہ اور ظلم وغیرہ کئی اخلاقی رذائل کا مجموعہ ہے۔ سود کی بنا پر چلنے والی معیشت و تجارت کی مثال غبارے کی سی ہے، جو ہوا کے نکلتے ہی ٹھس ہو کر زمین پر آ رہتا ہے۔ سود موجودہ کرپشن کو جنم دینے میں انتہائی اہم محرک ہے۔ اس کے ذریعے طبقاتی کشمکش نے جنم لیا ہے۔ کتنے ہی لوگوں نے اپنے ہی معاشرے میں بسنے والے افراد کو محرومیوں کے حوالے کیا ہے۔

سچا خواب:

آنحضرت ﷺ نے ایک سچے خواب میں دیکھا کہ خون کی ایک نہر ہے۔ ایک آدمی اس میں تیر رہا ہے۔ دوسرا آدمی ہاتھ میں پتھر لیے کنارے پر کھڑا ہے۔ پہلا آدمی جب تھک کر کنارے پر آنا چاہتا ہے تو دوسرا آدمی تاک کر پتھر مارتا ہے، جس سے پہلے کا منہ کھل جاتا ہے اور وہ پتھر لقمہ بن کر اس کے پیٹ میں چلا جاتا ہے۔ وہ پتھر کھا کر پھر پیچھے لوٹ جاتا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ خون کی نہر میں تیرنے والا یہ آدمی سود خور ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز)

سود ایسی گندگی ہے کہ آپ ﷺ نے سود کھانے، سود دینے، سود پر گواہ بننے اور سود کی دستاویز لکھنے والے سب پر لعنت فرمائی ہے۔

(ابوداؤد کتاب البیوع، 2/118، رحمانیہ)

نبی کریم ﷺ کے بددیانتی (Corruption) سے متعلق ارشادات اجمالی طور پر ہمارے سامنے آگئے ہیں۔ ان سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ پیغمبرانہ تعلیمات نہ صرف معاشرتی و اخلاقی ناہمواریوں کو روکتی ہیں، بلکہ پیدا شدہ خرابیوں کو دور کرنے کی بھی پوری استعداد رکھتی ہیں۔

شہرِ مدینہ

یہاں رات بھی ہے منوّر منوّر
یہاں کی ہوا ہے معطّر معطّر

زمیں تا فلک نور ہی نور ہے
یہاں چار سُو ہے بوئے مشک و عنبر

عجب دل کو بھاتا ہے شہر مدینہ

یہاں سے ملا ہے وہ پیغام رحمت
سراسر جو دیتا ہے راحت ہی راحت

وہ پیغامِ دل ہے پیامِ محبت
وہ توحیدِ خالص ہے ملت کی وحدت

عجب دل کو بھاتا ہے شہر مدینہ

مدینہ الٰہی وہ کیسی زمیں ہے
جدھر جلوہ فرما وہ صادق امیں ہے

نبوت کا سورج ہے مہرِ مبیں ہے
اسی کی محبت سے دنیا حسیں ہے

عجب دل کو بھاتا ہے شہر مدینہ

مدینہ کی راہیں، ہوائیں مبارک
وہاں جا کے مرقد بنائیں مبارک

درود و سلام و دعائیں مبارک
ثنا ان کی جا کے سنائیں مبارک

عجب دل کو بھاتا ہے شہر مدینہ

اقوامِ عالم پر رسول اللہ ﷺ کے احسانات

تاریخِ انسانی میں وہ لمحات بڑے ہی کرب ناک رہے ہیں، جب انسان آسمانی ہدایت کے نور سے محروم ہو کر اپنے خود ساختہ معیار کے سہارے زندگی بسر کر رہے ہوتے تھے۔ ایسے وقت میں اخلاق کے تمام ضابطے پامال ہوتے تھے۔ صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح قرار دینے کی عام آزادی ہوتی تھی۔ "احسن تقویم" کا مصداق انسان اسفل السافلین میں پڑا نظر آتا تھا۔ اس وقت شدت سے ایک صاحب بصیرت مردِ کامل کی ضرورت محسوس ہوتی تھی، جو اپنے علم و عرفان سے مُردہ دلوں میں حیاتِ تازہ پیدا کر دے اور سسکتی جاں بلب انسانیت کو سیراب کر دے۔ آج سے تقریباً دو ہزار سال قبل سیدنا عیسی علیہ السلام کے آسمانی سفر کے بعد کئی صدیوں تک انسانیت ایسی ہی کسمپرسی کے عالم میں تھی۔ عقائد و اعمال اور اخلاق و عادات میں بگاڑ آ چکا تھا۔ جو لوگ سیدھی راہ پر چلنے کے خواہش مند ہوتے، انہیں بھی کسی مردِ کامل کی صورت میں رہنمائی نظر نہ آتی۔ یہ وہ حالات تھے، جن میں سید المرسلین ﷺ کی بعثت ہوئی۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل جو اقوام یا مذاہب کے پیروکار بطور خاص قابل ذکر ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1: مجوسِ فارس 2: رومی عیسائی 3: ہندوستانی بت پرست

4: یہود 5: مشرکینِ عرب

ان اقوام کے حالات قبل از بعثت مختصراً پیش کیے جاتے ہیں:

مجوسِ فارس:

فارس کے مجوسی بعثت سے قبل دنیا کی سیاسی طاقتوں میں سے ایک تھے۔ پستی کا یہ عالم تھا کہ آگ اور ستاروں کی عبادت کرتے تھے۔ رومی عیسائیوں کے ساتھ جنگوں نے فارس کی سلطنت کو کمزور کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ ملک کے اندر بھی بہت سی تحریکات چلتی رہتی تھیں، جس کی وجہ سے حکومت مزید کمزور ہو چکی تھی۔ اسی دور میں مزدک نامی ایک شخص یہ تعلیم لے کر اٹھا تھا کہ دولت اور عورت کسی ایک فرد کی ملکیت نہیں، بلکہ ان سے ہر شخص نفع اٹھا سکتا ہے۔ اس تعلیم کے نتیجے میں ہوس نے سر اٹھایا اور خاندان کے خاندان تباہ ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کی ولادت سے پیشتر ایرانی سلطنت زوال کا شکار ہونا شروع ہو چکی تھی، جس کی تکمیل عہدِ فاروقی میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت ہوئی، جب ایران اسلامی خلافت کے زیر نگیں ہو گیا۔

رومی عیسائی:

بعثتِ محمدی ﷺ سے قبل بڑے مذاہب میں عیسائیت بھی تھی، جسے رومن ایمپائر کی پشت پناہی تھی۔ یہ رومن ایمپائر کسی وقت میں بڑی شان و شوکت رکھتی تھی۔ یہ عرصہ دراز سے زوال کا شکار تھی۔ ایک طرف ایرانیوں سے جنگ رہتی تھی تو دوسری طرف اندرونی خلفشار تھا۔ مسیح علیہ السلام کی سچی تعلیمات پر پادریوں اور راہبوں نے پردہ ڈال دیا تھا۔ عقائد میں بگاڑ کی واضح مثال عقیدۂ تثلیث تھا، جس کی رُو سے خدا کے تین اجزاء تھے، جو باپ (خدا تعالیٰ) بیٹا (مسیحؑ) اور روح القدس پر مشتمل تھے۔ یہ عقیدہ ایسا گورکھ دھندا تھا، جسے خود نصاریٰ کے اکابر سُلجھا نہیں سکتے تھے۔ جس عقیدۂ توحید کی عیسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیاء دعوت دیتے رہے، اُس سے اِس عقیدہ تثلیث کو کیا مناسبت تھی؟ مقدس

کتاب انجیل میں ایسی زیادتیاں کر دی گئی تھیں کہ آسمانی اور انسانی کلام میں امتیاز نہیں ہوتا تھا۔ نت نئے فرقے پیدا ہو رہے تھے، جن کے معتقدات میں انتہائی فرق ہوتا تھا۔ عیسائیوں کی بعض آبادیاں عربی علاقوں میں بھی تھیں۔ نصاریٰ نجران کا ایک وفد آنحضرت ﷺ سے ملاقات کے لیے آیا۔ انہوں نے کافی سوالات بھی پوچھے تھے، جن کا ذکر سورۃ آل عمران میں ہے۔

یہود:

مجوسیوں اور عیسائیوں کے برخلاف یہودیوں کا کوئی مرکز نہ تھا۔ یہود عرب، یورپ اور ایشیا کے مختلف خطوں میں آباد تھے۔ یہ وہی بنی اسرائیل تھے، جن کے بارے میں قرآن مجید وَفَضَّلَکم علی العَالَمین کے ماضی کی خبر دیتا ہے۔ انبیائے کرامؑ کی نافرمانی و اذیت کے سبب یہودی کسی مرکزی حکومت سے محروم تھے۔ جب نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی یہودی آباد تھے۔، مدینہ منورہ کے آس پاس یہودیوں کی بستیاں تھیں۔ یہ لوگ اپنے علم میں عربوں کے ہاں ممتاز تصور کیے جاتے تھے۔، لہٰذا سب سے زیادہ انہی سے توقع تھی کہ آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہیں گے۔ جب کہ اسلام کے خلاف سب سے زیادہ خطرناک چالیں انہوں نے ہی چلیں۔ یہودی بہت سی اعتقادی و عملی خرابیوں میں مبتلا تھے۔ اپنے آپ کو ابناءُ اللہ واحِبَّاءُہ کہتے تھے۔ یعنی ہم اللہ کے بیٹے اور پسندیدہ ہیں۔ سود لینا ان میں رائج تھا، جس سے یہ دوسروں کو معاشی تنگ دستی میں مبتلا کرتے تھے۔ علمائے یہود دنیاوی منفعت کے لیے توریت میں تبدیلی کرتے اور احکامات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال دیتے۔ قرآن کریم میں ان کے اس فعلِ قبیح کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

مشرکینِ عرب:

جس قوم کو خاتم الانبیاء ﷺ کی دعوت کا اولین مخاطب ہونے کا شرف عطا کیا جاناتھا، وہ مکہ مکرمہ کی سنگلاخ پہاڑیوں کے درمیان بسنے والے عرب تھے۔ عرب عام طور پر کسی آسمانی دین کے پیروکار نہ تھے۔ وہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے قائل تھے، لیکن بہت سے دیگر لوگوں کو خدائی اختیارات میں شریک سمجھتے تھے، جن کی یاد میں انہوں نے بت بنارکھے تھے۔ کعبہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم ان کے خمیر میں داخل تھی۔ تاہم انہوں نے اپنے خود ساختہ مزعومات و معتقدات کی وجہ سے کعبہ کو بتوں سے آباد کیا ہوا تھا۔ ملتِ ابراہیمی کے بعض شعائر، جیسے مناسکِ حج وغیرہ تبدیلیوں کے ساتھ ان میں جاری تھے۔ ان کی ایک بڑی خرابی آخرت کی زندگی کا انکار تھا۔ شاید سب سے زیادہ حیرت کا اظہار ان کفار نے عقیدۂ توحید اور مرنے کے بعد جیے جانے پر ہی کیا تھا۔ عقائد کے بگاڑ کے ساتھ ساتھ بہت سی عملی خرابیوں کا بھی شکار تھے۔ ان میں قبائلی تعصب، مے خوری، دنگا فساد، قتل و قتال، خواتین کو ان کے جائز حقوق سے محروم رکھنا، بے حیائی، جوا وغیرہ کا کثرت سے رواج تھا۔ اگرچہ ان میں ایسے افراد بھی موجود تھے، جو بت پرستی اور دیگر عملی برائیوں مثلا شراب نوشی، عورتوں کے ساتھ ناروا سلوک وغیرہ سے بے زاری کا اظہار کرتے تھے۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے، جو اپنی تعلیمی صلاحیت کی بنیاد پر آسمانی کتب، انجیل وغیرہ کا مطالعہ کرتے تھے، مثلاحضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کے چچازاد ورقہ بن نوفل۔

ہندوستانی بت پرستی:

ہندوستان میں قدیم زمانے سے ہی بت پرستی رائج تھی۔ خود تراشیدہ بتوں کو پوجنے کارواج سَن 500ء کے بعد اس قدر ترقی کر چکا تھا کہ دیوتاؤں کی تعداد 33 کروڑ تک پہنچ چکی

تھی۔بتوں کے سامنے جھکنے والے یہ باشندگانِ ہند بہت سے اوہام کا شکار تھے۔ذات پات کے نظام نے اہلِ معاشرہ میں فکری و عملی انتشار پیدا کیا ہوا تھا۔سب سے نچلی ذات شودر ہے، جو گویا پیدا ہونے کی سزا بھگتتے ہیں۔اونچی ذات کے برہمنوں کے ہاتھوں نچلی ذات والوں کا معاشی و معاشرتی استحصال کیا جاتا ہے۔عورت بھی معاشرے کا مظلوم فرد ہے۔عورتوں کا جوئے میں ہار جانا بھی رائج تھا۔خاوند کے مرنے کے بعد عورت میراث اور زندگی کے دوسرے حقوق سے محروم ہوتی تھی۔بعض دفعہ تو خواتین خاوند کی میت کے ساتھ ہی جلا دی جاتی تھیں۔ایک خدا کو چھوڑ کر کئی دیوتاؤں کے پجاری سخت سخت مجاہدات اور ریاضات کرتے تھے اور اپنے تئیں بڑی نیکی کر رہے ہوتے تھے۔دیومالائی داستانوں کو مذہبی رنگ دے کر سنایا جاتا تھا، جس سے عملی زندگی کا تعلق نہیں ہوتا تھا اور اخلاقی تربیت کا سامان میسر نہ آتا تھا۔

بعثتِ نبوی سے قبل اقوام عالم کی نظریاتی، عملی اور اخلاقی حالت کا عمومی جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام المرسلین ﷺ کو دنیا میں ٹھیک ایسے وقت بھیجا گیا، جب انسانیت کی ڈوبتی ناؤ کو آپ جیسے عالمگیر مصلح اور پیغمبر کی ضرورت تھی۔انسانیت گویا آگ کے گڑھے کی طرف لپکتی جا رہی تھی۔خالق انسانیت نے اپنے فضل و کرم سے اسے بچنے کی تدبیر بتلا دی۔قرآن حکیم اس نقشے کو کیسی بلاغت سے بیان کرتا ہے۔

{وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا} [آل عمران: 103]

اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر تم کو اس سے نجات دی۔

آپ ﷺ کو وہ جامع کمالات عطا فرمائے گئے، جن کی بدولت مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ہر فرد آپ ﷺ سے استفادہ کر سکتا تھا۔ظلمت کدہ دہر میں

رسولِ رحمت کی ہستی وہ آفتاب تھی، جس کی ضیا پاشیوں نے بھٹکتی اقوامِ عالم کو راہِ منزل بھی دکھلائی اور منزل بھی۔

بقولِ احمد فراز:

میرے رسول کہ نسبت تجھے اجالوں سے
میں تیرا ذکر کروں صبح کے حوالوں سے

اب ہم اقوامِ عالم پر رسولِ رحمت ﷺ کے احسانات پر گفتگو کریں گے۔ اقوام عالم کو رسولِ اکرم ﷺ سے کیا ملا؟ اور آپ ﷺ کی پیغمبرانہ جُہد نے ان پر کیا اثرات مرتب کیے؟ اس کو کسی تعداد میں محدود کرنا ممکن نہیں۔ البتہ ہم سرورِ عالم ﷺ کی تعلیمات کے شعبوں کے لحاظ سے تقسیم کے ذریعے ان احسانات و اثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

عقائد

1۔ توحیدِ خالص:

نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد سے قبل دنیا میں بسنے والے انسانوں کی ایک بڑی تعداد پیغمبروں یا مصلحینِ ربانی کی قائل تھی۔ ان تمام پیغمبروں کی تعلیمات میں توحید کا تصور اتنا گہرا اور پختہ تھا کہ ہزاروں تبدیلیوں کے باوجود ان تعلیمات کے مدعیوں کو اس عقیدے کی واشگاف تردید بصد دشوار تھی۔ یہود و نصاریٰ سمیت مشرکین عرب بھی ایک خدائے بزرگ و برتر کے قائل تھے۔ تاہم وہ اپنے فاسد خیالات کی تسکین کے لیے جن لوگوں کو خدائی اختیارات دیتے تھے، انہیں بیٹا، بیٹیاں اور مقربین وغیرہ سمجھتے تھے۔ اگرچہ اس کا

لازمی نتیجہ اللہ تعالیٰ کی صفات و ذات میں دوسرے کو شریک کرنا تھا۔ بعض ایسے بھی تھے، جو ایک سے زیادہ معبودوں کے قائل تھے۔ مثلاً مجوسِ فارس کے نزدیک شر کا خالق الگ اور خیر کا خالق الگ تھا۔ بعض کے نزدیک ہر چیز قابل پرستش تھی اور بعض ایسے بھی تھے، جو سرے سے خالق کے وجود کے منکر تھے۔

بہر حال رسولِ رحمت ﷺ کا ان سب پر یہ عظیم ترین احسان تھا کہ آپ ﷺ نے ان سب کو توحیدِ خالص کی دعوت دی:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (1) اللَّهُ الصَّمَدُ (2) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (3) وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ(4)۔(الاخلاص)

ترجمہ: کہہ دیجیے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ اور اس کا کوئی برابر نہیں۔

توحید کے اس خالص نبوی تصور نے مختلف افرادِ انسانی کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ جو لوگ خود حوائج و ضروریات میں گھرے ہیں، وہ کس طرح خدائی اختیارات کے حامل ہو سکتے ہیں۔ جو پتھر خود انسانوں کے تراشیدہ ہیں اور وہ مکھی تک اڑانے پر قادر نہیں، وہ کیوں کر انسانوں کے خالق و رازق ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ مختلف مذاہب کے ماننے والے اسلام کے حلقہ بگوش ہو کر سعادت مند ہوئے۔ اسی کے ساتھ ایک اور دل چسپ بات مذاہب عالم کی تاریخ میں نظر آتی ہے، بعض مصنفین نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے، وہ یہ ہے کہ توحید خالص کے اسلامی تصور کے زیر اثر خود ان مذاہب میں کچھ تحریکیں اٹھیں، جن میں توحید کے پہلو پر زور دیا گیا ہے۔ مثلاً عیسائی مذہب میں اٹھنے والی تحریکیں، جن میں عقیدۂ تثلیث وغیرہ سے ایک طرح کی لاتعلقی محسوس ہوتی ہے۔ مارٹن لوتھر کی تحریک، جس میں فرد کی

آزادی کو تسلیم کیا گیاہے۔اس میں کلیسا(چرچ) کے اختیارات پر تنقید ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا نظریہ موجود ہے۔

مذاہبِ عالم کے اندر اٹھنے والی ردِّ عمل کی یہ تحریکیں اس کا واضح ثبوت ہیں کہ عقیدۂ توحید کا محمدی تصور انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور انسان کو اپنے جیسے، بلکہ اپنے سے بھی بدرجہا کم اشیاء کے سامنے ذلیل وخوار ہونے سے بچاتا ہے۔

آخرت کا وسیع تصور:

نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اقوام عالم کو سزا و جزا کا ٹھوس عقیدہ دیا گیا ہے، جو آخرت کی لا محدود زندگی سے متعلق ہے۔قدرتی بات ہے کہ جب آدمی آخرت کی لافانی نعمتوں اور ہول ناک عذابوں پر اعتقاد رکھے گا تو اس کے لیے دنیوی لذات ایک ثانوی درجے کی اشیاء ہوں گی۔ جنہیں بڑے مقصد کے لیے قربان کر دینا کچھ دشوار نہیں ہو گا۔ نبی اکرم ﷺ نے دنیا کو مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت قرار دیا ہے۔یعنی مومن احکامات میں پابند ہے اور کافر احکامات سے آزاد ہے۔ آخرت میں معاملہ برعکس ہو جائے گا۔

نبی اکرم ﷺ کی دعوت کے سب سے پہلے مخاطب مشرکینِ مکہ تھے، جو سرے سے مرنے کے بعد جی اٹھنے کے ہی منکر تھے۔ آپ ﷺ کی زبانِ اطہر سے حیاتِ اخروی کا سن کر تعجب کے ساتھ بول پڑے:

{أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخِرَةً} [النازعات: 11]

کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو چکے ہوں گے؟

بعد ازاں اِنہی لوگوں نے رسول رحمت ﷺ کے فیضان سے اپنی زندگی کی تمام ترتیب میں آخرت کو مقدم کر لیا تھا۔ یہ لوگ حق تعالیٰ شانہ کی رضا اور اس کے مہمان خانے، یعنی جنت کی طلب میں اپنی جان پیش کرنے کے لیے مستعد رہتے تھے۔

3۔اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور اس کی رحمت سے امید:

اقوامِ عالم پر رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم احسان اپنے خالق و مالک پر اعتماد اور اس کی رحمت سے پُر امید ہونے کا حوصلہ افزا عقیدہ ہے۔ آپ ﷺ نے انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے کسی لمحے بھی نا امید ہونے سے بچایا ہے۔ انسان بڑے سے بڑا گناہ کیوں نہ کرلے تو بھی معافی کے لیے حضرت محمد ﷺ کی پیغمبرانہ تعلیمات اسے مایوس نہیں کرتیں۔ خود حق تعالیٰ شانہ نے آپ ﷺ کو اعلان فرمانے کا حکم دیا۔

{قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ} [الزمر : 53]

اے پیغمبر! آپ فرما دیجیے، اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دے گا۔ بے شک وہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

ایک حدیث میں تو آپ ﷺ نے گناہوں سے توبہ کرنے والے کو یوں قرار دیا ہے، جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔

التَّائبُ من الذنبِ کمن لا ذنبَ له۔ (ابن ماجه، باب ذکر التوبة)

گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے، گویا اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔

كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ۔ (ترمذی)

تمام انسان خطاکار ہیں اور بہترین خطاکار توبہ کرنے والے ہیں۔

اس قسم کی بہت سی احادیث انسان کو پُرامید بناتی اور اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اعتماد بخشتی ہیں۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ آدمی پیدائشی گناہ گار پیدا ہوا ہے۔ مسیح علیہ السلام نے سولی پر چڑھ کر اس کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔ اس عقیدے کو ماننے والا اپنے آپ کو بالاصل گناہ گار ماننے پر مجبور ہے۔ ہندوستان کے بت پرستوں کا قدیم زمانے سے آواگون کا عقیدہ رہا ہے۔ اس کے مطابق انسانوں کو مرنے کے بعد ایک اور جنم دیا جاتا ہے، جو لوگ زندگی میں برائیوں کا ارتکاب کرتے رہے، ان بدی کرنے والوں کو دوسرے جنم میں درندوں، جانوروں وغیرہ کا قالب دیا جاتا ہے۔ ان نظریات کے برخلاف اسلام انسان کو بالاصل گناہوں سے پاک اور مسلمان قرار دیتا ہے۔ پھر اس کے اردگرد کے انسان اس کے اجزائے فکری و عملی کو تشکیل دیتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ (متفق علیہ)

عبادات میں اجتماعیت کا وجود:

عبادات کے ذیل میں آنحضور ﷺ کا ایک عطیہ اجتماعیت کا وجود ہے۔ اگرچہ یہود و نصاریٰ، ہندومت، بدھ مت، مشرکینِ عرب وغیرہ کے ہاں عبادت و پرستش کے لیے وقتاً فوقتاً اکٹھا ہونے کا رواج تھا، اس کے لیے پہلے دور اور ہمارے زمانے میں بھی ان کی عبادت گاہیں رہی ہیں، جہاں وہ خاص دنوں میں اکٹھے ہوتے ہیں، لیکن اجتماعیت کے ساتھ جو عبادت کا تصور آپ ﷺ سے ملا ہے، وہ اُن تمام میں فائق و ممتاز ہے۔ پنج گانہ نماز، رمضان میں روزے و تراویح، حجِ بیت اللہ کے مراحل، عمرہ وغیرہ ان تمام میں اجتماعیت درکار ہے۔ نمازِ باجماعت کی اس قدر ترغیب اور ترک پر اس قدر شدید وعید سنائی گئی ہے کہ علماء کو کہنا پڑا کہ یہ سنت موکدہ ہے، لیکن واجب کے قریب ہے۔ جمعہ کا دن ہفتے کا افضل

ترین دن قرار دیا گیا۔اس دن کی خاص عبادات مقرر ہوئیں۔ مثلاً یہ کہ اہل محلہ مسجد میں اکٹھے ہوں، جہاں خطیب کا خطبہ سنیں اور اکٹھے نماز ادا کریں۔ عید کے موقع پر اس اجتماعیت کو بڑا اقرار دے کر بڑی جگہ میں نماز ادا کرنا پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔عبادات میں اجتماعیت کی یہ شان اسلام میں جس طور پر دکھائی دیتی ہے، یہ دیگر مذاہب سے واضح طور پر ممتاز ہے۔اس اجتماعیت کے فوائد و مصالح ایسے ہیں، جن میں سے بہت سے تو بالکل ظاہر ہیں۔ مثلاً:

1۔ ملتِ اسلامیہ کی شوکت کا اظہار ہوتا ہے۔

2۔ اتحاد و اتفاق کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔

3۔ ایک مذہب و عقیدے کے حامل افراد ایک دوسرے سے واقف ہوتے ہیں۔

4۔ جب عمل میں کمزور آدمی اپنے دیگر قوی ساتھیوں کو دیکھتا ہے تو اسے آگے بڑھنے کی تحریک ہوتی ہے۔

5۔ پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے لائحہ عمل مرتب کرنے میں آسانی ہوتی ہے اور مشاورت کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

6۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کون سے مسلمان دین میں سستی کا شکار ہیں، انہیں راہ راست پر لانے کی صورت بنتی ہے۔

معاملات

معاشرتی ناہمواریوں کی روک تھام:

معاشرتی ناہمواریوں سے مراد ناانصافی، ظلم و ستم، طبقاتی کشمکش وغیرہ ہیں۔ رحمتِ دوعالم ﷺ جس دور میں تشریف لائے، اس زمانے میں یہ باتیں اپنی انتہاء پر تھیں۔

جس کا زور چلتا، ناجائز کو اپنے لیے جائز قرار دیتا۔ عرب کے جاہلی ادب حماسہ وغیرہ کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر قبائلی حمیت و تعصب عام تھا۔ مدد کرتے وقت یہ نہ دیکھا جاتا کہ ظالم ہے یا مظلوم ہے۔ اپنے قبیلے کا آدمی بہرصورت مدد کا مستحق تھا۔ لوٹ مار کے ذریعے مال حاصل کرنا بھی عام تھا اور یہ بہادری کی علامت تھی۔ جُوا، سود وغیرہ بکثرت رائج تھا۔ سود کے لیے یہودی قدیم زمانے سے مشہور ہیں۔ یہ لوگ مجبور کی مجبوری سے مزید فائدہ اٹھاتے۔ اگر کوئی آدمی وقت پر قرضہ نہ ادا کر سکتا، اس پر سود کا اضافہ مزید خستہ حالی کا باعث ہوتا۔ طبقاتی کشمکش میں ہندوستان کا علاقہ خاص امتیاز رکھتا تھا۔ یہاں کے ہندو، برہمن، کھشتری، ویش، شودر ذاتوں میں تقسیم تھے۔ برہمن سب سے اونچی ذات تھی اور معاشرے کے معزز ترین افراد سمجھے جاتے تھے۔ ان کے بعد کھشتری پھر ویش اور پھر شودر تھے۔ شودر معاشرے کا ذلیل ترین طبقہ تھا۔

معاشرتی ناہمواری کا عالم یہ تھا کہ اس بات کو بطور قانون تسلیم کیا جا چکا تھا کہ اگر کوئی نیچی ذات کا شخص کسی اونچی ذات والے کو چُھو لے تو اس کی سزا موت ہے۔ اس طبقاتی کشمکش کا حیرت ناک پہلو یہ تھا کہ اس کو خدائی تقسیم سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ چھوٹی ذات والا کتنا ہی زور لگا لے، کتنے فضائل سے آراستہ ہو جائے، وہ معززانہ حیثیت نہ پاتا تھا۔ طبقاتی کشمکش میں ایک نہایت مظلوم طبقہ غلاموں کا تھا، جن سے جانوروں والا رویہ رکھا جاتا تھا۔ ایک طبقہ مظلوم عورت کا تھا، جس کے متعلق آگے بات کریں گے۔

رسولِ رحمت ﷺ نے اعلان فرمایا:

{إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ} [النحل: 90]

بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان اور اہلِ قرابت کو دینے کا حکم کرتا ہے۔

آپ ﷺ نے بطور عملی نمونہ خود عدل واحسان کر کے دکھایا۔گھریلو زندگی میں ازواجِ مطہرات کے درمیان عدل و انصاف سے لے کر لوگوں کے باہمی اختلافات کو رفع کرنے میں عدل و انصاف کی پابندی فرمائی۔جاہلی حمیت و تعصب کی مذمت کی۔آپ ﷺ خود قریشی ہاشمی تھے، لیکن آپ ﷺ نے کبھی اس بنیاد پر قریش کو ناحق فائدہ نہ دیا۔ایک موقع پر مہاجرین و انصار میں کچھ نزاع ہونے لگا تو آپ ﷺ نے شدید مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"دعوھا، فانھا منتنة"۔یعنی عصبیت کا نعرہ بد بو دار ہے۔

آپ ﷺ نے انسانی شرف و فضیلت کا معیار نسب کے بجائے ایسی شے کو قرار دیاہے، جس کا حصول انسانی کسب کے دائرے میں آتا ہے۔یعنی تقوی! کیونکہ انسان محنت و کوشش کر کے متقی بن سکتا ہے۔

"إِنَّ اللهَ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالآبَاءِ، إِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ، النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ" ۔

(ترمذی، باب و من سورۃ الحجرات، حدیث: 3955)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلی عصبیت اور آباء پر فخر کا طریقہ ختم کر دیا ہے۔اب یا تو مومن متقی ہو گا یا فاجر بد بخت!، تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔

آپ ﷺ نے نسلی امتیاز ختم کرنے میں اقوام عالم کو یہ مفید بات بتلائی:

{إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ} [الحجرات: 13]

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہ ہے، جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

آپ ﷺ کے ذریعے عورتوں کے حقوق وتحفظ کے لیے انسانیت کو کیا ملا، یہ تو آگے آئے گا۔ البتہ آپ ﷺ کے فیض سے غلام طبقے کو وہ بلندیاں نصیب ہوئیں، جن کے سامنے بادشاہوں کی عظمتیں کمتر ہیں۔ تاریخِ اسلام کے برگزیدہ علماء میں ایک طبقہ موالی کا بھی ملتا ہے۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں، جو یا تو خود غلام تھے، پھر انہیں آزاد کر دیا گیا۔ یا ان کے باپ دادا غلام تھے، پھر آزاد کیے گئے۔ یہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور رحمتِ عالم ﷺ کا معجزہ ہے کہ انہی موالی میں وہ بلند پایہ علماء پیدا ہوئے، جنھوں نے حدیث کی حفاظت اور تدوین میں وہ شان دار کارنامے سر انجام دیے، جنہیں آج عرب و عجم کے علماء تسلیم کر چکے ہیں۔ حدیث کے علاوہ فقہ و تفسیر میں بھی ان موالی علماء کی بیش بہا خدمات ہیں۔ ہم یہاں چند علمائے موالی کا نام تبرکاً درج کرتے ہیں، جو بلاشبہ ہمارے عظیم اسلاف میں شامل ہیں:

۱۔ عطابن ابی رباح محدث مکہ مکرمہ ۲۔ طاؤس بن کیسان محدث یمن

۳۔ یزید بن ابی حبیب محدث مصر۔ ۴۔ مکحول شام کے عالم کبیر

۵۔ حسن بصری امام الشریعہ والطریقۃ

مزید تفصیل کے لیے مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تالیفِ لطیف تدوینِ حدیث ملاحظہ فرمالی جائے، موالی علماء کی یہ گراں قدر خدماتِ دینیہ اُن فرامینِ مبارکہ کا لازمی نتیجہ ہیں، جو سرکار دو عالم ﷺ نے غلاموں کو معاف کرنے، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور علم کو سب کی مشترکہ دولت قرار دینے کے متعلق ارشاد فرمائے۔

آپ ﷺ نے معاشی ناہمواریوں کے ازالے کے لیے زکوۃ کا نظام رائج کیا، جس کے ذریعے ارتکازِ دولت کو روکا گیا۔ زکوۃ کے اس نظام کے ذریعے معاشرے کا پست حال

طبقہ اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے۔ اسی طرح سود اور جوئے پر پابندی لگا دی گئی۔ سود کے متعلق حکم خداوندی سنایا:

{يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ} [البقرة: 276]

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

جوئے کو شیطانی خبیث عمل بتلایا:

{إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ}

[المائدۃ: 90]

بے شک شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب شیطان کے گندے کام ہیں، پس ان سے بچو۔

آپ ﷺ نے زبانی تعلیمات سے آگے بڑھ کر عملاً حجۃ الوداع میں اپنے خاندان والوں کا دوسروں کے ذمہ جو سود تھا وہ معاف فرما دیا۔ یہ آپ ﷺ کا عظیم احسان تھا، جس نے سود جوئے وغیرہ کو اسلام کے حلقہ بگوشوں کے نزدیک انتہائی مبغوض کر دیا۔

معاملات کے ضابطے:

رحمتِ دوعالم ﷺ نے انسانوں کے درمیان طے پانے والے معاملات کو ایسے ضابطے دیے، جنہیں ملحوظِ خاطر رکھنے سے فریقین کے حقوق کی رعایت ہوتی اور ایسے نقصانات سے حفاظت ہوتی ہے، جو باعثِ نزاع ہوں۔ مثلاً:

قرض کے معاملے میں آپ ﷺ کی تعلیم قرض لینے والے کے لیے یہ ہے کہ وہ اوّل تو ادائیگی کی نیت سے قرض لے۔ پھر رقم ہونے کے باوجود قرض میں ٹال مٹول کرنے کو ظلم قرار دیا ہے۔ دوسری طرف قرض دینے والے کو اتنی ہی مقدار واپس لینے کی تعلیم ہے، جتنی مقدار بطور قرض دی تھی، قرض کی رقم پر زائد شرح لینے کو سود قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ اسے قرض دار کو مہلت دینے کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔

خرید و فروخت کے وقت ایسی چیز کا سودا کرنے کی ممانعت کی ہے، جس میں دھوکہ ہو۔ فقہاءِ کرام نے ایسی خرید و فروخت کو بیع الغرر قرار دے کر ناجائز لکھا ہے۔ جیسے ہوا میں اڑتے پرندے کو فروخت کرنا۔ کیونکہ پرندہ ابھی قبضے میں نہیں اور اس کے قبضے میں آنے، نہ آنے دونوں کا احتمال ہے۔ خریدار کو چیز خریدتے ہوئے خیارِ عیب دیا گیا ہے۔ جس کی رُو سے خریدار کو چیز خرید لینے کے بعد اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ اگر چیز میں کوئی عیب ہو تو اسے واپس کر دے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک صحابی منقذ رضی اللہ عنہ کو ایسا خیار طے کرا لینے کی تعلیم دی تھی۔

معاملات کرتے ہوئے سچ، امانت داری اور وعدے کی پابندی وہ بنیادی صفات ہیں، جن سے معاملہ ٹھیک اور شفاف طریقے سے طے پاتا ہے۔ آپ ﷺ نے ان تینوں صفات کو مومن کے لیے بنیادی قرار دیا ہے اور ان کے نہ ہونے کو نفاق کی علامت بتایا ہے۔

''آية المنافق ثلاث اذا حدَّثَ كَذَبَ و اذا وَعَدَ أَخْلَفَ و اذا ائْتُمِنَ خَانَ''۔ (بخاری: 6/1، رحمانیہ)

منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے، جب امانت اُس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

معاملات ملکی سطح پر ہوں تو آپ نے اس کے لیے ضابطے عطا فرمائے اور گھریلو سطح کے ہوں تو اس کے لیے بھی ضابطے دیے ہیں۔ میاں بیوی کا معاملہ، خادم و مخدوم کا معاملہ، اعزہ و اقرباء کے ساتھ معاملہ وغیرہ سب کے لیے ضابطے دیے اور خود انہیں نبھا کر دکھایا۔ مردوں کو حکم خداوندی سنایا:

{وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ} [النساء: 19]

یعنی عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے گزران کرو۔

معاشرت

حقوق و فرائض کا تصور:

نبی کریم ﷺ نے انسان کے اس دنیا میں آنے کے مقصد کو واضح کیا۔اس کے ساتھ دنیا میں رہتے ہوئے اس پر کچھ تو دوسرے لوگوں کے حوالے سے ذمہ داریاں عائد کیں اور کچھ اس کے حقوق متعین کیے، جو دوسروں سے اِسے ملنے ہیں۔ حقوق و فرائض کے اس تصور میں میاں بیوی، اولاد والدین، بہن، بھائی، اعزہ و اقارب، پڑوسی، حاکم محکوم اور بین الاقوامی تعلقات شامل ہیں۔ اگرچہ حقوق و فرائض کا تصور دیگر مذاہب کے ہاں ملتا ہے، لیکن اسلام نے اس تصور کو جس خوبی کے ساتھ دیا ہے، اسے امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام نے حقوق و فرائض کے ضمن میں ایسے کام بھی متعارف کرائے ہیں، جنہیں یک طرفہ مفادات کی خاطر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔رحمتِ دو عالم ﷺ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے انسانیت کو فرائض کی بجا آوری اور حقوق کی ادائیگی و وصولی کا طریقہ سکھلایا ہے۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ جہاں حقوق دینے کا حکم ہے، وہاں اس کی بہت تاکید ارشاد فرمائی، لیکن حقوق کی وصول یابی میں دوسروں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔بڑوں کے حقوق میں ان کے ساتھ اکرام و تعظیم کا معاملہ روا رکھا گیا اور چھوٹوں کے حقوق میں ان پر شفقت کی تعلیم دی گئی اور جو ایسا نہ کرے، اس کو سخت تنبیہ کی گئی۔

''من لم یرحَمْ صغیرنا و لم یوقِّر کبیرنا فلیس منا'' ۔(ترمذی)

جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی قدر نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔

والدین کے حقوق ادا کرنے کی اس قدر تاکید کی گئی کہ انہیں ''اُف'' تک کہنے سے روک دیا گیا اور ان سے نرم بات کرنے کا حکم دیا گیا۔

دوسری طرف جہاں اپنا حق وصول کرنے کی بات ہے تو اس میں نرمی کو پسندیدہ قرار دیا گیا۔ مثلا قرض دار کو مہلت دینے کی فضیلت بیان کی گئی۔ شوہر کے حقوق بیوی پر اس قدر بتلائے گئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو سجدہ روا ہوتا تو بیوی کے لیے خاوند کو سجدہ کرنا جائز ہوتا۔۔ لیکن دوسری طرف خاوند کو حکم دیا۔

{وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ} [النساء: 19]

ان بیویوں کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو۔

ایک صحابی سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر بیوی میں کوئی برائی نظر آئے تو اس کی اچھائی پر بھی نظر کر لیا کرو۔ اسی طرح دوسروں سے حق وصول کرنے کو اور برابر کا بدلہ لینے کو روا رکھا گیا، لیکن معاف کرنے اور اعراض کی ترغیب دی گئی۔

{خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ} [الأعراف: 199]

معاف کرنے کو پکڑ اور نیکی کا حکم کر اور جاہلوں سے اعراض کر۔

ان تعلیمات کو ایک مختصر نظر دیکھ لینے سے ہی بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ ان پر عمل دلوں کو جوڑنے اور محبتوں کو ابھارنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ یہ رحمتِ دو عالم ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات کی برکت تھی، جس نے صدیوں کی نفرتوں اور عداوتوں کی آگ کو سرد کر کے ایسے انسان بنائے، جن کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے:

{ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ } [الفتح: 29]

یہ (صحابہ) آپس میں رحم کرنے والے ہیں۔

{وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ} [الحشر: 9]

اور وہ اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود ان پر تنگی ہو۔

عورت کے حقوق کی حفاظت:

رسولِ رحمت ﷺ کا ایک عالمگیر احسان طبقہ نسواں پر ہے، جو آپ ﷺ کی آمد سے قبل دنیا کے مختلف خطوں میں مظلومیت کی زندگی گزار رہی تھیں۔ جس معاشرے میں آپ ﷺ کی آمد ہوئی، اس کی حالت خواتین کے متعلق کیا تھی؟ قرآن حکیم اس کا نقشہ یوں کھینچتا ہے:

{وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ (58) يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَى هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ}

[النحل: 58، 59]

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے اور (اس کے دل کو دیکھو تو) وہ اندوہ ناک ہو جاتا ہے۔ اور اس خبر بد سے (جو وہ سنتا ہے) لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو یہ جو تجویز کرتے ہیں، بہت بُری ہے۔

بعض قبائل میں بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینے کا رواج تھا۔ جو لڑکیاں بچ جاتیں اور جواں ہو کر بیاہی جاتیں، اگر ان کے خاوند کا انتقال ہو جاتا تو ان بے چاریوں کی حالت قابل رحم ہو جاتی۔ ایک برس تک وہ عورت سب سے الگ تھلگ عدت گزارتی اور جب عدت سے نکلتی تو میلے کچیلے کپڑوں میں رہنے کی وجہ سے بدبو میں لتھڑی ہوتی۔

ایران میں مزدک کی تعلیمات کے زیر اثر عورت اور دولت کو سب کی مشترکہ ملکیت سمجھا جاتا تھا۔ ہر شخص عورت سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ مزدک کی تعلیمات کے خلاف ایران میں تحریک اٹھی تھی، لیکن عورت اپنے حقوق سے محروم تھی۔

ہندوستان میں تو عورت انتہائی کسمپرسی کا شکار تھی۔ خاوند کے مرنے کے بعد عورت کو ذلت آمیز زندگی بسر کرنے اور ہمیشہ بیوہ رہ کر زندگی بسر کرنے یا خاوند کے ساتھ ہی جل جانے کا حکم تھا۔ بہت سی خواتین ذلت آمیز زندگی پر ایک بار مر جانے کو ترجیح دیتی تھیں۔ میراث میں عورت کا یا تو حصہ ہی نہیں ہوتا تھا اور اگر ہوتا تو اس سے محروم ہی کی جاتی تھی۔

ایسے وقت میں نبی رحمت ﷺ تشریف لائے اور عورت کو عزت وو قار کی چادر عطا کی۔ عورت کی پیدائش کو عار سمجھنے والوں کو تعلیم دی کہ عورت کی پرورش اتنا اجر و ثواب کا کام ہے کہ اہلِ ایمان کو اس پر آخرت میں آنحضرت ﷺ کے قُرب کی امید رکھنی چاہیے۔

عورت کے لیے اس کے جوڑ کا خاوند تلاش کرنے کی تعلیم دی۔ بیوہ عورتوں کے لیے اور اسی طرح مطلقہ عورتوں کے لیے نکاح کو جائز قرار دیا۔ بلکہ کتبِ حدیث میں ایسے واقعات آتے ہیں کہ آپ نے بیوہ خواتین کے نکاح کا بندوبست کیا۔ مطلّقہ کے لیے کھانے پینے اور رہائش کا انتظام کرایا۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر خود بیوہ اور مطلقہ خواتین سے نکاح کیے۔ عورت کے لیے میراث میں حصہ مقرر فرمایا۔ عورت کی حیثیت ماں، بہن، بیوی، بیٹی وغیرہ کے اعتبار سے اس کے حقوق متعین کیے۔ اللہ اور رسول کے بعد مرد کے لیے ماں کا حق سب سے بڑھ کر فرمایا۔ مرد کو حکم دیا کہ عورت کے ساتھ اچھے طریقے سے گزران کرے۔ اسے کوسے نہیں۔ جو خود کھائے، اُسے بھی کھلائے۔ جیسا خود پہنے، اسی عمدگی کا لباس اسے پہنائے۔ اس کی اچھائیوں پر نظر کرے، برائیوں کو معاف کرتا رہے۔ اسے

تقویٰ پر جمائے اور جہنم کی آگ سے بچائے۔ عورت کے لیے علمی و عملی کمالات کے حصول اور ترقی کو روا رکھا گیا ہے۔ عورت کو گھریلو ذمہ داریوں کو نبھانے کی تعلیم دی گئی اور کسبِ معاش کی ذمہ داریاں مرد پر ڈال دی گئیں۔ یہ رسولِ رحمت ﷺ کا فیضان ہے، جس نے عورت کے لیے اخلاقی ضابطوں کی پابندی کے ساتھ کارزارِ زیست میں متحرک رہنے کا سامان مہیا کیا اور تصویرِ کائنات میں رنگ بھرنے والی مخلوق سے زندگی کا سوز دروں حاصل ہوا ۔

وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

اخلاقِ کامل کا نمونہ:

انسانی فطرت ہے کہ وہ عمل میں کسی نمونے کا محتاج ہوتا ہے۔ نمونۂ عمل سے عمل کی ترغیب ہوتی ہے اور عمل میں نکھار پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو تخلیق کیا اور ان کے مزاج سے انہیں پوری واقفیت تھی۔ انبیائے کرام علیہم السلام کو تعلیماتِ وحی دینے کے ساتھ نمونۂ عمل بھی بنایا، تاکہ انسان احکامات پر عمل پیرا ہونے کا طریقہ سیکھیں۔ بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل انسانیت ایک عالم گیر اخلاقی بحران کا شکار تھی۔ اس کی کچھ جھلکیاں جاہلی شعراء کے کلام میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

حسد، کینہ، بغض و عداوت کی جو آگ سینے سے اٹھتی تھی، وہ بسا اوقات کئی نسلوں تک بھڑکتی رہتی۔ ظلم کا بدلہ ظلم سے لینے کو باعثِ شرف و افتخار سمجھا جاتا۔ فحش گوئی و بے حیائی عام تھی۔ اس کا "سبعۃ معلّقۃ" وغیرہ کے ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے، جن میں شاعر گانے والی عورتوں کے ہاتھوں شراب پینے کا تذکرہ کرتا ہے۔ یہ حال عرب ممالک تک ہی

محدود نہ تھا، بلکہ عرب سے باہر بھی اخلاقی بحران تھا۔ ہندوستان میں ذات پات کی تقسیم نے تکبر، ظلم، جبر، سنگ دلی وغیرہ کتنی ہی اخلاقی برائیوں کو وجود بخشا تھا۔ یہودی و عیسائی اہل کتاب ہونے کی وجہ سے ایک گونہ فضیلت رکھتے تھے، ان میں اخلاقی تعلیم کا رواج تھا، لیکن عملاً وہ اپنی قوم سے آگے بڑھ کر دوسرے انسانوں کو نمونۂ عمل دینے سے قاصر تھے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ایک موقع پر لکھا ہے:

یہودی عیسائی اور دوسرے اخلاقی معلمین کی تعلیمات کی فہرست پر ایک نظر ڈال لینا اس راز کو فاش کر دے گا کہ انسان کے تمام اخلاقی احوال اور کیفیات کا احاطہ ان میں سے کسی نے نہیں کیا ہے۔ صرف اپنے زمانے اور اپنی قوم کے حالات کو سامنے رکھ کر اپنی اخلاقی اصطلاحات کی فہرست بنا لی گئی ہے۔ ان میں سے بھی چند اصول کو سب سے زیادہ اہمیت دے کر ان کو ہر جگہ اپنی تعلیم میں نمایاں کیا گیا ہے۔

دیگر مصلحین کی اخلاقی تعلیمات سے آنحضرت ﷺ کی تعلیمات جہاں وسعت کے لحاظ سے ممتاز و فائق ہیں، وہاں اس لحاظ سے بھی بطور خاص قابلِ توجہ ہیں کہ ان تمام تعلیمات کی عملی جلوہ گری خود ان تعلیمات کے معلم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں موجود ہے۔ اسلامی تعلیمات کا منبعِ اصل قرآن کریم ہے۔ اخلاق فاضلہ کی تمام کرنیں وہاں سے پھوٹتی ہیں۔ قرآنِ کریم جن اخلاقی تعلیمات کی تلقین کرتا ہے، صاحبِ قرآن ﷺ کی ذات اقدس ان صفات پر عمل پیرا ہو کر امت کو نمونہ دیتی ہے۔ قرآن کریم جن صفاتِ حسنہ کے اپنانے کی تاکید کرتا ہے، آپ ﷺ ان صفات سے متصف تھے۔ جن رذائل سے نجات کی تاکید کرتا ہے، آپ ﷺ ان سے قطعاً بری تھے۔۔ یہی وجہ تھی کہ جب

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے حضور ﷺ کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

''کَانَ خُلُقُه القرآن'' ۔

یعنی آپ ﷺ کے اخلاق قرآن تھے۔

خود قرآنِ کریم آنحضرت ﷺ کے طریقۂ عمل کو بہترین نمونہ قرار دے کر اس کی پیروی کی ترغیب دیتا ہے۔ ان میں قرآنی و نبوی تعلیمات کی عملی جلوہ گری ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ حجۃ الوداع کا خطبہ دیکھا جائے تو آپ ﷺ نے زمانۂ جاہلیت کے خون معاف کیے تو پہلے اپنے خاندان کا خون معاف قرار دیا اور اس کا بدلہ چھوڑ دیا۔ سود کو باطل قرار دیا تو پہلے اپنے چچا کا دوسروں کے ذمے سود باطل قرار دیا۔ یہ تاریخی خطبہ پیغمبرِ اسلام کی طرف سے دنیا بھر کو دعوتِ فکر ہے۔

اخلاق کا ہمہ جہتی تصور:

رسولِ رحمت ﷺ کا اخلاقیات کے سلسلے میں اصلاحی کارنامہ اخلاق کا ہمہ جہتی تصور ہے۔ مختلف انسانی حیثیتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اخلاق برتنا، بلکہ انسانوں سے آگے بڑھ کر جانوروں کے ساتھ بھی عمدگی کا معاملہ کرنا آپ ﷺ کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے۔ اخلاق کا یہ ہمہ جہتی تصور کسی ایک فرد یا قبیلے یا برادری تک محدود نہیں تھا، بلکہ اپنے، پرائے، نزدیک، دور، چھوٹے، بڑے، حتیٰ کہ مسلم و غیر مسلم سبھی کو شامل ہے۔ زید بن سعنہ اپنا قصہ سناتے ہیں۔ یہ ایک یہودی عالم تھے۔ آنحضرت ﷺ میں نبوت کی تمام نشانیوں کا مشاہدہ کرچکے تھے۔ سوائے یہ کہ نبی آخر الزمان کا حِلم غصہ پر غالب ہو گا۔ دوسری یہ کہ آپ سے جتنا بھی ترش روئی سے پیش آیا جائے گا، آپ کا حلم اتنا ہی بڑھتا جائے

گا۔انہوں نے ایک قبیلے کے نو مسلموں کے لیے آپ ﷺ کو 80 مثقال سونا قرض دیا۔اس معاہدے پر کہ آنحضرت ﷺ اس سونے کے بدلے میں اتنی مقدار کھجور دیں گے اور تاریخ بھی طے ہو گئی۔ مقررہ تاریخ سے دو تین دن پہلے زید بن سعنہ آئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں آپ ﷺ کی چادر اور قمیص زور سے کھینچ کر قرض کا مطالبہ کیا اور سخت الفاظ کہے۔اس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو گئے، لیکن آپ ﷺ تبسم فرماتے رہے۔ساتھ ہی حضرت عمر کو فرمایا کہ آپ مجھے حق کی ادئیگی کا کہتے اور زید کو نرمی برتنے کا کہتے ہیں۔آپ ﷺ نے حضرت عمر کو حکم دیا کہ زید بن سعنہ کو ان کی طے شدہ کھجوریں دیں اور ساتھ میں ایک وسق (بیس من) زیادہ بھی دے دیں۔اس کریمانہ رویے کو دیکھ کر زید بن سعنہ مسلمان ہو گئے اور نصف کھجوریں بھی صدقہ کر دیں۔ (حیاۃ الصحابۃ، جز اول)

ماتحتوں کے ساتھ اخلاق حسنہ سے پیش آنا نسبتا مشکل ہے۔ آنحضرت ﷺ کے خادم حضرت انس کم سن تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال آپ ﷺ کی خدمت میں رہا۔ آپ ﷺ نے مجھے کبھی کسی بات پر اُف تک نہیں کہا۔

ایک صاحب نے آپ سے پوچھا: یارسول اللہ! میں روزانہ کتنی مرتبہ اپنے غلام کو معاف کیا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ستر مرتبہ۔اسی طرح خواتین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ ہے، جو اپنی گھر والی کے ساتھ زیادہ اچھا ہو۔ میں تم سب میں اپنے گھر والوں کے ساتھ زیادہ اچھا رویہ رکھنے والا ہوں۔بیوی کی اچھائیوں پر نظر رکھنے کی تعلیم دی۔اپنے اسوہ سے مختلف خاندانوں، مختلف مزاجوں اور مختلف عمروں کی بیویوں کے ساتھ عدل کا معاملہ کر کے

دکھایا۔ آخر میں ہم نجاشی شاہ حبشہ کے سامنے کی گئی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی وہ تقریر نقل کرتے ہیں، جس میں رحمتِ عالم ﷺ کے احسانات اور اخلاقیات کے باب میں آپ کے عطیات کا ذکر ہے:

اے بادشاہ! ہم جاہلیت والی قوم تھے۔بتوں کو پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ ہر قسم کی بے حیائیوں اور گناہوں میں آلودہ تھے۔ہم میں سے جو طاقت ور ہوتا، کمزوروں کو پھاڑ کھاتا۔ ہم اس حال میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جس کے خاندان اور نسب و حسب سے اور جس کی سچائی، امانت داری اور عفت وپاک بازی سے ہم پہلے سے واقف تھے۔انہوں نے ہم کو یہ دعوت دی کہ ہم صرف ایک اللہ پر ایمان لے آئیں اور اسی کی عبادت کریں۔ ہم اور ہمارے باپ دادا جن بتوں اور پتھروں کو پوجتے تھے، ان کو بالکل چھوڑ دیں اور ان سے قطع تعلق کرلیں۔انہوں نے ہمیں سچ بولنے، امانت اداکرنے، رشتہ داری کا خیال کرنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے، ناجائز حرام باتوں اور ناحق خون سے پرہیز کرنے کا حکم دیا۔بے حیائی کے کاموں، جھوٹ فریب، یتیم کا مال کھانے، پاک باز عورتوں پر الزام لگانے سے منع فرمایا۔انہوں نے ہم کو حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہرائیں۔انہوں نے ہمیں نماز،زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیا۔(اس موقع پر انہوں نے اس جیسے مزید ارکان اسلام بیان کیے)۔ہم نے ان کی تصدیق کی۔ ان پر ایمان لائے۔وہ جو طریقہ اور تعلیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، ہم نے اس کی پیروی کی۔اے بادشاہ! ہم یہاں یہ امید لے کر آئے ہیں کہ ہم پر کوئی ظلم نہ کیا جا سکے گا۔ (سیرت ابن ہشام)

حدودِ شریعت کی حفاظت کا نبوی اہتمام

روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہر ادارے، انجمن اور ملک کے قوانین ہوتے ہیں، جن کے مطابق ملکی، تنظیمی یا ادارتی مقاصد واہداف کو مکمل کیا جاتا ہے۔ یہ قوانین بعض اذہان کی عرق ریزی کے نتیجے میں عروج پاتے ہیں۔ ان قوانین اور ضابطوں سے کام کی درست ادائیگی میں مدد ملتی ہے۔ قوانین کی تشکیل کے بعد اگلا مرحلہ ان قوانین کا نفاذ ہے۔ یعنی قوانین کو ان کے محل پر منطبق (apply) کیا جائے اور لوگوں کو اس کا پابند بنایا جائے۔ تاہم قوانین کی تشکیل و انطباق (Formation and Application) پر بات ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ اس چیز کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان قوانین پر پابندی کی جائے اور طے شدہ حدود و قیود کی حفاظت کی جائے۔ قوموں اور اداروں کی ترقی میں یہ احتساب و نگرانی کا مرحلہ انتہائی اہم ہوتا اور اس کی ضرورت بھی جزوقتی نہیں، بلکہ کل وقتی ہوتی ہے۔

یہ تو ان قوانین کا حال ہے، جن کا تعلق اکثر وبیشتر حیاتِ انسانی کے اجتماعی پہلو سے ہے۔ ایک مجموعہ قوانین وہ ہے، جس کا تعلق انسان کی اجتماعی زندگی سے بھی ہے اور انفرادی زندگی سے بھی ہے۔ جس کا تعلق سوچ و فکر سے بھی ہے اور قول و عمل سے بھی ہے۔ جس کا تعلق دنیاوی زندگی سے بھی ہے اور اخروی حیات سے بھی ہے۔ جسے انسانوں کے خالق و مالک نے اپنے محبوب ﷺ کے ذریعے فوز و فلاح کے واحد راستے کے طور پر پسند فرما کر اعلان فرما دیا:

{الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا}

[المائدة: 3]

آج کے دن ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔

اس مجموعۂ قوانین کو افرادِ امت تک پہنچانا آنحضرت ﷺ کا فرضِ منصبی تھا، جسے آپ ﷺ نے بطریق احسن ادا کیا اور اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ اس بات کی نگرانی فرماتے تھے کہ اس مجموعۂ قوانین کی ٹھیک ٹھیک پابندی کی جائے۔ جو حدود شارع حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دی ہیں، ان سے تجاوز نہ کیا جائے۔ جو روح ان احکام و قوانین میں کار فرما ہے، اسے باقی رکھا جائے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:

''ان اللہَ فَرَضَ فَرِیْضَۃً فلا تُضَیِّعُوْھا'' -

حدودِ شریعت کی حفاظت کے لیے آنحضرت ﷺ نے اپنے اقوال مبارک میں ایسے نکات بیان فرمائے، جنہیں ملحوظِ خاطر رکھا جائے تو شریعت کا مزاج سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ پہلی امتوں میں ایک بڑا مرض تحریف کا رہا ہے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں تبدیلیاں کر دی جاتی تھیں۔ نئے طریقے ایجاد کر کے انہیں انبیاء کی طرف منسوب کر دیا جاتا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کی سچی تعلیمات میں جھوٹ کی آمیزش کر دی جاتی۔ آسمانی کتب تک اس تحریف کا نشانہ بن گئیں۔ اس آخری امت میں قرآن کریم میں تحریف تو ممکن نہیں، کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے اسباب بھی مہیا فرما دیے گئے ہیں۔ البتہ کلام نبی ﷺ یا طریقۂ نبی ﷺ میں تحریف کا امکان تھا، اس کے سدباب کے لیے ارشاد فرمایا:

''من کذَبَ علیَّ متعمِّدًا فلْیتبوأ مَقْعَدَہ من النار''۔ (مشکوٰۃ، کتاب العلم)

جس نے جانتے بوجھتے مجھ پر جھوٹ بولا، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں پکڑے۔

اس حدیثِ پاک میں اتنی شدید وعید اسی وجہ سے ہے کہ درحقیقت آپ ﷺ کی طرف جھوٹے قول کی نسبت کرنا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کرنا گناہ کبیر تو ہے ہی، اس کے ساتھ شریعت میں تحریف بھی واقع ہو رہی ہے۔ اگر دنیاوی قوانین میں ایک آدمی کسی قانون کا اپنی طرف سے اضافہ کرکے لوگوں کو اس کا پابند بنانا چاہے تو یقیناً اس کی یہ حرکت انتظامیہ کی ناراضی کا باعث ہو گی۔ دین میں کوئی نئ بات ایجاد کرنا بھی پرلے درجے کی حماقت اور بدعت کہلاتی ہے۔ بدعت کا ارتکاب کرنے والا آدمی اپنے تئیں دین کو ناقص سمجھ رہا ہوتا ہے، کہ دین میں کہیں تو کمی ہے، جسے یہ شخص اپنے زعم میں پورا کرنا چاہ رہا ہے۔ بدعت کی ایجاد حدودِ شریعت کی خلاف ورزی ہے۔ بدعت کا مطلب شریعت نے جو دائرہ مقرر کیا ہے، اس سے قدم باہر نکالنا ہے۔ غیر شریعت کو شریعت قرار دینا ہے۔ اس کے سدباب کے لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''من أَحْدَثَ فی امرِنا هذا ما ليس منه فهو رَدٌّ''۔

(مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

جس نے ہمارے دین میں کوئی نئ بات ایجاد کی، جو اس میں نہیں تھی تو وہ بات مردود ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

كُلُّ بِدْعَةٍ ضلالةٌ۔ ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

ایک مرتبہ ایک صاحب آپ ﷺ کے پاس آئے اور وضو کا طریقہ دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے وضو کا طریقہ بتا کر فرمایا: جس نے اس پر زیادتی کی، اس نے ظلم کیا۔

(مشکوٰۃ، باب سنن الوضوء)

آپ ﷺ نے حدودِ شریعت کی حفاظت کے لیے عبادت میں غلو(مبالغہ) سے منع فرمایا ہے۔عبادت میں اس قدر مبالغہ، جس سے دیگر احکامِ شریعت میں حرج واقع ہو، مذموم ہے۔ آپ ﷺ کو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ رات بھر نوافل پڑھتے اور دن بھر روزے سے رہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں نصیحت فرمائی: ایسا مت کرو، روزہ رکھو اور وقفہ بھی کرو۔ رات کو جاگو اور نیند بھی پوری کرو۔ اس لیے کہ تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری زوجہ کا بھی تجھ پر حق ہے۔ (بخاری کتاب الصوم)

تین آدمی آپ ﷺ کے گھر حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ موجود نہیں تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے اہلِ خانہ سے آپ کے حالات معلوم کیے۔ آپ ﷺ کی خانگی زندگی میں غور کرنے سے انہیں یہ غلط فہمی ہوئی کہ آپ ﷺ کے پیغمبرانہ منصب کے مقابلے میں آپ کی عبادت اس درجے کی نہیں۔ شاید آپ ﷺ کو مخلوق سے زیادہ انقطاع کرنے کی اور عبادت میں مشغول ہونے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا: ہم میں سے کون ہے، جو رسول اللہ ﷺ کی مثل ہو۔ ہمیں تو عبادت اور انقطاع عن الخلق کی زیادہ ضرورت ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک صاحب نے عہد کیا کہ وہ نکاح نہیں کریں گے۔ دوسرے نے ہمیشہ روزہ رکھنے کا عزم کیا اور تیسرے نے عزم کیا کہ میں ہمیشہ رات بھر نفلیں پڑھوں گا۔

آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ کو ان لوگوں کے عزائم معلوم ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں تنبیہ فرمائی کہ میں تم میں سب سے زیادہ تقوی والا ہوں، لیکن میں اپنے رب کی طرف سے جائز کردہ سب چیزوں کو اختیار کرتا ہوں، جنہیں تم نے

ترک کرنے کا اردہ کیا ہے۔ پس جو میرے طریقے سے منہ موڑے گا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ (بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح)

اسلامی تصورِ عبادت کا اندازہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے واقعے سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ یہ عابد و زاہد صحابی رات بھر نماز پڑھتے اور دن بھر روزہ رکھتے۔ رسولِ کریم ﷺ نے نوجوان عبداللہ بن عمرو کو تنبیہ کی کہ تیرے جسم، آنکھ، بیوی، مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے۔ لہٰذا ان کی رعایت بھی ضروری ہے۔

(أیضاً، باب لزوجک علیک حقاً)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ عبادات کو فقط نماز روزے تک محدود کر دینا کہ آدمی متعلقین، بلکہ اپنے جسم کی حق تلفی کا مرتکب ہو جائے یہ آپ ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

رسولِ کریم ﷺ نے جو تصورِ عبادات عطا کیا، اس میں بظاہر دنیاداری محسوس ہونے والے بہت سے امور حقیقت میں عبادت ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر حلال طرز پر کمانا ہو اور دیگر فرائض و واجبات کی ادائیگی بھی ہوتی رہے تو یہ بھی عبادت ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

''طَلَبُ کَسْبِ الحلالِ فریضةٌ بعدَ الفریضةِ''۔

(مشکوٰۃ، باب الکسب وطلب الحلال)

حلال روزی کی طلب دیگر فرائض کے بعد ایک فرض ہے۔

نکاح کرنا بظاہر خواہشات پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہے، لیکن آپ ﷺ نے اسے اپنی سنت قرار دے کر وضاحت فرمادی کہ یہی نکاح خداتعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔

''النِّکاحُ مِن سُنَّتِی'' (ابنِ ماجہ، باب ما جآء فی فضل النکاح)

نکاح میری سنت ہے۔

فقہاءِ کرام نے اسی وجہ سے نکاح کو نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کا مشروع ذریعہ قرار دینے کے بجائے عبادت قرار دیا ہے۔ عبادت بھی ایسی، جو دیگر عبادات میں انفرادی حیثیت رکھتی ہے۔ جلیل القدر فقیہ حضرت علامہ حصکفیؒ نے یہاں تک لکھ دیا کہ

لیسَ لنا عبادۃٌ شُرِعَت من عَھدِ آدمَ الی الاٰن ثم تَستَمِرُّ فی الجنۃِ الا النکاح و الایمان۔

(الدر المختار)

یعنی شریعت کی طرف سے آدم علیہ السلام کے دور سے اب تک اور جنت میں داخلے کے بعد تک جاری رہنے والی عبادت سوائے نکاح اور ایمان کے کوئی مقرر نہیں کی گئی۔

روزہ رکھنا اِتنا اونچا عمل ہے کہ اِس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ خود اپنے آپ کو بطور بدلہ دینے کا اعلان کرتے ہیں۔ البتہ عید کے موقع پر روزہ رکھنے کی ممانعت کر دی گئی اور فرمایا کہ یہ تمہارے کھانے پینے اور منکوحہ سے صحبت کے ایام ہیں۔ ان میں روزہ مت رکھو۔

درج بالا مثالوں سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ حضور ﷺ نے انسانیت کو عبادت کے باب میں وسعت بخشی اور دین و دنیا میں ایک ایسی ہم آہنگی کا تصور دیا، جو انسان کی جائز اور فطری خواہشات کو بھی پورا کرتا اور بندگی کے مقاصد کی تکمیل بھی کرتا ہے۔

آپ ﷺ نے حدودِ شریعت کی حفاظت کے لیے چیزوں کو خلط ملط کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ جن لوگوں نے یہود کے علم میں غور و خوض کا ارادہ کیا، آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ کیا تم لوگ یہود و نصاری کی طرح حیران و سرگرداں ہو؟ میں تمہارے پاس روشن اور صاف (شریعت) لے کر آیا ہوں۔ اگر موسیٰؑ بھی زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ (حجۃ اللہ البالغہ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

آپ ﷺ نے ابتداء میں اپنی احادیث لکھنے سے منع فرما دیا تھا۔ منکرینِ حدیث اس بات کو ذخیرہ حدیث کے مشکوک و ناقابل اعتبار بنانے میں اپنی بڑی مضبوط دلیل سمجھتے

ہیں۔اس منع کی حقیقت کیا تھی؟ علماء نے اس پر تفصیلاً لکھا ہے۔ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ آپ ﷺ کو نزول وحی کی ابتداء میں یہ خطرہ تھا کہ اگر حدیث کو بھی ایسے لکھا جانے لگا، جیسے وحی الٰہی کو چھپٹے پتے وغیرہ پر لکھا جارہا ہے تو دونوں کے خلط ہو جانے کا اندیشہ ہے۔لہٰذا آپ ﷺ نے منع فرما دیا۔بعد ازاں جب صحابہ رضی اللہ عنہم مزاجِ قرآنی سے واقف ہوگئے اور اُن میں کلامِ الٰہی کو کلامِ نبوی ﷺ سے جدا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی تو آپ ﷺ نے تحریر کی اجازت بھی دے دی۔بہرحال ہمیں اس وقت اس بات سے غرض یہ ہے کہ آپ ﷺ نے شرعی حدود کی اس قدر نگرانی فرمائی کہ اپنے کلام (جو بذاتِ خود وحی ہی کی ایک صورت ہے) کو بھی کلامِ الٰہی کے ساتھ خلط نہ ہونے دیا۔غور فرمایئے کہ باقی جگہوں پر آپ ﷺ نے شرعی حدود کا کس قدر اہتمام کیا ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کو حدودِ شریعت کی حفاظت کا کس قدر اہتمام تھا؟ اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایئے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب (براء بن عازب رضی اللہ عنہ) کو آپ ﷺ نے سونے کی دعا تلقین فرمائی:

آمَنْتُ بِکِتابِكَ الذی اَنزلتَ وبنَبِیّكَ الذی أَرسَلتَ

میں ایمان لایا تیری اس کتاب پر جو تو نے نازل کی اور تیرے اس نبی پر جو تو نے بھیجا۔

ان صاحب نے آپ ﷺ کے سامنے یہ دعا یوں پڑھی:

آمَنْتُ بِکِتابِكَ الذی اَنزلتَ و رَسُولِكَ الذی أَرسَلتَ

باقی ساری دعا اسی طرح پڑھی، صرف نبی کی جگہ رسول کا لفظ کہا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

آمَنْتُ بِکِتابِكَ الذی اَنزلتَ و بنَبِیّكَ الذی أَرسَلتَ۔

(صحیح مسلم، کتاب الذکر)

یعنی آپ ﷺ نے رسول کے بجائے نبی پڑھنے کا حکم دیا۔

علماء نے اس کی توجیہ یہ کی کہ نبی اور رسول کا لفظ اگرچہ تقریباً ہم معنی اور نبی کریم ﷺ پر دونوں منطبق ہیں۔ پھر نبی کی جگہ رسول کا لفظ کہنے سے کیوں منع کر دیا؟ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں یہ درج فرمایا ہے کہ اس دعا کے الفاظ توقیفی ہیں، جن کو تاثیر میں بھی خاص دخل ہے۔ توقیفی کا مطلب یہ ہے کہ یہ الفاظ بذریعہ وحی متعین کیے گئے ہیں۔ شارحِ مسلم امام نوویؒ نے بھی اس کو احسن قرار دیا ہے۔ البتہ حاشیہ بخاری میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایک توجیہ یہ بھی نقل کی ہے کہ کلام میں التباس سے بچنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا۔ کیونکہ رسول میں جبرئیل بھی آتے ہیں۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے یہاں ایک نکتہ یہ نکالا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ امورِ شریعت کے سلسلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی نگرانی فرماتے تھے۔ ایک صاحب کو آپ ﷺ نے نماز پڑھتے دیکھا۔ نماز کے بعد وہ صاحب آپ ﷺ کے پاس آئے اور سلام کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وعلیکم السلام، ارجع فصل فانك لم تصل! یعنی سلام کا جواب دے کر ارشاد فرمایا تو واپس لوٹ کر نماز پڑھ، تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ دوبارہ نماز پڑھ کر آئے۔ آپ ﷺ نے پھر وہی ارشاد فرمایا۔ اس طرح تین بار ہوا۔ تیسری یا چوتھی بار وہ صاحب بولے: یارسول اللہ! مجھے سکھلا دیجیے۔ اس پر آپ ﷺ نے انہیں اطمینان سے نماز کے ارکان ادا کرنے کی نصیحت کی۔ کیونکہ یہ صاحب نماز جلدی جلدی ادا کر رہے تھے، جس سے تعدیلِ ارکان رہ جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ)

آپ ﷺ اپنے اصحاب کی تربیت کے لیے بات ٹھہر ٹھہر کر فرماتے اور یوں بھی آتا ہے کہ تین بار ارشاد فرماتے، تاکہ ذہن نشین ہو جائے اور کوئی ابہام نہ رہے۔

(مشکوٰۃ، کتاب العلم)

آپ ﷺ نے اغلوطات (مغالطہ میں ڈالنے والے سوالات) سے بھی منع فرمایا۔

(مشکوٰۃ، کتاب العلم)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مطابق اس کی وجہ یہ تھی کہ اس میں مسئول عنہ کو اذیت میں ڈالنا اور اپنے نفس پر عجب و تفاخر کا اظہار ہے۔ اس سے باریک بینی (تعمّق) کا دروازہ کھلتا ہے۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کے نزدیک درست بات یہ ہے کہ جب تک اجتہاد کی شدید ضرورت نہ پیش آجائے، تب تک سُنے ہوئے حکم کے ظاہر پر توقف کیا جائے۔ (حجۃ اللہ البالغہ، الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

آپ ﷺ حدودِ شریعت کی پاس داری میں کسی کی پرواہ نہ فرماتے تھے۔ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کا واقعہ مشہور ہے۔ جن کے لیے چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا طے ہوئی۔ بعض لوگوں نے چاہا کہ ہاتھ کٹنے سے بچ جائے۔ انہوں نے آپ کے چہیتے اسامہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سفارش کرانا چاہی۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا آپ اللہ کی حدود میں سے ایک حد کی سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ ﷺ نے خطبہ دیا، جس میں ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے قومیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ اگر ان میں کوئی شرافت والا چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کمزور کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹتا۔

(مشکوٰۃ، کتاب الحدود)

چونکہ آپ ﷺ کو شریعت کی حفاظت و امتیاز کی فکر دامن گیر رہتی تھی، لہٰذا خود بھی ایسی چیزوں سے دور رہتے، جن سے اس میں خلل واقع ہو اور امت کو بھی ایسی چیزوں سے دور رہنے کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ کے مجلسی حالات میں لکھا ہے:
آپ ﷺ نے خود کو تین چیزوں سے بچا رکھا تھا۔

1۔ ریا سے، 2۔ کثرتِ کلام سے اور 3۔ بے سود بات سے۔

تین چیزوں سے دوسرے آدمی کو بچا رکھا تھا۔

1۔ کسی کی مذمت نہ فرماتے، 2۔ کسی کو عار نہ دلاتے اور 3۔ کسی کا عیب نہ تلاش کرتے۔ (اسوۂ رسولِ اکرم ﷺ)

نردشیر ایک کھیل ہے، جس میں گھٹلی کو منتخب کر کے کھیلا جاتا ہے۔ اس کی ممانعت حدیثِ پاک میں وارد ہوئی ہے۔ (مشکوٰۃ باب التصاویر)

اس کی وجہ فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ اس کھیل میں انہماک آدمی کو جمعہ اور جماعت سے غافل کر دیتا ہے، لہٰذا سدباب کے طور پر اس سے دور رکھا گیا۔ آپ ﷺ نے حدودِ شریعت کی حفاظت اور حق و باطل میں فرق و امتیاز نمایاں کرنے کے لیے شعائرِ کفار سے بچنے کی تلقین کی۔ جو رسوم و رواج کفار کے ساتھ تشبہ پیدا کریں، آپ ﷺ نے ان سے منع فرمایا۔ یہ انہی ارشادات کی عظمت و برکت تھی، جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فتوحات کے وقت میں مختلف قوموں کے ساتھ اختلاط کے باوجود اسلامی روح کو برقرار رکھنے کی توفیق بخشی۔ درج ذیل ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو حدود شریعت کی حفاظت کا کتنا اہتمام تھا۔

فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس۔

ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپی پر پگڑیاں باندھنے کا ہے۔

(مشکوٰۃ، کتاب اللباس)

خالفوا المشرکین وفّروا اللّحیٰ واحفوا الشوارب

(مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں گھٹاؤ)

(بخاری حدیث:5892)

شرعی حدود کی حفاظت دین حق کو اپنی صحیح صورت میں برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ کیونکہ اسلام ایک ایسا دین ہے، جس نے قیامت تک آنے والے انسانوں کی عالمگیر سطح پر رہنمائی کرنی ہے۔ اس میں اور باطل عقائد وافکار، اقوال وافعال میں امتیاز ہونا ضروری ہے۔ یہ اس خیرِ امت کا امتیاز ہے، جس کے نبی نے نہ صرف خود اس طرف بھرپور توجہ دی، اپنے اسوہ حسنہ سے اصول متعین فرمائے، بلکہ اپنے بعد بھی ہر دور میں ایسے افراد کی خوش خبری دی، جو آپ ﷺ کی اتباع میں یہ فریضہ بجالاتے رہیں گے۔

معجزہ۔ سیرت طیبہ کا ایک اہم باب

نبی کریم، سرکار دوعالم ﷺ کی مبارک زندگی کا ایک نہایت اہم باب "معجزات" کا ہے۔ حدیث اور سیرت کے کم و بیش تمام قدیم و جدید مآخذ آپ ﷺ کے معجزات کا ذکر کرتے ہیں۔ عقلیت پرستی اور مادیت کے زیر اثر تقریباً ایک صدی سے زائد عرصہ خود مسلمانوں میں ایک طبقے کی طرف سے معجزات کی عجیب و غریب تاویل کی گئی ہے۔ یہ صورت حال مغربی ٹیکنالوجی اور سائنس سے حد سے بڑھی ہوئی مرعوبیت کا شاخسانہ ہے۔ یہ طبقہ اسلام کو سائنسی تحقیقات اور مذہب سے عاری مادیت سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش میں اپنے مسلّمہ اصولوں کا انکار کرتا نظر آیا ہے۔ اس طبقے کی سوچ مخلصانہ ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس کا اختیار کردہ لائحہ عمل بالکل غلط ہے۔ ان لوگوں نے معجزات کی تاویل کرتے کرتے معجزات کا کلی یا جزوی انکار کر دیا ہے۔ علمائے محققین نے اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے معجزات کے موضوع پر خوب لکھا ہے اور سیدِ دوعالم ﷺ کی سیرت طیبہ کے اس اہم جزو کو واضح کیا ہے۔ البتہ اُن کتب کا اندازِ تحریر مشکل ہونے کی وجہ سے موجودہ عوام کو دشواری پیش آتی ہے۔ لہٰذا اس اہم موضوع کو آسان انداز میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ آنے والی سطروں میں اسی کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔

معجزہ کا لغوی مفہوم:

"وہ خارقِ عادت چیز، جس کو اللہ تعالیٰ کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر کرے اور دوسرے لوگ وہ کام نہ کر سکیں"۔ (فیروز اللغات المنجد عربی اردو، دارالاشاعت)

معجزہ کا شرعی مفہوم:

عقائد اہل السنت والجماعت کی معروف کتاب "شرح العقائد النسفی" میں معجزہ کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

ھی امر یظھر بخلاف العادۃ علیٰ ید مدعی النبوۃ عند تحدی المنکرین علیٰ وجہ یعجز المنکرین عن الاتیان بمثلہ۔

(شرح العقائد ص135 المیزان)

(یعنی) یہ وہ عادت کے خلاف ہونے والی چیز ہے، جو نبوت کا دعوی کرنے والے کے ہاتھ پر منکرین کے ساتھ معارضے (مقابلے و مباحثے) کے وقت ظاہر ہوتی ہے، اس طرح سے کہ منکرین اس کی مثل لانے سے عاجز ہو جائیں۔

تنبیہ:

یہاں مصنف رحمہ اللہ نے "معارضے" کی قید لگائی ہے۔ البتہ دیگر علماء کی تحریروں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ معجزہ صرف کافروں سے معارضے کے وقت ظاہر ہونے والی خرقِ عادت (Supernatural) کو ہی نہیں کہتے، بلکہ بقول حضرت مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ "کبھی کبھی انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ایسے غیر معمولی واقعات ظاہر ہوتے ہیں، جو انسان کی حیثیت اور طاقت سے بالاتر ہوتے ہیں۔ یعنی نبی کے علاوہ کوئی دوسرا انسان ان کو کر کے نہیں دکھا سکتا۔ ایسے واقعات کو معجزات کہتے ہیں۔"

(دین و شریعت: ص77، ادارہ اسلامیات)

عموماً لوگ معجزہ، کرامت اور استدراج میں فرق نہیں کرتے۔ لہٰذا یہاں ان میں فرق بھی بیان کر دیتے ہیں۔ معجزہ اس خرقِ عادت (Supernatural) کو کہتے ہیں، جو کسی نبی

سے ظاہر ہو۔ کرامت وہ خرقِ عادت ہے، جو کسی ولی سے ظاہر ہو۔ استدراج اس خرقِ عادت کو کہتے ہیں، جو کسی فاسق سے ظاہر ہو۔

معجزہ کی غرض وغایت:

معجزہ کی شرعی تعریف سے معجزہ کی غرض وغایت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ معجزہ کے اظہار کی غرض وغایت یہ ہوتی ہے کہ لوگ نبی کو اپنی نبوت کے دعوے میں سچا جان کر اس پر ایمان لے آئیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی جسمانی بناوٹ، دنیا میں آنے اور بود و باش میں عام انسانوں سے ملتے جلتے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اصلاح وتربیت کے لیے خود بندوں میں سے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا انتخاب کرتے ہیں۔ جن برگزیدہ ہستیوں کو منصبِ نبوت کے لیے چنا جاتا ہے، اُنہیں ایسی باتوں پر مطلع کر دیا جاتا ہے، جنہیں عام انسان اپنی عقل سے نہیں سمجھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان انبیائے علیہم السلام کی تعلیم وتربیت خود فرماتا ہے۔ ان کے دلوں میں اپنی عظمت وبزرگی کو راسخ فرماتا اور انسانیت کی خیر خواہی بھی ڈالتا ہے۔ پھر یہ انبیائے کرام علیہم السلام انسانوں کی تربیت فرماتے ہیں۔

گروہِ انسانی میں جب انسانوں کا ہی ایک فرد یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے اور اسے نبوت کے لیے چنا گیا ہے تو عام انسانوں کو ابتداء میں یہ بات عجیب سی لگتی ہے۔ لیکن نبی ان انسانوں کے سامنے کسی ایسی بات کو ظاہر کرتا ہے، جو ان کے عام معمول و مشاہدے کے بالکل خلاف ہوتی ہے۔ جیسے عام طور پر اگر بغل میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا جائے تو کوئی تغیّر واقع نہیں ہوتا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام بغل میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالتے تو ہاتھ چمک رہا ہوتا۔ روزمرہ زندگی میں ہمارا مشاہدہ ہے کہ آگ جلاتی ہے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کی اس صفت میں تبدیلی آگئی۔ یہ معجزات ہیں،

جن سے انسانوں کو یہ معلوم ہوا کہ ان صاحبوں کی بات بلا دلیل نہیں ہے ان کے پیچھے ایک طاقت ہے، جو کائنات میں جاری قواعد وضوابط کو بدلنے پر قادر ہے۔ یہ طاقت ورنادیدہ ہستی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہے اور پیغمبر اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ پیغمبر اس معجزے کے اظہار میں خدا کے محتاج ہوتے ہیں۔ پیغمبر اپنی ذات سے نظامِ فطرت بدلنے کے دعوے دار نہیں، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ قرار دیتے ہیں۔

معجزہ اور جادو میں فرق:

معجزہ اور جادو میں وہی فرق ہے، جو مشرق اور مغرب، رات اور دن میں ہے۔ معجزہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے ظاہر ہوتا ہے، جن کی پاکیزہ زندگی، عمدہ اخلاق، نفیس عادات اور تقویٰ و طہارت سے آراستہ صبح و شام لوگوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام نبوت کا دعویٰ کرتے تو اپنے آپ کو صاف صاف ایک عاجز بندہ قرار دیتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ارادے کے سامنے بے بس ہے۔ پھر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزوں کی نظیر دنیا کے جادوگروں کے کرتبوں میں نہیں ملتی تھی۔ چنانچہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جادوگروں کو بلایا۔ جادوگروں نے رسیاں پھینکیں تو لوگوں کو سانپ نظر آنے لگے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا (لاٹھی) پھینکا تو وہ ایک دوڑتا ہوا اژدھا بن کر ان سانپوں کو نگلنے لگا۔ اُس وقت جادوگروں کی جماعت نے جان لیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جس خرقِ عادت کو ان پر پیش کیا، وہ جادو ہرگز نہیں، بلکہ وہ ایک سچی طاقت ورذات کے سچے نمائندے ہیں۔ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے برعکس جادوگروں کا خبیث گروہ اپنے جادو کی تاثیر کے لیے غلاظت و گندگی کا سہارا لیتا

ہے۔ جادوگروں کے بُرے اخلاق اور قبیح افعال اس بات کی علامت ہوتے ہیں کہ ان کے جادو، کرتب وغیرہ کو انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزے سے کوئی نسبت نہیں۔

اس کے علاوہ معجزے کا اظہار نبی سے ہوتا ہے، لیکن اس کا اظہار کرنا نبی کے اپنے اختیار میں بھی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ کفار نے رسولِ کریم ﷺ سے فرمائش کی، لیکن آپ ﷺ ان کی فرمائشوں کو اس وجہ سے پورا نہ فرما سکے کہ اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہوا۔ جب کہ جادو اور سحر جادوگر کے تابع ہوتا ہے، وہ جب چاہتا ہے، اسے دکھا دیتا ہے۔

معجزہ مادی اغراض و مقاصد سے بالاتر اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی اور معرفت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا اس کے اظہار سے پیشتر بھی اور بعد میں بھی صاحبِ معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے رہا ہوتا ہے۔ بہت مرتبہ تو معجزہ کی نوعیت بھی ایسی ہوتی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی کسی خاص صفت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ جیسے مردے کو زندہ کرنا، اُمّی (اَن پڑھ) کا ایسا فصیح کلام کرنا، جس سے بڑے بڑے فصحاء عاجز آ جائیں وغیرہ۔ اس کے برعکس جادو میں نہ تو اللہ کی قدرت و طاقت کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے اظہار کا ارادہ کیا جاتا ہے۔

معجزہ کا اثبات قرآن مجید سے:

ہم یہاں قرآنِ پاک کی چند آیات نقل کرتے ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو ایسی نشانیاں دے کر بھیجتے تھے، جن کو وہ اپنے عظیم الشان دعوے کے لیے بطور دلیل پیش کرتے تھے۔ یہی نشانیاں معجزات کہلاتی ہیں:

{وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا} [الإسراء: 59]

اور ہم جو نشانیاں بھیجتے ہیں تو ڈرانے کو۔

{قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً} [الأنعام: 37]

کہہ دیجیے بے شک اللہ تعالیٰ نشانی اتارنے پر قادر ہے۔

{وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ} [الأنعام: 4]

اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی، مگر وہ (کفار) اس سے اعراض کرتے ہیں۔

{أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ} [آل عمران: 49]

بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔

{قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ} [العنکبوت: 50]

آپ کہہ دیجیے کہ نشانیاں اللہ ہی کے پاس ہیں۔

احادیث سے معجزات کا اثبات:

محدثین نے اپنی کتب میں علاماتِ نبوت کے عنوان سے معجزات پر مستقل باب باندھا ہے۔ چونکہ معجزہ نبی کی نبوت کی علامت ہوتا ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کے معجزات کو "علامات النبوۃ" کے تحت جمع کیا گیا ہے۔ ہم آخر میں ان میں سے چند ذکر کریں گے۔

نبی کریم ﷺ کے معجزات کی تعداد:

حضور نبی کریم ﷺ کے معجزات کی صحیح تعداد بیان کرنا مشکل ہے۔ علمائے کرام نے کم و بیش بتائی ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی رہی ہے کہ جن علمائے کرام نے معجزہ کی

اصطلاحی تعریف کے مطابق صرف ان خرقِ عادات کو شمار کیا، جو نبی کریم ﷺ سے دعوائے نبوت کی تصدیق کے لیے ظاہر ہوئے، ان کے نزدیک معجزات کی تعداد کم ہے۔ دوسری طرف جن علمائے کرام نے آپ ﷺ کے دیگر فضائل و کمالات کو بھی معجزہ کی فہرست میں شمار کر لیا، ان کے نزدیک معجزات کی تعداد زیادہ ہو گئی۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے فرمایا: آنحضرت ﷺ کی درخشاں علاماتِ صداقت آپ ﷺ کی بعثت سے قبل اور بعثت کے دوران میں اور آپ ﷺ کی تمام زندگی، بلکہ وفات کے بعد قیامت تک جاری ہیں۔ (ترجمان السنّۃ، بحوالہ الجواب الصحیح)

حافظ ابن تیمیہؒ ہی تحریر فرماتے ہیں کہ علمائے کرام کی ایک جماعت اس کے درپے ہوئی ہے کہ جتنے آپ ﷺ کے معجزات قرآن کریم سے مستفاد ہو سکتے ہیں، تلاش کر کے ان کا صحیح عدد لکھا تو انہوں نے ان کی تعداد دس ہزار سے متجاوز بیان کی ہے۔ بہر حال حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے مطابق جو آیات و براہین قید و ضبط میں حدِ ثبوت کو پہنچ چکی ہیں، ان کی تعداد ایک ہزار سے تین ہزار تک ہے۔ (ترجمان السنہ بحوالہ فتح الباری)

آنحضرت ﷺ کے معجزات کی جامعیت:

رسولِ کریم ﷺ کو قرآنِ پاک کی شکل میں ایسا معجزہ دیا گیا، جس کی نظیر کسی رسول کو دیے جانے والے صحیفے یا وحی میں نہیں ملتی۔ علمائے کرام نے اس کی تصریح کی ہے کہ گزشتہ آسمانی کتابوں میں موجود تمام علوم کو قرآن پاک میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے نبی کریم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ (قرآن) تمام حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزاتِ وحی کا جامع ہے۔ اسی طرح معراج کی رات اللہ تعالیٰ کے قرب کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہونا، تمام انبیاء کی امامت کرنا، کفار کے استفسار پر انہیں بیت المقدس کا نقشہ

ٹھیک ٹھیک بتادینا، یہ سب کچھ بہت سے معجزات کو جمع کیے ہوئے ہے۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مُردے کو زندہ کر دیتے تھے۔ یہ بات بلاشبہ عجیب ہے، لیکن ایک ایسے جسم کو زندگی دینا، جس میں پہلے سے زندگی تھی، اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ ایسے جسم کو زندگی دینا، جس میں کبھی زندگی نہ رہی ہو۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ منبر بننے سے پہلے ایک تنے کا سہارا لے کر خطبہ دیتے تھے۔ جب آپ ﷺ نے منبر بننے کے بعد اس سے سہارا نہ لیا تو اس تنے میں زندگی کے آثار ظاہر ہوئے اور وہ رونے لگا۔ آپ ﷺ نے اسے تسلی دی، تب جا کر وہ خاموش ہوا۔ اس معجزے میں آپ ﷺ کے ذریعے بالکل بے جان چیز کو زندگی عطا ہوئی اور جمادات کی آپ ﷺ سے محبت کا اظہار بھی ہوا۔

(بخاری: کتاب المناقب، حدیث: 3585)

پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ محدثین نے حضورِ انور ﷺ کے معجزات ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے اور اسانید بھی ذکر کی ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کو دیکھ لیجیے۔ بہت سے اکابر محدثین نے اس پر مستقل تصانیف فرمائی ہیں۔ جیسے حافظ بیہقی م 458ھ، طبرانی م 260ھ، ابن الجوزی م 597ھ، المقدسی م 643ھ، ابن قتیبہ رحمہم اللہ۔

ان مصنفین میں سے اکثر نے اپنی کتب کا نام موضوع کی مناسبت سے "دلائل النبوۃ" رکھا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے ان کا خلاصہ اپنی کتاب "الخصائص الکبریٰ" میں کر دیا ہے۔

اردو زبان میں بھی علمائے راسخین نے معجزہ کے موضوع پر مستند مواد جمع کر دیا ہے۔ چونکہ اردو جس تحتی برا عظم میں رائج رہی ہے، انگریزوں کے زیرِ اثر یہاں مذہب بیزاری اور عقلیت پرستی کے فروغ کے لیے بڑی کوششیں کی گئی ہیں۔ انہی کوششوں کے

نتیجے میں یہاں مغرب سے مرعوب ایسا طبقہ پروان چڑھا ہے، جس نے معجزات اور بالآخر احادیث کے ذخیرے کی استنادی حیثیت کو چیلنج کیا ہے۔ نمونے کے طور پر سرسید کی ”تفسیرات احمدیہ“ اور اس پر امداد الفتاویٰ جلد 6 میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی گرفت اور منکرینِ حدیث کے تحریر کردہ لٹریچر کو دیکھا جا سکتا ہے۔ صحیح الفکر علماء نے معجزات پر لکھتے ہوئے ان منکرین معجزات کے دجل و فریب کو بھی بیان کیا ہے۔ اردو میں معجزات کی بحث دیکھنے کے لیے درج ذیل کتب دیکھی جائیں۔

1۔ عقائد الاسلام از مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

2۔ ترجمان السنہ از مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنی رحمہ اللہ

ترجمان السنہ میں سیرت النبی ﷺ از علامہ شبلیؒ/ سید سلیمان ندویؒ کے بعض مندرجات پر گرفت بھی کی گئی ہے۔ ترجمان السنہ میں معجزات کے متعلق سیر حاصل محققانہ بحث ہے۔

3۔ دین و شریعت از مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ۔

آنحضرت ﷺ کے معجزات:

اس مختصر سے مضمون میں رسولِ کریم ﷺ کے تمام معجزات کا استقصا تو ممکن نہیں، اس مقصد کے لیے تو حدیث و سیرت کی مستند کتب، بالخصوص محدث شہیر حضرت مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنی رحمہ اللہ کی بلند پایہ تصنیف ”ترجمان السنہ“ دیکھی جا سکتی ہیں۔ البتہ ہم یہاں مختلف نوعیت کے پانچ معجزات کا ذکر کر دیتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، اُس وقت نمازِ عصر کا وقت آ چکا تھا۔ لوگوں نے وضو کے لیے پانی تلاش کیا تو نہ ملا۔ آپ ﷺ کے سامنے برتن میں

تھوڑا سا پانی لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس برتن میں اپنا مبارک ہاتھ ڈالا اور لوگوں سے فرمایا کہ وضو کریں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی ابل ابل کر نکلتا ہوا دیکھا اور تمام حاضرین نے ایک ایک کر کے وضو کر لیا۔ (صحیح مسلم، 2/245، قدیمی کتب خانہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو جہل بولا کہ کیا محمد (ﷺ) اپنا سر مٹی میں رگڑتے ہیں اور تم کھڑے دیکھتے ہو (یعنی آپ کو سجدہ کرتے دیکھتے ہو) لوگوں نے کہا کہ ایسا تو ہوتا ہے۔ اس پر وہ بولا: لات و عزیٰ کی قسم! اگر میں اس کو ایسا کرتے دیکھ پایا تو میں اس کی گردن رگڑ دوں گا۔ (نعوذ باللہ) ایک مرتبہ جب نبی اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے تو وہ اپنے اسی ارادے سے آگے بڑھا۔ لوگوں نے دیکھا کہ اچانک وہ الٹے پیروں واپس ہو رہا ہے اور کسی چیز سے بچنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا رہا ہے۔ لوگوں نے اس سے پوچھا تو بولا کہ میرے اور آپ ﷺ کے درمیان ایک خندق حائل تھی، جس میں آگ اور طرح طرح کی مخلوق تھی اور ایک مخلوق ایسی بھی تھی، جس کے بازو اور پر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے ذرا قریب آتا تو فرشتے اس کو اچک لیتے اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبد اللہ ابن ہشام رضی اللہ عنہ بازار میں نکلتے تھے۔ ان سے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ ملتے تو یہ دونوں ان سے فرماتے کہ ہم کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیجیے۔ کیونکہ رسول پاک ﷺ نے آپ کے لیے برکت کی دعا فرمائی تھی تو ان کو اتنا نفع ہوتا کہ وہ اپنی اونٹنی سامان سے بھری ہوئی جوں کی توں اپنے گھر واپس کر دیتے۔ (بخاری شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عیسائی مسلمان ہوا اور حضور ﷺ کا کاتب بن گیا۔ پھر دوبارہ عیسائی ہو گیا اور کہتا تھا کہ محمد ﷺ کو انہی باتوں کا علم ہوتا ہے، جو میں ان کے لیے لکھ دیا کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے بد دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو ایسی سزا دیجیے کہ یہ آپ کی قدرت کی نشانی بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی۔ اس کا یہ حال ہوا کہ زمین نے اس کی لاش باہر پھینک دی۔ اس کے بعد لوگوں نے کہا کہ ہو نہ ہو، یہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے۔ چنانچہ عیسائیوں نے دوبارہ اس کی قبر خوب گہری کھودی، لیکن زمین نے صبح کو دوبارہ نکال دیا۔ تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔ تب لوگوں نے سمجھا کہ یہ کام آدمیوں کا نہیں ہے۔ چنانچہ اسے یونہی باہر چھوڑ دیا گیا۔

(بخاری شریف، حدیث:3617)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ کسریٰ ہلاک ہو گا اور پھر کوئی کسریٰ نہیں ہو گا۔ قیصر بھی ضرور ہلاک ہو گا اور پھر دوسرا قیصر نہ ہو گا۔ یقین کرو کہ اس کے خزانے تم لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں لُٹا دو گے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کی پیشن گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھا۔ ہم مکہ مکرمہ کے اطراف میں ایک جگہ گئے تو جو پہاڑ اور درخت ملتا، وہ یہ کہتا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ پر سلام ہو۔ (مشکوۃ ص540 مدینہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب واقعہ معراج میں قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حجر میں کھڑا ہوا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے بیت المقدس کو منکشف کر دیا۔ چنانچہ میں اس کی نشانیاں لوگوں کو بتاتا تھا اور میں اس کی طرف دیکھتا تھا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین:530، مدینہ)

نعت

مدینہ دکھا دے، دِکھا میرے اللہ
کرم کی جدھر ہے گھٹا، میرے اللہ

ہو آقا کی نسبت سدا میرے اللہ
شب و روز یہ ہے دعا میرے اللہ

مدینے کے منظر ہیں کتنے سہانے
مجھے بھی وہ منظر دکھا میرے اللہ

گناہوں کی تاریکیاں دور کر دے
مدینے کی کر دے ضیاء میرے اللہ

بنے میرا مرقد مدینے میں یارب
تو آ جائے کتنا مزہ میرے اللہ

مدینے کی یادوں میں دل ہے تڑپتا
میرے غم کی اب ہو دوا میرے اللہ

شفاعت کا طالب ہے انوؔارِ عاجز
غلامی میں ان کی اٹھا میرے اللہ

ماحولیاتی آلودگی کا سدباب

(تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں)

ہر انسان اپنے آس پاس کے ماحول سے جُڑا ہوتا ہے۔ اردگرد بسنے والے انسان، نباتات، جمادات وغیرہ سے درجہ بدرجہ تعلق ایک فطری امر ہے۔ چونکہ ان سب میں خود انسان ہی وہ مخلوق ہے، جسے خلافتِ ارضی کی ذمہ داری سونپی گئی اور جس کے لیے دیگر کی تخلیق ہوئی۔ لہٰذا انسان اصل ہوا اور باقی اس کے تابع ہیں:

ہنگامۂ آدم سے، ہنگامۂ عالم ہے
سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی

اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام انسان کو انفس و آفاق میں غور و فکر کی ترغیب دیتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں:

{وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ۔وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ} [الذاریات: 20، 21]

اور زمین میں یقین لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اور تمہارے اپنے اندر بھی، کیا تم دیکھتے نہیں۔

{سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ} [فصلت: 53]

ہم عنقریب آفاق میں اور خود ان کی جانوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کو اپنے ارد گرد کے ماحول پر بیدار مغزی کے ساتھ نظر ڈالنی چاہیے۔ لہٰذا ماحولیات کو اسلامی فکر کے ساتھ رابطہ ہے اور اسلام کے نظامِ حیات میں ماحولیات کے تحفظ کو اہمیت حاصل ہے۔

سائنسی اور صنعتی انقلاب کی بدولت زندگی میں بہت سی آسانیاں پیدا ہوئی ہیں۔ البتہ اس کے ساتھ ہی ساتھ ماحول میں بڑھتی ہوئی آلودگی، زہریلے مواد کے اخراج، سبزے کی کمی، سگریٹ اور دیگر نشہ آور اشیاء کے استعمال نے انسانی زندگی کو نئے چیلنجز کا سامنا کرا دیا ہے۔ ان سب خطرات سے نمٹنے کے لیے ماحولیاتی عناصر ہوا، پانی آگ اور مٹی کو صاف رکھنا نہایت ضروری ہے۔

ماحولیاتی آلودگی کی بڑی وجہ درختوں اور سبزے میں کمی کا واقع ہونا ہے۔ سائنسی تحقیقات اس نتیجے پر پہنچ چکی ہیں کہ ہوا میں تازگی برقرار رکھنے کے لیے درختوں کا وجود از حد ضروری ہے۔ درختوں کے ذریعے جہاں نظر کو فرحت حاصل ہوتی ہے، وہیں ان سے فضائی آلودگی ختم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ درختوں سے خارج ہونے والی ہوا اوزون کے غلاف کے ساتھ مل کر سورج کی تیز شعاعوں کو روکتی ہے اور یوں زمین کے درجہ حرارت کو متوازن بناتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے درخت لگانے اور کھیتی اُگانے کی بڑی فضیلت ارشاد فرمائی ہے:

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی مسلمان درخت یا کھیتی لگاتا ہے، پھر اس میں سے کوئی پرندہ یا انسان یا چوپایہ کھاتا ہے تو یہ اس لگانے والے کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے۔
(بخاری کتاب المزارعہ باب فضل الزرع والغرس اذا اکل منہ)

آپ ﷺ نے صدقہ کے فضائل متعدد جگہوں پر ارشاد فرمائے ہیں۔ مثلاً صدقہ اور دعا مصیبت کو ٹال دیتے ہیں۔ پھر قرآنِ کریم میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقات کو پالتا ہے۔ آپ ﷺ نے درخت لگانے کو صدقہ قرار دے کر اس کام کو عبادت بتا

دیا۔ صحابہ کرام میں سے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ خاص اسی نیت سے درخت لگایا کرتے تھے۔

انہی پیغمبرانہ تعلیمات کی روشنی میں فقہائے اسلام نے غیر آباد زمین میں شجر کاری کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ چنانچہ غیر آباد سرکاری زمینوں میں حکومت کی اجازت سے کوئی بھی شخص کاشت کاری کر سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص کسی ایسی زمین کو آباد کرے، جو کسی کی بھی نہ ہو تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔ راوی حضرت عروہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ نے اپنی خلافت میں اسی پر فیصلہ دیا تھا۔

(بخاری، کتاب المزارعہ باب: من احیا ارضا مواتا)

اگر کوئی شخص ایسی زمین کا قبضہ لے کر اسے آباد کرنا چھوڑ دے تو حکومت اُس سے لے کر دوسرے کے حوالے کر دے گی، تاکہ وہ اس میں کھیتی کرے۔ ظاہر ہے کہ ان اقدامات سے ماحولیاتی آلودگی کے تدارک میں بہت مدد ملتی ہے۔

ماحولیاتی آلودگی کی ایک بڑی وجہ خود اپنے ہاتھوں سے پیدا کردہ گندگی ہے۔ اگر گھروں میں کوڑا کرکٹ صاف نہ کیا جائے یا گھر کے سامنے ڈال دیا جائے تو وہ نہ صرف اپنے لیے، بلکہ سبھی اہلِ محلہ کے لیے آلودگی کا سبب ہے۔ نبی ﷺ کی سیرت سے گھروں کو صاف رکھنے کی تعلیم ملتی ہے۔

ایسے ہی راستے میں بول وبراز (پیشاب پاخانہ) کرنے والے کو سخت الفاظ میں ڈانٹا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لعنت کا مستحق بننے سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ لعنت کا مورد بننے والے لوگ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگوں کی گزرگاہ یا سایہ کی جگہوں پر بول وبراز کرتے ہیں۔

(ابوداؤد، کتاب الطھارۃ، باب المواضع التی نھی النبی ﷺ)

غور کیا جائے تو یہاں ایک طرف تو دیگر انسانوں کو ایذا پہنچانے سے بچایا گیا اور دوسری طرف راستوں کی صفائی ستھرائی کا بھی انتظام کر دیا گیا۔اور یہ کیوں نہ ہو کہ آپ ﷺ نے کامل مسلمان قرار ہی ایسے شخص کو دیا ہے، جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔(بخاری)

اسی طرح پانی کو آلودہ کرنے سے روکا گیا:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے اور نہ ہی اس میں غسلِ جنابت کرے۔

(أبو داوٗد، کتاب الطھارۃ، باب لا یَبولنَّ احدُکم فی الماءِ الراکد)

ماحولیاتی آلودگی کے تدارک کی ہی ایک شکل وہ ہے، جسے ہم مُردہ دفن کرنے کی صورت میں دیکھتے ہیں۔فوت ہونے پر مُردے کو جلایا بھی جاسکتا تھا، سمندر کے حوالے بھی کیا جاسکتا تھا اور تہِ خاک بھی دفن کیا جاسکتا تھا۔ہر صاحبِ فہم اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ ان سب میں بہترین طریقہ دفن کرنے کا ہے۔جس میں انسانی جسم کی تکریم بھی ہے اور جو آلودگی سے محفوظ بھی ہے۔نبی ﷺ نے امت کو دفن کرنے اور قبر کے متعلق تعلیم دی اور یوں جسمِ انسانی کے احترام کے پہلو کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ جسمِ انسانی کے اندر طبعی طور پر پیدا ہو جانے والی غلاظتوں اور کثافتوں سے اہلِ زمین کو محفوظ کر دیا گیا۔ڈاکٹر حکیم سید قدرت اللہ قادری اپنی منفرد تصنیف "اسلام اور جدید میڈیکل سائنس" میں رقم طراز ہیں:

ٹیکسٹ بک آف پریونٹیو اینڈ سوشل میڈیسن میں ڈاکٹر سیل نے لکھا ہے کہ روزانہ لاکھوں انسان اس دارِ فانی سے چل بستے ہیں۔ان کے اسبابِ موت میں متعدی امراض بھی شامل ہوتے ہیں: مثلاً ٹائیفائیڈ، اسہال، پیچش، دق اور جذام وغیرہ۔اس لیے عوامی صحت و

عافیت کے نقطہ نظر سے ان کی نعشوں کی تجہیز و تکفین محفوظ اور سائنٹیفک طریقہ پر انجام پانی بے حد اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ تاکہ عوام اس کے مضر اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔

اس کے بعد ڈاکٹر سیل کے حوالے سے ہی مروجہ تمام طریقوں میں سب سے زیادہ آسان، قدرتی اور محفوظ ترین طریقہ دفن کو قرار دینے کے بعد غسلِ میت کی اہمیت بیان کی گئی ہے:

تاکید کی گئی ہے کہ میت کو غسل دینے میں عجلت برتی جائے، تاکہ میت کے قریب کلام پاک پڑھ سکیں۔ اس حکم کی طبی افادیت یہ ہو جاتی ہے کہ نعش کو جراثیم کی آلودگی سے پاک و صاف کر لیا جاتا ہے، تاکہ متعلقین محفوظ ہو سکیں۔ غسلِ میت کے لیے صاف ستھرے تختے کو مزید اچھی طرح دھو کر عود اور لوبان کا جراثیم کُش اور دافعِ تعفّن دیا جاتا ہے، جس کو فیومیگیشن کہا جاتا ہے۔

(اسلام اور جدید میڈیکل سائنس، ص ۳۸۳ تا ۳۸۸، دار المطالعہ)

صنعتی اداروں اور کارخانوں سے اٹھنے والا دھواں کاربن اور دیگر مضر ذرات کا حامل ہوتا ہے۔ ان ذرات کو سانس کے ساتھ اندر کرنے سے پھیپھڑوں میں طرح طرح کی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ اسی طرح سگریٹ کا دھواں ٹی بی، کینسر اور کئی بیماریوں کا باعث ہے۔ ایک حدیث میں رات کے وقت چراغ جلتا رہنے سے منع کیا گیا۔

(ترمذی، ابواب الادب حدیث ۲۸۵۷)

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک چوہا آیا، اس نے چراغ کی بتی کا دھاگا لیا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈال کر چلا گیا، جس سے قالین کا ایک ہتھیلی برابر حصہ جل گیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم سونے لگو تو اپنے چراغ بجھا دو، اس لیے کہ شیطان ان (موذی) چیزوں کو ایسی حرکت پر رہنمائی کرتا ہے، پس وہ تمہیں جلا دیں گی۔

(أبو داؤد، کتاب الادب، حدیث ۵۲۴۷)

اس سے ایک طرف تو آگ لگنے سے حفاظت کا انتظام کیا گیا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ چوہا یا کوئی اور جان دار اس چراغ کے ساتھ کوئی رسی وغیرہ لگا دیں، جس سے گھر میں آگ کا اندیشہ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے دھویں سے حفاظت کا انتظام بھی ہو جاتا ہے، جو آلودگی کا باعث ہو سکتا تھا۔

ماحولیاتی آلودگی کم کرنے میں خوشبو کا بہت اثر ہے۔ خوشبو سے طبیعت میں تازگی اور فرحت محسوس ہوتی ہے۔ اچھی خوشبو سے انسان کو سکون ملتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی پسندیدہ ترین چیزوں میں سے ایک خوشبو ہے۔ آپ ﷺ صبح نیند سے بیدار ہو کر وضو فرمانے کے بعد خوشبو لگاتے تھے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کا ایک سُکہ تھا، جس سے خوشبو لگاتے تھے۔ (ابو داود کتاب الترجل باب ماجآء فی استحباب الطیب)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جسے خوشبو پیش کی جائے، وہ اسے واپس نہ کرے۔ کیونکہ دینے والے پر اس کا دینا بھی آسان ہے۔ (أیضًا، باب فی رد الطیب)

آنحضرت ﷺ نے رستہ صاف رکھنے کو بھی ایمان کی بات قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے بتلائے اور راستے سے تکلیف دِہ چیز ہٹانے کو بھی ایمان ہی کا ایک شعبہ قرار دیا:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں۔ ان میں سب سے اعلیٰ لآالٰہ الا اللہ کا اقرار ہے۔ اور ادنیٰ راستے سے تکلیف دِہ چیز کا ہٹا دینا ہے۔ اور حیا ایمان ہی کا ایک شعبہ ہے۔

(متفق علیہ، مشکوٰۃ کتاب الایمان)

عربی ادب پر بعثتِ محمدی ﷺ کے اثرات

بعثتِ محمدی ﷺ کے عالمگیر اثرات نے زبان و بیان اور ادب کی مختلف جہتوں کو جس گہرائی سے متاثر کیا، اسے سمجھنے کے لیے ظہورِ اسلام سے قبل اور بعد کے عربی و عجمی لٹریچر پر سرسری نظر ڈال لینا بھی کافی ہے۔

نبوت کے عالی شان مقاصد سے واقفیت حاصل کرنا اور پھر ان مقاصد کی تکمیل کے لیے آپ ﷺ کی سیرت پر نظر رکھنا شریعت کے مزاج کی سمجھ عطا کرتی ہے۔ اگر ہمارے سامنے اس وقت مخاطبینِ عرب کی ذہنیت اور نفسیات ہوں تو آپ ﷺ کی دعوت کی اثرانگیزی مزید کھل کر سامنے آتی ہے۔ آپ ﷺ کی دعوت نے محدود سوچ کو وسعت دی۔ پست ہمتی کو بلند ہمتی سے بدلا۔ خالق و مخلوق کے درمیان تعلق کو واضح کر کے مخلوق کو خالق سے قریب کیا۔ پاکیزگیٔ خیال، ضمیرِ پاک اور روشن نظر دی۔ چنانچہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد کے ادب میں ان صفات کو دیکھا جا سکتا ہے۔

جن شعرائے عرب نے زمانہ اسلام نہیں پایا اور زمانۂ جہالت ہی میں مر گئے، انہیں جاہلین کہا جاتا ہے۔ ان کی ذہنی پستی اور محدود خیالی عیاں ہے۔ اگرچہ ان کے ہاں فصیح کلمات، بلیغ فقرے، ندرتِ خیال، واقعات کی تصویر کشی پر قدرت، تشبیہات اور استعاروں کا بر محل استعمال موجود ہے، لیکن خدائی رہنمائی اور پیغمبرانہ تعلیمات کی بصیرت سے محروم یہ ہنرمند اپنی صلاحیتوں کو سیرِ گل اور آشیاں میں صرف کر گئے اور آہ و نالہ کی پرورش نہ کر سکے۔

مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ چمن
نہ سیرِ گل کے لیے ہے نہ آشیاں کے لیے

اس زمانے کی شاعری جنگوں کے واقعات، اپنی شجاعت و دلیری کا ذکر، فخر و غرور، گھوڑوں اور آلاتِ جنگ کی خصوصیات، شراب اور عشق و محبت کے تذکروں سے پُر ہے۔ جنگوں کا ذکر ہوتا تو اپنا دبدبہ قائم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا۔ ان کے لیے شراب اور محبوبہ زندگی کے حسن کی بہار تھی۔ شراب نوشی عربوں میں اس قدر عام ہو چکی کہ زمانۂ جاہلیت میں جن لوگوں نے شراب سے پرہیز کیا، ان کے نام یاد رکھے گئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اسلام لانے سے پہلے اپنے باپ یعنی(عباس رضی اللہ عنہ) سے کم سِنی میں یہ سنا کرتا تھا: "اسقنا کأسا دھاقا" ہمیں شراب کا ایک لبریز پیالا پلا۔ لوگ جمع ہوتے تو شراب نوشی کا دور چلتا۔ سامنے ایک گانے والی فاحشہ عورت گاتی بجاتی۔ یہ لوگ شراب پیتے اور پھر نشے میں مست ہو کر ایسی باتیں کرتے، جن کا قلم پر لانا بھی مشکل ہے۔ ادبِ عربی کی معروف کتاب "المعلقات السبعہ" میں طُرفہ کہتا ہے:

فإنْ تَبْغِنِی فِی حَلقَةِ القَوْمِ تلقَنِی
وَإنْ تَقْتَنصنی فی الْحَوانیت تصْطَدِ

وإنْ یَلْتَقِ الْحَیُّ الْجَمِیعُ تُلاقِنی
إلی ذِرْوَةِ البَیتِ الشَّرِیفِ الْمُصَمَّدِ

نداماىَ بیضٌ کالنّجومِ وَقَیْنَةٌ
تَرُوحُ علینا بین بُرْدٍ وَمُجْسَدِ

ترجمہ: 1۔ پس اگر تُو مجھے لوگوں کے حلقہ میں ڈھونڈے تو پائے گا۔ اور اگر شراب خانوں میں مجھے شکار کرنا چاہے تو شکار کر لے گا۔

2۔ اور اگر قبیلہ فخر کرنے کے لیے جمع ہو تو مجھے حسب و نسب میں سب سے اعلیٰ پائے گا۔

3۔ میری بزمِ مے کے رفیق ستاروں کی طرح گورے چٹے ہیں اور شام کو ہمارے پاس ایک گانے والی آتی ہے، جس پر یمنی چادر اور زعفرانی کپڑے ہوتے ہیں۔

آگے چل کر یہی شاعر کہتا ہے کہ اگر تین باتیں نہ ہوتیں تو مجھے مرنے کی پرواہ نہ ہوتی۔ ایک تو نصیحت کرنے والیوں کا خیال کیے بغیر سرخ و سیاہ رنگ کی شراب پی لینا، دوسرا مدد طلب کرنے والے کی مدد کرنا اور پناہ مانگنے والے کی اعانت، تیسری ابر آلود دن میں بلند خیمہ کے نیچے محبوبہ کے ساتھ رہنا۔ ان تین باتوں نے زندگی کو حسین بنا دیا ہے۔ مرنے سے یہ مزے جاتے رہیں گے۔ لہٰذا میں مرنا نہیں چاہتا۔

وَلَوْلَا ثَلَاثٌ هُنّ من عيشَة الفَتى
وَجَدِّكَ لم أحفِلْ متى قامَ عُوّدى

فَمِنْهُنَّ سَبْقِى العَاذِلاتِ بشَرْبةٍ
كُميتٍ متى ما تُعلَ بالماءِ تُزْبِدِ

وَكَرّى إذا نادى الْمُضافُ مُحَنَّبًا
كَسِيدِ الغَضَا نَبَّهْتَهُ الْمُتَوَرِّدِ

وتقصيرُ يومِ الدَّجنِ والدَّجنُ مُعجِبٌ
ببَهْكَنَةٍ تَحْتَ الطِّرَافِ الْمُعَمَّد

لبید بن ربیعہ عامری بھی زمانہ جاہلیت کے ممتاز شعراء میں سے تھا۔ "المعلقات السبعہ" میں اس کے وہ اشعار بھی محفوظ ہیں، جن میں اس نے اپنی مے نوشی کا تذکرہ بڑی وارفتگی سے کیا ہے۔

بَل أَنتِ لا تَدرينَ كَم مِن لَيلَةٍ
طَلْقٍ لَذيذٍ لَهوُها وَنِدامُها

قَد بِتُّ سامِرَها وَغايَةِ تاجِرٍ
وافَيتُ إِذ رُفِعَت وَعَزَّ مُدامُها

أُغلي السِّباءَ بِكُلِّ أَدكَنَ عاتِقٍ
أَو جَونَةٍ قُدِحَت وَفُضَّ خِتامُها

وَصَبوحِ صافِيَةٍ وَجَذبِ كَرينَةٍ
بِمُوَتَّرٍ تَأتالُهُ إِبهامُها

ترجمہ:

1: بلکہ تو جانتی نہیں کہ کتنی ہی راتیں میرے لیے خوش گوار تھیں اور میں نے ان میں لطف اٹھایا مزے کا اور ہم نوشوں کا۔

2: میں ان کا قصہ گو تھا اور شراب نوشوں کی منزل میں آتا جاتا رہا، جب بلند ہُوا جھنڈا اور اس کی شراب گراں ہوگئی۔

3: میں اور مہنگے داموں خرید تا تھا پرانی خاکی رنگ کی مشک یا خم کو، خرید کر جو پیالوں میں بھری جاتی اور اس کی مہر توڑی جاتی۔

4: کتنی ہی صبحیں ایسی ہیں، میں نے جن میں صاف شراب پی اور سارنگی بجانے والی مغنیہ کے گانے سنے۔

شراب نوشی کے علاوہ ان جاہلی شعراء کے کلام میں اپنی شجاعت اور بہادری کے قصے ملتے ہیں۔ عرب اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کو شرف وافتخار سمجھتے تھے۔

ان جاہلی شعراء کے کلام میں شراب نوشی کے علاوہ جنگی واقعات ملتے ہیں، جس میں شاعر اپنی اور اپنے قبیلے کی تعریف کرتا ہے۔ پڑھنے والا اپنے آپ کو ایک ایسے ماحول میں پاتا ہے، جہاں ذرا ذرا سی بات پر جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔ "حرب بسوس" عربی زبان و ادب میں نحوست کی علامت ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ بسوس نامی عورت جساس بن مُرۃ نامی آدمی کی خالہ تھی۔ اس کی اونٹنی کلیب وائل کی چراگاہ میں گھسی تو کلیب نے اس کے تھن زخمی کر دیے۔ اس پر جساس نے کلیب پر حملہ کر کے اُسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد بنو وائل کے دونوں قبیلوں، بنو بکر و تغلب میں ایسی جنگ چھڑی، جس کے شعلے 40 سال تک بھڑکتے رہے۔ "فند زمانی" ایک جاہلی شاعر تھا، اس نے درج ذیل اشعار کہے تھے، جن میں اپنے قبیلے کی بہادری اور شجاعت کا ذکر ہے۔

ولم یبق سوی العدوا ۔۔۔ نِ دناھم کما دانوا

مشینا مشیة اللیث ۔۔۔ غدا واللیث غضبان

بضرب فیه توھین ۔۔۔ وتخضیع و اقران

وطعن کفم الزق ۔۔۔ غدا والزق ملان

(حماسہ)

ترجمہ: اور جب ظلم وتعدی کے سوا کچھ باقی نہ رہا تو ہم نے بھی ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا، جو انہوں نے ہمارے ساتھ کیا تھا۔

ہم شیر کی چال کی طرح چلے، جو صبح کے وقت جاتے ہیں اس حال میں کہ غضب ناک ہو کر شکار کو جائے۔

تلوار کی اسی ضرب کے ساتھ جس میں ان کو تابع کرنا تھا توہین و تذلیل کر کے۔

اور نیزہ مارنے کے ساتھ جس کے نتیجے میں ان کا خون ایسے بہہ رہا تھا، جیسے بھرے ہوئے مشکیزے کے منہ سے پانی لیتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل جو لڑائیاں ہوئیں، ان میں "حرب فجار" اہم ہے، جو بہت سی جنگوں کا مجموعہ ہے۔ یہ لڑائی قریش اور قبیلہ قیس کے درمیان ہوئی تھی۔ قریش کے عام قبائل نے اس میں حصہ لیا تھا۔ ان سب کے علَم بردار زبیر بن عبد المطلب تھے۔ اس جنگ میں چار دن متواتر لڑائی جاری رہی تھی۔ ان چار دنوں میں سے پہلا "یومِ نخلہ" دوسرا "یومِ سمطہ" تیسرا "یومِ عبثلا" پھر یومِ عکاظ اس کے بعد حریرہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے، لیکن قریش یوم عکاظ میں غالب آ گئے تھے اور فتح یاب ہو گئے تھے۔ عاتکہ بنت عبد المطلب نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی تھیں، وہ یوم عکاظ کا تذکرہ کرتی ہیں۔

سائل بنا فی قومنا ولیکف من شر سماعه

قیسا وما جمعوا لنا فی مجمع باق شناعه

فیه السنور والقنا والکیش ملتمع قناعه

بعکاظ یغشی الناظرین اذاهم لمحوا شعاعه

فیه قتلنا مالکا قسرا وسلمه رعاعه

ومجدلا عنا درنه بالقاع تنهسه صباعه

وطلقنی یشتد بی اجرد مستقدم البرکة کالراکب

(دیوان الحماسہ، باب الحماسہ، ص: 139)

ترجمہ: ہمارے بارے میں ہماری قوم میں آکر پوچھ اور لڑائی کے دیکھنے سے اس کا سن لینا ہی کافی ہے۔

قیس اور ان لوگوں سے پوچھ، جنہیں ہمارے لڑنے کے لیے جمع کیا گیا، ایسے مجمع میں جس کی شناعت (اور قباحت) باقی رہے گی۔

اس مجمع میں زِرہیں اور نیزے اور ایسا سردار تھا، جس کا خَود عکاظ میں چمک رہا تھا۔

جس کی شعاعیں دیکھنے والوں کو خیرہ کرتیں جب وہ اسے دیکھتے۔

اس مجمع میں ہم نے مالک کو قتل کیا زبردستی اور اس کے گھٹیا دوستوں نے اسے چھڑا دیا۔ ہمارے سواروں نے اسے گرایا ہوا چھوڑا چٹیل میدان میں اس حال میں کہ اسے اس میدان کے بجو نوچ رہے تھے۔

بڑی جنگوں کے علاوہ عرب کے صحرا نشیں قبائل میں لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ کسی مرکزی حکومت کے فقدان کے باعث عرب کے جنگجو اور خطرات سے کھیلنے والے لوگوں میں مال مویشی اٹھا کر لے جانے کے واقعات پیش آتے رہتے تھے۔ ان واقعات کو بھی بطور فخر و شجاعت اشعار میں بیان کیا جاتا تھا۔

حارث بن ہمام ایک جاہلی شاعر ہے۔ اس نے ابن زیابہ کی عدم موجودگی میں اس کے اونٹوں پر ڈاکہ ڈالا اور پھر یہ اشعار کہے۔

ایا ابن زیابہ ان طلقنی   لا طلقنی فی النعم العارب

(حماسہ)

ترجمہ: اے ابن زیابہ! اگر تُو مجھے ملے تو مجھے ایسے اونٹوں کے ساتھ نہ ملے گا، جو اپنے مالک سے دور ہوں۔ (کیونکہ میں اونٹ نہیں چراتا) بلکہ تو مجھے گھوڑوں کے ساتھ ملاقات کرے گا۔

تیری ملاقات میرے ساتھ اس حال میں ہو گی کہ کم بالوں والا، ابھرے ہوئے سینے والا گھوڑا مجھے سوار کیے ہو گا اور وہ گھوڑا (سینے کے ابھار اور کشادہ ہونے میں) اپنے سوار کی طرح ہو گا۔

جاہلی شعراء کے کلام میں اپنی عالی حوصلگی، بلند ہمتی، شجاعت، دلیری، عزم و ولولے کی پختگی اور بڑے بڑے خطرات میں کود پڑنے کا موضوع بھی کثرت سے پایا جاتا تھا۔ شاعر کبھی اپنے حسب و نسب پر فخر کرتا ہے اور کبھی اپنی دیگر خصوصیات کو شعر میں ڈھالتا ہے۔ تأبط شرّا ایک جاہلی شاعر ہے۔ اُس کا اصلی نام جابر بن ثابت ہے۔ اس نے بنو قارب کی ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ عورت نے حامی بھر لی اور اپنی قوم سے مشورہ کیا۔ قوم نے کہا کہ ایسے شخص کے ساتھ نکاح کرنے کا کیا فائدہ، جو ہر وقت اپنی جان خطرات میں ڈالے رکھتا ہے۔ چنانچہ جب تأبط شرّا اس عورت کے پاس آیا تو اس عورت نے نکاح سے انکار کر دیا، جس پر تابط شرّا نے یہ اشعار کہے۔

وقالوا لها لاتنكحيه فانه
لاول نصل ان يلاقي مجمعا

فلم ترمن راى فتيلا وحاذرت
تايمها من لابس ليل اروعا

قليل غرار النوم كبر همه
دم الثار اويلقى كميا مسفعا

يماصعه كل يشجع قومه
وما ضربه هام العدا ليشجعا

قلیل ادخار الزاد الا تعلة

فقد نشز الشر سوف والتصق المعا

(حماسہ)

ترجمہ: قوم نے اس عورت سے کہا کہ اس سے نکاح نہ کر، کیونکہ وہ اوّل تیر میں مقتول ہونے والا ہے۔ اس لیے کہ وہ لشکر سے تنہا لڑتا ہے۔ اس عورت نے اپنی رائے کو ذرا اہمیت نہ دی اور ایک شب گرد ہوشیار کی بیوہ بننے سے ڈری۔

وہ ہلکی نیند کم سونے والا ہے، خون کا انتقام اس کا بڑا مقصد ہے، یا یہ بات کہ وہ ایک بہادر جفاکش سے ملے (کہ مقابلہ کرلے)

اُس کے ساتھ ہر وہ شخص لڑتا ہے، جسے اس کی قوم ہمت دلائے (یعنی سردار) اور وہ دشمنوں کی کھوپڑیاں بہادر کہلائے جانے کی وجہ سے نہیں مارتا۔ (بلکہ یہ اس کی سرشت میں داخل ہے)

وہ توشہ بہت کم جمع کرتا ہے، مگر اتنا جس سے دل بہلایا جاسکے۔ چنانچہ اس کی پسلیوں کا نرم حصہ اٹھ گیا ہے اور آنتیں چپک گئیں ہیں۔ (کم خوری عربوں میں بہادری کی علامت تھی)

اس دور کی شاعری میں آلاتِ جنگ، گھوڑوں، نیزوں اور تلواروں وغیرہ کی تعریف میں بھی ایسی مبالغہ آمیزی ملتی ہے، جس میں شاعر اپنا پورا زورِبیان صرف کر دیتا ہے۔ گھوڑے کی تیز رفتاری اور پھرتی، نیز دشمن پر حملے میں تیزی کا بیان بہ کثرت ملتا ہے۔ ایک جاہلی شاعر ابی بن سلمہ اپنے گھوڑے کی مدح کرتے ہوئے کہتا ہے:

وخیل تلا قیتُ ریعانها

بعجلزة جهزى المدخر

جموم الحماء اذا عوقبت
وان نوزقت برزت بالحضر

سبوح اذا اعترضت فى العنان
مروح ململمة كا لحجر

(حماسہ، ص: 94)

ترجمہ: اور کتنے شاہ سوار ہیں کہ میں نے ان کی پہلی صف (کے نقصان کی) تلافی کی اپنے مضبوط گھوڑے کے ذریعے، جس میں تیز رفتاری ذخیرہ شدہ تھی، جو پے در پے دوڑنے والا ہے، جب دوسری بار دوڑایا جائے اور اگر پہلی بار دوڑایا جائے تو تیز دوڑ کا مظاہرہ کرتا ہے۔

وہ مستی میں بھی ایسے دوڑتا ہے، جیسے تیرتا ہو (تو جب صحیح چال چلے تو پھر پوچھو ہی نہیں) ناز سے چلنے والا ہے، پتھر کی طرح ٹھوس اور گھٹے بدن کا ہے۔

المعلقات السبعہ کی بزم سخن کا شاعر، عنترہ کو اس کی سیاہ رنگت کا طعنہ دیا گیا تو عنترہ نے اشعار میں اپنی شجاعت کو بیان کیا۔ اس معلقہ میں عنترہ نے میدن جنگ میں اپنے گھوڑے کی ایسی تصویر کشی کی ہے، گویا حیوان صاہل (گھوڑے) کے بجائے حیوان ناطق (انسان) بنا دیا ہے۔ جب دشمنوں کے تیر گھوڑے کے سینے پر لگتے ہیں تو شاعر مذکور یوں نقشہ کھینچتا ہے۔

مازلت ارميهم ثبغرة نحره
ولبانه حتى تسربل بالدم

فازور من وقع القنا بلبانه
وشكا الى بعبرة وتحمحم

(المعلقات السبع، ص156، قدیمی)

ترجمہ: میں گھوڑے کے سینے میں مارتا رہا، یہاں تک کہ زخمی ہو کر اس کا خون ابل پڑا اور خون سے گھوڑے کا بدن ڈھک گیا۔

تو گھوڑا میری طرف مائل ہوا، اس وجہ سے دشمنوں کے تیروں نے اس کا سینہ زخمی کر دیا تھا اور مجھ سے شکایت کے انداز میں نرمی کے لیے ہنہنایا۔

گھوڑے کے علاوہ اسلحہ، آلات جنگ (تلوار، تیر، نیزہ وغیرہ) کی عمدگی کی خصوصیات کو بھی موضوع بنایا گیا۔ حسیل بن سجع ایک جاہلی شاعر ہے۔ بنو ضبہ نے بنو عامر پر غارت گری کی اور ان کے اونٹ لے گئے۔ بنو عامر نے ان کا پیچھا کیا اور اُنہیں آلیا۔ شاعر نے نیزوں اور تیروں کے ذریعے بنو عامر کو روکا۔ شاعر اپنی اس بہادری کا ذکر کرتے ہوئے اپنے اسلحے کی تعریف بھی کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ؎

بمطرد لدن صحاح کعوبه
وذی رونق عضب یقد القوالسا

وبیضاء من نسج ابن داؤدنثرة
تخیرتها یوم اللقاء الملابسا

وحرمیة منسوجة و سلاجم
خفاف تر عن حدها السم قالسا

(حماسہ، ص: 96، مکتبہ علوم اسلامیہ)

ترجمہ: (میں نے ان کو ڈرایا) ایسے سیدھے نیزے سے جو لچک دار اور درست بندوں والا تھا اور ایسی چمک دار تلوار سے، جو خودوں کو لمبائی میں کاٹتی ہے۔

اور ایسی سفید تنگ حلقوں والی مضبوط کشادہ زِرہ سے، جو داؤد علیہ السلام کی بنائی ہوئی تھی۔ جنگ کے دن میں نے اسے تمام لباسوں میں پسند کیا (اختیار کیا)۔

اور درخت حرم کی منسوب کمانوں سے اور لمبے ہلکے تیروں سے جن کی دھار سے بہتا ہوا زہر تو دیکھے گا (یعنی کسی کو لگیں تو بچ نہ سکے)۔

زمانۂ جاہلیت کے عربی شعراء کے کلام میں محبوب کا ذکر اور تشبیب کے اشعار بھی ملتے ہیں۔ شاعر اپنے کلام کے آغاز میں عورتوں کا تذکرہ کرتے ہیں، جسے تشبیب کہتے ہیں۔ گویا یہ ایک تمہید ہوئی، جس میں شاعر اپنے قلبی جذبات کا کچھ اظہار کر لیتے اور پھر اس کے بعد موضوع پلٹ جاتا۔ تشبیب کے ان بتدائی اشعار کے ذریعے شاعر کلام سننے، پڑھنے والوں میں رقّت پیدا کر کے اپنی طرف متوجہ کرتا تھا۔ تشبیب کے اشعار کلامِ عرب میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ عرب صحرا نشین اور کوبہ کو پھرنے والے لوگ تھے۔ موسم کے ساتھ ساتھ نقل مکانی کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ یہ بادیہ نشین کسی جگہ ٹھہرتے تو وہاں محبت کی داستانیں بھی شروع ہوتیں، لیکن کچھ عرصے بعد وہاں سے منتقل ہوتے تو پھر فاصلے بڑھ جاتے۔ کچھ عرصے بعد جب دوبارہ وہیں سے گزرنا ہوتا تو یادیں تازہ ہو جاتیں اور یہ وہ وقت ہوتا جب دلیر اور جنگجو عرب شاعر کے لہجے میں شکستگی کے آثار نمایاں ہو جاتے۔ عنترہ بن شداد کو بنی عبث کے ایک شخص نے شعر نہ کہہ سکنے کا طعنہ دیا تو عنترہ نے شرف معانی اور حسن الفاظ پر مشتمل معلقہ کہا۔ اس کے شروع میں عبلہ نامی محبوبہ کے فراق میں کہے گئے اشعار ہیں۔ شاعر عبلہ کے ساتھ گزرے ایام یاد کرتے ہوئے افسردہ نظر آتا ہے:

یا دار عبلہ بالجوار تکلمی

وعمی صباحا دار عبلہ واسلمی

(المعلقات السبع، ص 141، قدیمی)

ترجمہ: اے میرے محبوب کے گھر مجھ سے بات کر اور اپنے اہل کی خبر بیان کر تیری صبح خوشگور ہو اور تو سلامت رہے اے مکان حبیب!

مشہور جاہلی شاعر امرؤالقیس کا یہ شعر بھی اسی منظر کی عکاسی کرتا ہے:

قفا نبك من ذكری حبيب ومنزل

بسقط اللوی بين الدخول فحومل

(المعلقات السبع)

اے دونوں رفیقو! ٹھہرو، اس محبوب کے اور اس کے گھر کے ذکر پر رونے میں میری مدد کرو جو مجھ سے جدا ہو گیا، اس کا گھر دخول اور حومل کے درمیان ریگزار کی بلندی پر واقع تھا۔

زہیر بن ابی سلمی المزنی کا گزر بھی سال بعد ایسی جگہ سے ہوتا ہے تو عہد رفتہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور دلی کیفیات اشعار بن کر ظاہر ہو جاتی ہیں:

امن ام اوفی دمنة لم تكلم

بحومانة الدراج المتثلم

(المعلقات السبع)

کیا ام اوفیٰ (محبوبہ) کے رہنے کی جگہ جو حومانہ الدراج اور متثلم کے متعلق ہیں جواب نہیں دیں گی۔

ان جاہلی شعراء کے کلام میں فراق ووصال اور واردات محبت کے بیان میں ایسے مواقع بھی آجاتے ہیں جہاں شرافتِ انسانی اور تہذیب واخلاق کی حدیں پامال ہو جاتی ہیں۔یہی حال اس وقت نظر آتا ہے جب کسی کی ہجو کی جاتی ہے۔پیچھے ہم لکھ آئے ہیں کہ

اس زمانے کی مجالس میں دورِ جام چلنے کا رواج عام تھا۔ مغنیہ گاتی بجاتی اور لوگ نشے میں مست ہو کر واہی تباہی بکتے۔ بعد میں ان مجالس کا ذکر اور شراب کی لذت کو شعراء اپنے کلام میں بھی بیان کرتے۔

آسمانی ہدایات سے محروم ہونے کی وجہ سے یہ لوگ کسی خاص ضابطۂ اخلاق کے پابند نہ تھے۔ بلکہ الفاظ کے حسنِ انتخاب، معنی کی جدت، استعارہ اور تشبیہ کی خاطر ناشائستہ اور قبیح مضامین باندھے جاتے تھے۔ قدیم عربی ادب کا معروف شاعر امرؤالقیس جس کے اشعار بطور استشہاد پیش کیے جاتے ہیں اپنی عربی مہارت اور شعری ملکہ میں مسلم ہے۔ سبعہ معلقہ کا پہلا شاعر امرؤالقیس ہے۔ اس معلقہ میں امرؤالقیس نے محبوبہ کے حسن وجمال اور پھر شاعر کے ساتھ نکلنے کے ذکر کی منظر کشی میں اپنا پورا زورِ بیان صرف کیا ہے۔ اور اس تضییع اوقات نے ایک نمونہ عبرت قائم کیا ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ذہین اور سریع الاثر نیز قوی الاستعداد لوگ پیغمبرانہ تعلیمات سے محروم رہیں تو بے مقصد اور لایعنی مشاغل کو اصلی سمجھ بیٹھتے ہیں۔

بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل کی عرب شاعری پر ابھی تک ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ شاعری اکثر وبیشتر ان موضوعات کو شامل تھی جو جنگوں اور لوٹ مار کے واقعات، لڑائی میں اپنی اور اپنے قبیلے کی شجاعت ولیری کے تذکرے، آلاتِ جنگ (گھوڑے، تلوار، نیزے تیر وغیرہ) سے متعلق نادر مضامین، مدح وہجو، شراب، عورت وغیرہ سے متعلق ہیں۔ البتہ ان موضوعات سے ہٹ کر بعض مرتبہ موسم اور صحرا کی شاعرانہ منظر کشی بھی کی گئ ہے، نیز حکیمانہ اشعار بھی کہے گئے۔ مثلاً سموال بن عادیہ کے یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:۔

اذا المرءُ لم یدنس من اللؤم عِرضه

فکل رداء یرتدیه جمیلُ

وان ھولم یحمل علی النفس خیما

فلیس الی حسن الثناء سبیلُ

(حماسہ،ص:21)

ترجمہ: جب آدمی کی اپنی عزت بخل سے میلی نہ ہو تو وہ جو چادر بھی اوڑھے خوب صورت ہے۔

اور اگر وہ نفس پر (خرچ کرنے کی مشقت کا) ظلم نہ اٹھاتے تو اچھی تعریف کی طرف کوئی راستہ نہ ہوتا۔

طرفہ بن معبد اپنے عم زاد سے شکوہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

وظلم ذوالقربی اشد مصاضة

علی المرء من وقع الحسام الھندی

(المعلقات السبع،ص69،قدیمی)

یعنی اقرباء کی طرف سے کی جانے والی زیادتی غم وغصے کے بھڑکنے میں (تیز) ہندی تلوار سے بھی زیادہ تاثیر رکھتی ہے۔

جاہلی ادب میں مرثیہ نگاری ایک مستقل صنف ہے۔ مرثیے کے ان اشعار میں شاعر اپنا قلب و جگر کھول کے رکھ دیتا ہے۔ اس کے ضمن میں بڑے سبق آموز اشعار بھی آجاتے ہیں۔ "دیوانِ حماسہ" میں مراثی کا ایک مستقل باب ہے، جس میں اس کے نمونے موجود ہیں۔

جاہلی شعر کے مختلف گوشوں پر نظر کرنے کے بعد ہم دیکھیں گے کہ حضور ﷺ کی بعثت سے اس دور کے ادب میں کیا تبدیلی رونما ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کا وہ دور انتہائی بھیانک رہا ہے، جب انسانیت کسی نبی کی سیرت و تعلیمات سے محروم رہی ہے۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے آسمانوں پر جانے کے بعد سے لے کر خاتم النبیین ﷺ کی بعثت تک کا درمیانی حصہ کم و بیش 570 سال ہے۔ اس عرصے میں انسانیت پستی کی ان گہرائیوں میں جاپڑی تھی، جہاں سے نکالنے کے لیے امام الانبیاء ﷺ کی دعوتِ اصلاح کے علاوہ چارہ کار نہ تھا۔ دم توڑتی شرافت، سسکتی انسانیت اور دل و دماغ پر ڈیرہ بسائی مادیت ایک کریم ہستی کی منتظر تھی، جو معرفتِ الٰہی کے جام پلا کر تشنگی دور کرے اور خدا پرستی اور خدا طلبی کے لیے تیار کر کے انسانیت کو عزت کی چوٹیوں تک پہنچادے۔

پوری دنیا بالعموم خدا اور آخرت سے غافل تھی۔ جو مذاہب آسمانی وحی سے منسوب تھے مثلاً یہودیت، نصرانیت وغیرہ ان میں تحریف ہو چکی تھی۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا جارہا تھا۔ مخلوق ایک بڑی تعداد میں خود تراشیدہ بتوں کو پوج رہی تھی۔ ایک اور طبقہ بڑی تعداد میں تھا جو اجرامِ فلکیہ، سورج، چاند، ستاروں کو پوج رہا تھا۔ نیز قسم ہا قسم کے عقائدِ فاسدہ اور اوہامِ باطلہ نے اذہان کو پست اور ظرف کو تنگ کر دیا تھا۔ کسی پیغمبرانہ تعلیم کی رہنمائی نہ ہونے کی وجہ سے ضابطہ اخلاق اور تہذیبی شعور کا فقدان تھا۔ اخلاق وہی اخلاق تھے جن کو ان کے ذہنوں نے تسلیم کیا تھا۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ جنگیں، لوٹ مار، مدح و ہجو میں مبالغہ، شراب نوشی، عورت کے وقار کا فقدان وغیرہ سب اسی وجہ سے تھا کہ کوئی متعین ضابطۂ اخلاق نہ تھا۔ اس سب کا اثر اس دور کے عالمی ادب پر دیکھا جاسکتا ہے۔ عربی

معاشرے کا حال تو اوپر تفصیل سے لکھا جا چکا ہے، لیکن عجمی شعر و ادب کی جھلک فردوسی کے شاہنامہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے مقاصدِ بعثت قرآن کریم میں تین تھے:

1۔ تلاوتِ آیات 2۔ تزکیہ 3۔ تعلیم کتاب و حکمت

آپ ﷺ نے ان مقاصد کو اعلی درجے میں پورا کیا۔ آپ ﷺ کے ذریعے فکر و نظر میں ایسی تبدیلی واقع ہوئی جس کی مثال تاریخ انسانیت پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ہمارے موضوع کا دائرہ کار چونکہ عربی ادب بلکہ شاعری ہے، لہٰذا ہم اسی پر مرکوز کرتے ہیں۔ بطور مقدمہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ شاعری کے متعلق اسلام کا نظریہ کیا ہے؟ امید ہے اس مقدمے کو سمجھنے کے بعد 'ادب برائے ادب' اور 'ادب برائے زندگی' کی قدیم فکری بحث میں اسلامی نقطہ نظر بھی واضح ہو جائے گا۔ قرآنِ حکیم میں شعراء نامی ایک پوری سورت ہے۔ جس میں شاعر اور شاعری کا اسلامی نظریہ موجود ہے۔ ارشادِ باری تعالٰی:

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ (224) أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ (225) وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ (226) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

(الشعراء)

ترجمہ: رہے شاعر لوگ، تو اُن کے پیچھے تو بے راہ لوگ چلتے ہیں (224) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں؟ (225) اور یہ کہ وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں (226) ہاں مگر وہ لوگ مستثنٰی ہیں جو ایمان لائے، اور انھوں نے نیک عمل کیے، اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا، اور اپنے اُوپر ظلم ہونے کے بعد اُس کا بدلہ لیا۔ اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب پتہ چل جائے گا کہ وہ کس انجام کی طرف پلٹ رہے ہیں (227)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں شعر گوئی کو مطلوبہ اوصاف کے ساتھ مربوط کر دیا گیا ہے۔ اگر شاعر اور شعر ان اوصاف کے ساتھ متصف ہیں تو شاعری نہ صرف جائز بلکہ بعض اوقات تو باعثِ اجر و ثواب بن جائے گی۔ زمانۂ جاہلیت سے لے کر آج تک شعراء کے ہاں یہ طریقہ عام طور پر جاری ہے کہ جس مضمون کو باندھتے ہیں اس کے لیے پوری قوتِ خیال صرف کر دیتے ہیں۔ کسی کی مدح کریں گے تو آسمان پر چڑھا دیں گے اور ذم کریں گے تو مٹی میں ملا دیں گے۔ حکیمانہ اشعار کہیں گے تو عارف کہلائیں گے، لیکن مل کے دیکھو تو ندارد۔ ایسے شعراء جب نورِ ہدایت سے بھی محروم ہوں جیسے عرب تھے تو پھر ان کا تخیل جس وادی میں بھی پرواز کرے کوئی عجب نہیں۔ سو ایسے شاعروں کی قرآن پاک میں مذمت کی گئی ہے۔ اس کے برعکس ایمان و اعمال صالحہ سے مزین شاعر جن کے کلام میں حمد باری یا نعتِ رسول مقبول ﷺ کے اشعار ہوں، نیکی کی ترغیب، کفر و فسق سے نفرت ہو، اللہ کی یاد ہو، اہلِ اسلام کی مدافعت و نصرت میں کہے گئے اشعار ہوں تو ایسے شاعر اوپر ذکر کردہ شعراء کی صف میں شامل نہیں۔ ان کی شاعری تو بعض دفعہ اجر و ثواب کا ذریعہ ہوتی ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے جب توحید و رسالت کی دعوت دی تو جن خوش بخت حضرات نے آپ ﷺ کی دعوت کو مان لیا ان میں متعدد شعراء اور بلغاء بھی شامل تھے۔ شاعری اور فصاحت و بلاغت یوں تو عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی لیکن بعض لوگ ایسے تھے جو فنِ شاعری و خطابت میں ممتاز تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی صحبت و تربیت سے ان کی فکر و نظر میں انقلاب بپا ہوا تو اب ان کی شاعری اللہ تعالٰی کی عظمت و کبریائی کے تذکروں اکرم ﷺ کی نعت و حمایت، مسلمانوں کی مدافعت، جہاد کا ذوق و شوق بڑھانے

والے موضوعات، دنیا کی بے ثباتی، آخرت کی تیاری، نیز عقل و دانش کو مثبت سمت میں مہمیز دینے والے موضوعات کو سمیٹنے لگی تھی۔

یہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا فیضان ہے جس نے نہ صرف عربی ادب کو مقصدیت و بلند نظری عطا کی، بلکہ فارسی، ترکی، اردو، ہندی، بنگالی، انگریزی اور نہ جانے کتنی زبانوں کو پاکیزہ ذوق رکھنے والے شاعر و ادیب دیے:۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا، فروغ وادی سینا

بعثتِ محمدی ﷺ کے بعد حلقہ بگوشان اسلام کے ذریعے عربی شاعری کے ذخیرے میں جو اضافہ ہوا وہ ایک گہری تاثیر رکھنے والے انقلاب کا پتہ دیتا ہے۔ حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ شاعر تھے۔ خیبر کے غزوہ میں شہید ہوئے۔ ان کی شہادت اس طرح ہوئی کہ جب مقابلہ کے لیے قوم صف آراء ہوئی تو حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ایک یہودی تھا۔ آپ نے اس پر تلوار کا وار کیا لیکن آپ کی تلوار چھوٹی تھی۔ آپ نے یہودی کی پنڈلی پر وار کرنا چاہا تو اس کی دھار پلٹ کر آپ رضی اللہ عنہ کے گھٹنے سے آلگی، جس پر آپ کا انتقال ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عامر کے لیے دوہرا اجر ہے۔ تو حضرت عامر بن الاکوع سے خیبر کی طرف جاتے ہوئے لوگوں نے فرمائش کی کہ ہمیں رجزیہ اشعار سنائیں۔ آپ نے مندرجہ ذیل اشعار میں اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ ایہ اشعار اس باطنی کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں جو رسولِ کریم ﷺ کے ذریعے انہیں نصیب ہوئے تھے:۔

اللھم لو لا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

فاغفر فداءً لك ما ابقينا وثبت الاقدام ان لاقينا

والقين سكينة علينا انا اذا صيح بنا اتينا

وبالصباح عولوا علينا

(بخاری، باب غزوۃ خیبر)

ترجمہ: اے اللہ! اگر تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ ہم صدقہ کرتے نہ ہم نماز پڑھتے۔ پس جو گناہ ہم نے پیچھے چھوڑ دیے ہیں وہ معاف فرمادے۔ ہماری جانیں تیری رضا کے لیے قربان ہیں اور دشمنوں سے مڈبھیڑ کے وقت ہمارے قدم جما۔ اور ہم پر سکینہ نازل فرما۔ جب کوئی مدد کے لیے ہمیں چیخ پکارے گا تو ہم آجائیں گے۔ ان کافروں نے شور مچا کر ہمارے مقابلے میں مدد طلب کی ہے۔

یہی وہ مبارک جذبات تھے جو تہذیب وتمدن سے ناآشنا لوگوں کو بعثتِ محمدی ﷺ کے ذریعے سے ملے تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی مجلسِ مبارک کا خاص شاعر ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے اشعار میں ﷺ کی مدح فرماتے، مسلمانوں کی مدافعت اور کفار کی ہجو کرتے۔ اہلِ اسلام کو آپ کے ذریعے تقویت پہنچتی تھی اور کفار کے حوصلے پست ہوتے تھے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا: اللھم أیّدہ بروح القدس یعنی اے اللہ! جبرئیل کے ذریعے اس کی مدد فرما۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا دیوان شرح کے ساتھ برقوقی نے ترتیب دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عربی ادب کی تاریخ میں حسان رضی اللہ عنہ کی شاعری مستقل باب ہے۔

ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب آپ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔ شاعر تھے اور اشعار میں آپ ﷺ کی ہجو کرتے تھے (نعوذ باللہ)۔ بعد میں فتحِ مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور صحابیت کا شرف حاصل کیا۔ ایک مرتبہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ ابو سفیان جو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو اشعار کے ذریعے اذیت پہنچاتا ہے میں اس کو جواب دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت دے دی تاہم پہلے آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: میری ابو سفیان بن حارث کے ساتھ رشتہ داری ہے۔ اس کا کیا کرو گے؟ یہ آپ ﷺ نے اس لیے فرمایا کہ ہجو کرنے میں (معاذ اللہ) کہیں آپ ﷺ کے بڑوں کی تنقیص نہ ہو جائے۔ تو گویا آپ ﷺ کی تنقیص ہوئی۔ (وجہ یہ ہے کہ ابو سفیان بن حارث اور رسول اللہ ﷺ کے دادا عبد المطلب تھے) حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آپ کے نسب کو ہجو سے ایسے بچا کے رکھوں گا جیسے آٹے میں سے بال نکالا جائے تو اس پر آٹے کا کوئی اثر نہیں رہتا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ہجو کہی اور واقعی ایسی کہی کہ بے ادبی کا شائبہ بھی نہ آنے دیا۔ یہ اشعار بخاری و مسلم میں موجود ہیں اور ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

وان سنام المجد من آل هاشم   بنو بنت مخزوم، ووالدك العبد

بے شک آلِ ہاشم میں بزرگی کی بلندی بنی بنت مخزوم کو حاصل ہے اور اے ابو سفیان! تیرا باپ غلام تھا۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ابو سفیان بن حارث کے دادھیال سے تعارض کرنے کے بجائے ننھیال سے تعارض کیا۔ ابو سفیان کی نانی سمیّہ کا باپ موھب تھا جو بنی عبد

مناف کا غلام تھا۔ جب کہ آپ ﷺ کے دادھیال اور ننھیال میں سب آزاد تھے۔ بنی مخزوم کہنے کی وجہ آپ ﷺ کی دادی فاطمہ بنت مخزوم کی طرف اشارہ ہے۔

تکملہ فتح الملھم میں دیوان حسان بن ثابت کی شرح برقوقی کے حوالے سے مزید اشعار بھی درج ہیں۔ ان میں سے چند اشعار مزید لکھے جاتے ہیں: ؎

لقد علمَ الاقوامُ ان ابنَ هاشم

هوالغصن ذوالافنان لاالواحد الوغد

ومالك فيهم محتد يعرفونه

فدونك فالصق، مالصق القُرُد

وما ولدت افناء زهرة منكم

كريما، ولم يقرب عجائزك العبد

(کشف الباری، ص: 357، فاروقیہ، وتکملہ فتح الملہم، 5/247 دارالعلوم)

ایک اور موقع پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد فرمانے پر قریش کی ہجو کی۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے حضرت حسان کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے قریش اور اپنے نسب کی تحقیق کا فرمایا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر رسولِ پاک ﷺ کی طرف سے قریش کو ان کی بدزبانی کا جواب دیا۔ اس قصیدے میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے اپنے قلبی تعلق اور عقیدت ومحبت کا جس شاندار انداز میں اظہار کیا ہے وہ آج بھی ہمارے لیے سرمۂ بصیرت ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اسے درج کیا ہے۔ حدیث کی راویہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ ہیں: ”ھجاھم حسان فشفی واشتفی“ یعنی حسان نے ان کی قریش کی ہجو

کی جس سے دیگر مسلمانوں اور خود حسان کو بھی تندرستی ہوئی۔ذیل میں اس قصیدے کے چند اشعار لکھے جاتے ہیں: ؎

هجوتَ محمدا فاجبت عنه وعند الله فی ذالك الجزاء

تو نے محمد ﷺ کی برائی کی تو میں نے ان کی طرف سے جواب دیا اور اس کا بدلہ اللہ جل جلالہ کے پاس ہے۔

هجوتَ محمدًا برًاتقيا رسول الله شيمته الوفاء

تو نے نیک پرہیز گار محمد (ﷺ) کی ہجو کی، جو اللہ کے رسول ہیں اور ان کے اخلاق میں عہد کو پورا کرنا ہے۔

فان ابی ووالده وعرضی لعرض محمد منكم وفاء

پس بے شک میرے والد، دادا اور میری آبرو، تم لوگوں سے محمد ﷺ کی ناموس کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔

فمن يهجوا رسولَ الله منكم ويمدحه وينصره سواء

تو جو بھی تم میں سے رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرے گا تو رسول اللہ ﷺ عزت وشرف کی ان بلندیوں پر ہیں کہ اس کی ہجو، مدح یا نصرت آپ ﷺ کے لیے یکساں ہیں۔(آپ ﷺ کی شان میں کمی زیادتی نہیں لا سکتیں)۔

وجبريلٌ رسولُ اللهِ فينا وروحُ القدس ليسَ له كفاء

اور جبرئیل ہم میں اللہ کے نمائندے ہیں اور پاک روح ان کی کوئی مثال نہیں۔

(مسلم، باب من فضائل حسان)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدح میں کہے گئے اشعار میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ اور آپ کے آل سے اسی جانثاری اور عقیدت کا اظہار یوں کیا ہے:۔

وکیف وودی ماحییت ونصرتی   لآل رسول اللہ زین المحافل

اور میں (نامناسب بات) کیسے کہہ سکتا ہوں جب کہ میری چاہت ہے کہ میں ساری زندگی رسول اللہ ﷺ کے متعلقین کی نصرت کرتا رہوں، جو محفلوں کی زینت ہیں۔

ان کے علاوہ بھی متعدد مواقع پر سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے شعر کے ذریعے مسلمانوں کو تقویت پہنچائی اور رسول پاک ﷺ کی نصرت فرمائی۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا دیوان برقوقی کی شرح کے ساتھ طبع ہے اور عربی شعر وادب کا گنج گراں مایہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے 60 سال جاہلیت میں گزارے اور 60 سال اسلام میں۔ گویا آپ مخضرمی ہیں جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا۔ اس لحاظ سے بعثتِ محمدی ﷺ کے عربی شعر وادب پر اثرات سمجھنے میں آپ رضی اللہ عنہ کی شاعری اساسی کردار ادا کرتی ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی نعتیہ شاعری اہل ذوق کے لیے آتشِ شوق بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ دنیا بھر میں کہی جانے والی شاعری آپ کی مرہون منت ہے۔ عشقِ نبی ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ سے وہ لافانی اشعار کہلوائے جن کی بازگشت دنیائے ادب میں قیامت تک کے لیے محسوس کی جاتی رہے گی۔

واحسن منك لم تَرَ قطُّ عینی

واجمل منك لم تَلدِ النساءُ

خُلِقتَ مبرأً من کل عیبٍ

کانك قد خُلِقتَ کما تشاء

آپ ﷺ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا۔ اور آپ سے زیادہ خوب صورت کسی عورت نے پیدا نہیں کیا۔ آپ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسا آپ نے چاہا آپ کو پیدا کیا گیا۔

ہم پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ بعثت سے قبل کی شاعری میں ذات اور قبیلے کے لیے تفاخر و تعلّی کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ کسی وقت ترقی کر کے یہ جذبات ایسی جاہلانہ حمیت بن جاتے ہیں جو جان دے دینے پر آمادہ کر دیتی ہے۔ اظہارِ شجاعت اور برتری قائم کرنے کے لیے یہ لوگ جان قربان کرنے کو آمادہ نظر آتے ہیں۔ جب آپ ﷺ کے ذریعے ان جذبات کی اصلاح ہوئی تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کو ماسوا پر مقدم کرتے نظر آتے ہیں۔ پہلے وہ فخر و مباہات پر جان دینے کے لیے تیار تھے تو اب اللہ کی رضا کے لیے جان دینا سعادت عظمیٰ سمجھتے ہیں۔ ان کی شاعری اب ان جذبات کی خوشبو سے مہکتی ہے۔ جنگ کے موقع پر کہے گئے ان حضرات کے اشعار اسی اندرونی صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہیں۔

بخاری شریف میں غزوۂ رجیع کے تحت سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ لکھا ہے۔ کفار نے انہیں گرفتار کر لیا تھا اور مکہ مکرمہ لے آئے تھے۔ جس وقت آپ کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر لے کر نکلے تو آپ نے دو رکعات پڑھیں، پھر ان لوگوں کے لیے بددعا کی، اے اللہ! ان سب کو گن گن کر شمار کر۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے وہ تاریخی اشعار کہے جو آج بھی لہو کو گرماتے ہیں۔

ولستُ أبالی حین أُقْتَلُ مسلما

علی ای شقٍّ کان للہ مَصْرَعی

وذالك في ذات الاله وان يشا

يُبارك على اوصالِ شلوٍ ممزّعِ

(بخاریِ رحمانیہ، وکشف الباری، کتاب المغازی 258)

ترجمہ: اگر مسلمان ہونے کی حالت میں مجھے قتل کیا جارہا ہے تو مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں کس کروٹ اللہ تعالیٰ کے واسطے زمین پر گر رہا ہوں۔ یہ سب کچھ اللہ کی ذات کے واسطے ہورہا ہے اور اگر وہ چاہے تو کٹے ہوئے جسم کے ٹکڑوں میں برکت ڈال سکتے ہیں۔

جنگ موتہ کے موقع پر سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ ﷺ رخصت کرنے لگے تو آپ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا: جہنم پر سے گزر ہو گا تو معلوم نہیں میرا کیا بنے گا۔ لوگوں نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اللہ آپ کو ہماری طرف صحیح وسلامت لوٹائے گا۔ اس پر آپ نے اشعار کہے جن میں اپنے لیے شہادت کی دعا مانگی:

لکن اسالُ الرحمٰنَ مغفرۃ

وضربۃ ذات فرع تقذف الزبدا

و طعنۃ بیدی حرا ن مجھزۃ

بحربۃ تنفذ الاحشاء والکبدا

حتی یقولوا اذا مروا علی جدثی

ارشدك اللهُ من غاز وقد رشدا

(کشف الباری، کتاب المغازی بحوالہ کامل ابن اثیر، طبری)

لیکن میں تو اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کرتا ہوں اور ایسی ضرب جو جھاگ نکال دے۔

یا نیزے کی ایسی مار ڈالنے والی ماہرانہ ضرب جو پیٹ اور جگر چیر کر رکھ دے، پیاسا ہونے کی حالت میں۔

یہاں تک کہ جب لوگ میری قبر پر سے گزریں تو کہیں اللہ تعالٰی نے مجاہدین میں سے تجھے ہدایت کی اور تو ہدایت یافتہ ہو گیا۔

دعوتِ محمدی ﷺ کو تسلیم کر کے دامن حبیب ﷺ کے ان پناہ گزینوں کی شاعری پاکیزہ خیالات اور فکر کی رفعتوں سے عبارت تھی۔ تاہم یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ شاعری وہ صنفِ سخن ہے جس میں لطیف جذبات کا اظہار ایک مؤثر پیرائے میں کیا جاتا ہے۔ الفاظ کی سلیقہ مند ترتیب سے بات کو دل نشین کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا شاعر عام انسانوں سے زیادہ حساس اور زیادہ لطیف جذبات کا حامل ہوتا ہے۔ واقعات سے اوروں کی بنسبت اثر بھی زیادہ لیتا ہے۔ یہ حضرات بھی بہر حال انسان تھے۔ اس لیے انسانی زندگی کے اتار چڑھاؤ اور سرد و گرم کا ذکر بھی ان کی شاعری میں موجود ہے۔

ان اسلامی شعراء کے کلام میں مرثیے بھی ملتے ہیں، جس میں اظہار ہمدردی اور اداسی کی فضا چھائی ہوتی ہے۔ لیکن جاہلی مرثیوں سے یہ اس لحاظ سے مختلف ہیں کہ ان میں شریعت کی پاسداری کو بھی لازم رکھا جاتا ہے۔ یہ لوگ ایسے شکووں سے پرہیز کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی کے فیصلوں پر عدم رضامندی ظاہر کر رہے ہوں۔ بطور نمونہ ہم یہاں ان فیض یافتگانِ صحبتِ نبوی کے چند اشعار پیش کرتے ہیں۔ عربی شاعری کی مرثیہ نگاری میں ایک لافانی نام حضرت متمم بن نویرہ رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔ ان کے بھائی مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ ایک جنگ میں غلطی سے مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ مُتَمّم کو اپنے بھائی سے عشق تھا۔ بھائی کی زندگی میں انہیں فکرِ معاش سے بھی بے نیازی تھی۔ بھائی کی وفات کے

بعد متمم ان کی جدائی میں شعر کہتے، خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے۔ یہاں تک کہ آج متمم کے اشعار حوالے کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اب متمم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

لقد لامنی عندالقبور علی البکاء

رفیقی لتذراف الدموع السوافك

فقال ابتکی کل قبر رایته

لقبرثوی بین اللوی فالدکادك

فقلت له ان الشجا یبعث الشجا

فدعنی فهذا کله قبر مالك

(دیوان حماسہ ص: 138، مکتبہ علوم اسلامیہ)

ترجمہ: میرے دوست نے مجھے قبروں کے پاس رونے پر ملامت کی کیونکہ اس نے کہا، کیا تو ہر اس قبر کو دیکھ کر روئے گا جو لوی اور دکادک (جگہوں کے نام) کے درمیان ہے۔
تو میں نے اسے کہا کہ ایک غم دوسرے غم کو لاتا ہے۔ لہٰذا مجھے چھوڑ یہ سب مالک کی قبر ہے۔

عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند عبد اللہ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اپنے درد دل کو یوں بیان کیا ہے: ؎

الیتُ لاتنفكّ عینی حزینة

علیك ولاینفك جلدی اغبرا

فللّٰه عینا من رای مثله فتی

اکرو احمی فی الھیاج واصبرا

اذا اشرعت فیہ الاسنۃ خاضھا

الی الموت حتی یترك الموت احمرا

(حماسہ، مراثی)

ترجمہ: میں نے قسم اٹھائی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ تیرے لیے غمگین رہے گی اور میری جلد غبار آلود رہے گی۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اس آنکھ پر جس نے ایسے شخص کو دیکھا جو پلٹ کر حملہ کرنے والا، جنگ میں دشمن پر غضبناک اور موت پر صبر کرنے والے اور دشمنوں پر بڑا شدید تھا۔

عربی شاعری پر بعثتِ محمدی ﷺ کے اثرات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوا کہ بعثت کے بعد عربی زبان وبیان اور شعر وادب کو ذوق کی پاکیزگی کے ساتھ حسنِ معانی کا بھی نیا ذخیرہ ملا۔ قرآنِ پاک جو آپ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ تھا اپنے الفاظ میں معجزہ اور معانی میں حجت تھا۔ اور یہ قرآن کی خوبی ہے کہ اس میں نبی کا معجزہ اور حجت جمع کر دیے گئے ہیں۔ اس قرآن کے ذریعے عرب کے فصحا کو لفظوں اور ترکیبوں کا حسین گلدستہ ملا۔ قرآنی اور نبوی الفاظ اور تعلیمات کا اثر بعثت کے بعد کی شاعری میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ ﷺ نے اخلاق کا تزکیہ فرمایا تو اب طرزِ فکر اور زندگی کی قدریں بدلنا شروع ہو گئیں۔ پہلے جن چیزوں کو مقاصدِ حیات تصور کیا جاتا تھا اب وہ ثانوی حیثیت اختیار کر گئیں۔ اخلاق کی حدبندی کے ذریعے قلب و نظر کی صلاحیتیں مثبت راستے پر پڑ گئیں۔ یہ اعجاز تھا ایک امی لقب کا جس نے قافلۂ انسانیت کے لیے منزل تک پہنچنے کا راستہ صاف اور واضح کر دیا۔

نعت

ثنائے احمدِ مرسل ﷺ زمانے بھر میں باقی ہے
انہی کے نام سے رونق ہمارے گھر میں باقی ہے

یہ دنیا دارِ فانی ہے، سدا کوئی نہیں رہتا
مگر ذکرِ محمد ﷺ ہے، جو بحر وبر میں باقی ہے

وہ جن کے نام کا چرچا زمین و آسماں میں ہے
ہمیں یہ فخر ہے سودا، انہی کا سر میں باقی ہے

وہ جس بھی راہ سے گزریں، معطّر ہو فضا ساری
مہک ان کی گلابوں میں، گلِ ہر تر میں باقی ہے

وہ اک بادل ہیں رحمت کا، جوبرسا ہر نگر میں ہے
بہارِزندگی ہیں وہ، جو برگ وبر میں باقی ہے

وہ سورج ہیں نبوت کا، اجالا ہیں ہدایت کا
انہی کے فیض کی طاقت، جو بال وپر میں باقی ہے

ہزاروں نعت کہتے تھے، ہزاروں نعت کہتے ہیں
مکمل ہی نہیں مدحت، رخِ انور میں باقی ہے

اسماء النبی الکریم ﷺ

یعنی

رحمتِ دوعالم ﷺ کے مبارک نام

قرآنِ مجید میں آنحضرت ﷺ کے ایک سے زائد اسمائے گرامی ملتے ہیں۔ان میں سے دو نام محمد اور احمد تو آپ ﷺ کے مشہور ترین نام ہیں۔باقی نام آپ ﷺ کے وہ القاب ہیں جو معنی کے لحاظ سے تعظیم و تکریم کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔قرآن پاک میں بھی اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب ﷺ کو مختلف ناموں سے پکارا ہے۔جیسے مزّمّل، مدّثّر۔اسی طرح خود حق جل وتعالٰی نے اپنے پیغمبر کی صفات کا تذکرہ اپنے کلام میں فرمایا ہے۔جیسے رؤوف، رحیم، داعی الی اللہ، سراج منیر وغیرہ۔احادیث میں بھی آپ ﷺ نے اپنے بعض اسمائے مبارک ذکر فرمائے ہیں۔بخاری، مسلم اور شمائل ترمذی وغیرہ میں بھی محدثین نے اسماء النبی ﷺ پر حدیثوں کو جمع کیا ہے۔کتبِ سیرت میں بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیات، صفات اور اسماء مبارکہ درج ہیں۔ان پر نظر ڈالنے سے یہ بات بخوبی عیاں ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ کے اسمائے گرامی کو کسی خاص عدد تک محدود کرنا مشکل ہے۔چنانچہ حدیث میں تو آپ ﷺ نے کہیں پانچ نام شمار کرائے اور کہیں سات۔

علامہ سیوطیؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ "بھجة السنية" تصنیف کیا۔جس میں تقریباً پندرہ سو اسمائے گرامی ذکر کیے ہیں۔جبکہ ابن العربیؒ نے ترمذی کی شرح میں ایک ہزار نام لکھے ہیں۔(شرح مسلم للنوویؒ وخصائلِ نبوی شیخ زکریاؒ)

کتبِ سیرت کو لیجیے تو ان میں بھی اسمائے مبارکہ کی تعداد متعدد ہے۔ یہ سب اسی وجہ سے ہے کہ حضور ﷺ کی صفات کے حسبِ حال نام لکھ دیے جاتے ہیں۔ کسی نے صفات میں زیادہ تفصیل کی تو اسمائے مبارکہ بھی زیادہ ہوگئے۔ اس کے برعکس کسی نے صفات کے بیان میں اختصار کیا تو کم نام ذکر کیے۔ اس تفصیل سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ عام طور پر جو یہ تصور دیا جاتا ہے کہ آنحضور ﷺ کے ننانوے نام ہیں یہ بات درست نہیں، بلکہ باعتبار صفات آپ ﷺ کے نام اس عدد سے زیادہ ہیں۔ واللہ اعلم

اب ہم پہلے ان اسماء سے آغاز کرتے ہیں جو قرآن پاک میں مذکور ہیں۔

محمد:

آنحضرت ﷺ کا مشہور ترین نام ہے اور قرآن پاک کی ایک سورت بھی اس سے موسوم ہے۔ چھبیسویں پارے کی ایک مندرجہ ذیل آیت میں یہ نامِ مبارک آیا ہے:

{وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ}

[محمد: 2]

ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور ایمان لائے اس پر جو محمد ﷺ پر اتارا گیا اور وہی حق ہے، ان کے رب کی طرف سے۔

قرآنِ پاک کے علاوہ احادیثِ پاک میں بھی آپ ﷺ نے اپنے آپ کو محمد ﷺ فرمایا۔ (جیسا کہ آگے احادیث آئیں گی)

آپ کے دادا عبد المطلب نے آپ کا یہی نام رکھا تھا اور یہی وہ نام تھا جسے تا قیامت بحر و بر میں دی جانے والی اذان میں باقی رہنا تھا:۔

یہ دنیا دارِ فانی ہے سدا کوئی نہیں رہتا
مگر ذکر محمد ﷺ ہے جو بحر وبر میں باقی ہے

گونجتا ہے جو ہر دم اذاں میں جہاں میں
وہ رفعت ہے رفعت محمد، محمد ﷺ

محمد کا مادہ ح، م، د ہے۔ یہ اسم مفعول ہے اور اس کا مصدر تحمید ہے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ تحمید میں مبالغہ ہے۔ اب آسان لفظوں میں یوں کہیے کہ محمد کا مطلب ہے زیادہ تعریف کیا گیا۔ اس نام کو حضور پر نور ﷺ کی ذات پر منطبق کریں تو بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ عبد المطلب کے دل میں اس نام کا آنا خدا تعالیٰ کی مشیت ورضامندی تھی۔

محمد نام خود اشارہ ہے کہ اس ہستی کی تعریف مخلوق کی زبان پر جاری ہو جائے گی، بلکہ خود اس ہستی کا خالق اس کی مدح وتوصیف بیان کرے گا۔ اس کے لیے انسانوں جنوں، حیوانات چرند پرند، بلکہ درختوں کے اندر محبتوں کے جذبات ڈال دیے جائیں گے۔ مخلوق کو اس بات کا پابند کر دیا جائے گا کہ وہ آپ ﷺ کی بزرگی اور رسالت کا اقرر کریں۔ عبادات میں سب سے افضل نماز کو بنایا گیا۔ نماز کی اذان و تکمیل کے لیے آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کا ذکر اسم محمد سے مشروع ہوا۔

علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے قریب بعض کاہنوں نے پیش گوئی کی کہ عنقریب "محمد" نام کے نبی مبعوث ہوں گے۔ چنانچہ اسی آس پر بقول قاضی عیاضؒ چھ، بقول سہیلیؒ تین اور بقول حافظ ابن حجرؒ پندرہ بچوں کے نام محمد رکھے گئے۔

لیکن یہ سعادت عبد المطلب کے گھرانے کے لیے مقدر ہو چکی تھی۔

(تکملہ فتح الملہم، دار العلوم کراچی)

احمد:

حضور اکرم ﷺ کا وہ اسمِ مبارک ہے جس سے سیدنا عیسی علیہ الصلوۃ والسلام نے بنی اسرائیل کو آپ ﷺ کی آمد کی بشارت دی۔ قرآن کریم میں ہے:

{وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَٰبَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ} [الصف: 6]

ترجمہ: اور جب عیسی علیہ الصلوۃ والسلام نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اپنے سے بیشتر چیزوں کی تورات میں سے اور خوشخبری دینے والا ایک رسول کی اپنے بعد اس کا نام احمد ہے۔

عربی زبان کے واقف حضرات جانتے ہیں کہ احمد اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔انگریزی میں اسے (Superlative degree) کہتے ہیں۔اس میں مبالغہ ہوتا ہے۔ لہٰذا احمد کا معنی ہوا زیادہ تعریف کرنے والا۔

چونکہ حمد کا عام استعمال خدائے بزرگ و برتر کی تعریف کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا حضور انور ﷺ کے اسم گرامی "احمد" کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ خدا تعالیٰ کی بہت زیادہ تعریف کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ احمد ہیں جو دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ پہچان رکھنے کے باوصف اس کی مدح وثنا کو کسی بھی دوسرے شخص سے احسن واکمل انداز میں بیان کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ احمد ہیں جن کی نبوت زمان ومکان سے آگے ہے۔ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت عالم بھر کے لیے اور تا قیامت ہے۔ اس لحاظ سے

دنیا بھر کے قیامت تک آنے والے انسانوں اور جنوں کی زبانوں سے جو حمد بھی نکلے، اس کا ذریعہ آپ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ احمد ہیں جو قیامت کے روز ایسے پیارے اور منفرد الفاظ سے اپنے رب کریم کی حمد بیان کریں گے جو اسی وقت آپ ﷺ کو اپنے رب کی طرف سے القاء کیے جائیں گے اور اسے خوش کر دیں گے۔

مزّمّل:

قرآن پاک میں آپ ﷺ کو "مزمل" کے لفظ سے بھی پکارا گیا ہے۔ انتیسویں پارے میں ہے "یاَیُّھا المزّمّل"۔ مزمل کا مطلب ہے کپڑوں میں لپٹنے والا یہ خطاب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اپنے محبوب پر انتہائی شفقت کا اظہار ہے۔

بخاری شریف "باب بدء الوحی" میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو مارے ہیبت کے آپ پر کپکپی طاری تھی۔ آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے فرمایا زمّلونی زمّلونی مجھے کپڑے میں لپیٹ دو۔ بیان القرآن میں لکھا ہے کہ قریش ایک مرتبہ جمع ہوئے اور سوچنے لگے کہ اس شخص کو کیا کہیں، کوئی کہتا کاہن نام دو، کوئی کہتا نہیں ساحر کہو وغیرہ۔ آپ ﷺ گھر آئے اور پریشانی میں کپڑا لپیٹ کر لیٹ گئے اس پر آپ کو مزمل، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا۔

(بیان القرآن، تھانویؒ جلد: 2)

مدثر:

مدثر اور مزمل ہم معنی ہیں۔ مدثر "دثار" سے ہے۔ دثار ان زائد کپڑوں کو کہا جاتا ہے جو کپڑوں پر سردی وغیرہ سے بچنے کے لیے پہنے جاتے ہیں۔ حضورِ اکرم ﷺ پر پہلی وحی غار حراء میں نازل ہوئی جب جبرئیل علیہ السلام سے آپ کی ملاقات بھی ہوئی۔ اس کے

بعد کچھ عرصہ تک آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔اس عرصے کو زمانۂ فترت وحی کہاجاتا ہے۔اس کے بعد ایک مرتبہ آپ ﷺ جارہے تھے کہ اچانک جبرائیل علیہ السلام زمین وآسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھے نظر آئے۔آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو رعب و ہیبت کی وجہ سے کپکپی طاری ہوگئی،گھر آئے فرمایا کہ مجھے کپڑے میں لپیٹ دو۔اس موقع پر یہ خطاب نازل ہوا۔(معارف القرآن،مفتی محمد شفیعؒ)

ان کے علاوہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے منصب "نبی" اور "رسول" سے بھی خطاب کیا جیسے:

{يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ}[المائدة: 41]{يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ}[الأحزاب: 1]

اسی طرح آپ ﷺ کی بعض صفات مبارکہ کو ظاہر فرمایا۔انہیں بھی علماء نے آپ ﷺ کے اسماء میں شامل کیاہے۔جیسے سورۃ احزاب میں ہے۔

{يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا (45) وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا}[الأحزاب: 45،46]

ترجمہ: اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو گواہ اور خوشخبری سنانے ولا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا اس کی اجازت سے اور چراغ چمکتا ہوا۔

اس آیت میں آپ ﷺ کے مندرجہ ذیل (صفات کے اعتبار سے) اسمائے مبارکہ آگئے:

شاہد:

یعنی گواہ، قیامت کے دن اس امت کا فیصلہ آپ ﷺ کے بیان کے مطابق ہوگا۔یعنی خود آپ ﷺ کو اپنی امت پر گواہ بنایا جائے گا۔

مبشر:

یعنی خوشخبری دینے والا، ایمان واعمال صالحہ اختیار کرنے والوں کو جنت کی نعمتوں کی۔

نذیر:

یعنی ڈرانے والا کفر و فسق اختیار کرنے والوں کو جہنم سے اور دنیا وآخرت کی پریشانیوں سے۔

داعی الی اللہ:

یعنی اللہ کی طرف بلانے والا۔اس کے مہمان خانے جنت کی طرف بلانے والا۔ پھر یہ بلانا بھی اس کے حکم و مرضی سے ہے۔لہٰذا اسکے ساتھ ''بِاِذنِہ'' بھی لگایا۔

سراج اور منیر:

سراج کا مطلب ''چراغ'' اور منیر کا مطلب ''روشن ''ہے۔ہم نے یہاں ان دونوں کو اکٹھا لکھ دیا ہے تاکہ مطلب زیادہ دلنشین ہوجائے۔بیان القرآن میں ہے کہ چراغ سے تشبیہ دینے میں یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو چراغ تک رسائی آسان ہے، پھر چراغ سے ہر وقت نور حاصل کرنا ممکن ہے، پھر سہل الحصول ہے، پھر اس سے نور حاصل کرنے میں اکتساب اور قصد کو بھی دخل ہے۔ پھر صحیح المزاج و صحیح البدن آدمی کو اس سے ناگواری کسی وقت نہیں۔ پھر اس میں شان، انیس ہونے کی بھی ہے اور ان سب صفات کو انبیاء علیہم السلام کی شان سے زیادہ مناسبت ہے اور بعض نے سراجاً منیرًا سے آفتاب مراد لیا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف منسوب اشعار محبت و عقیدت کا لبادہ اوڑھے ہوئے آنحضرت ﷺ کو منبع نور قرار دیتے ہیں:

لنا شمس و للآفاق شمس

و شمسی خیر من شمس السماء

فان الشمس تطلع بعد الفجر

و شمسی تطلع بعد العشاء

ہمارے لیے بھی سورج ہے اور آفاق (آسمان) کا بھی سورج ہے اور میرا سورج آسمان کے سورج سے بہتر ہے۔ آسمان کا سورج فجر کے بعد طلوع ہوتا ہے اور میرا سورج عشا کے بعد نکلتا ہے۔ (بیان القرآن تفسیر آیت بالا)

نور:

قرآنِ کریم میں آپ ﷺ کو نور بھی قرار دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

{قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ} [المائدۃ: 15]

یہاں بعض علماء نے نور آپ ﷺ کی ذات کو قرار دیا ہے۔ یعنی آپ ﷺ اپنی تعلیمات اور صفت ہدایت میں نور ہیں۔

کعبؓ بن زہیر جن کے عربی قصیدے "بانتُ سعاد" کی گونج عربی ادب کے دیوان میں ہنوز سنائی دیتی ہے، فرماتے ہیں:

ان الرسولَ لنور یُستضاء بہ-

بے شک رسول ایک نور ہیں جن سے روشنی لی جاتی ہے۔

بشر:

کلام الٰہی میں آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ اپنی بشریت یعنی انسان ہونے کا اظہار کر دیں تا کہ لوگ آپ کو نوعِ انسان سے خارج نہ کر دیں۔ بے شک آپ ﷺ انسانوں میں سے ہی ایک انسان ہیں لیکن دوسرے انسانوں کو آپ سے شاید وہ نسبت بھی نہیں جو سنار کے ہاں ہیرے کے مقابلے میں سنگریزوں کو ہوتی ہے۔ چنانچہ ذیل کی آیت آپ ﷺ کے مقام و مرتبے کو دوسرے انسانوں سے ممتاز کر رہی ہے۔

{ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ } [الکھف: 110]

کہہ دیجیے کہ میں بھی تمہاری طرح انسان ہی ہوں البتہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔

عبد اللہ:

قرآن کریم کی سورۃ "اسراء" میں ہے

{ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا } [الإسراء: 1]

یعنی پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو لے گیا رات میں۔

عبد اللہ آپ کا وہ نام ہے جسے آپ نے ایک حدیث میں بھی ذکر کیا۔ عبد اللہ کا لفظی مطلب "اللہ کا بندہ" ہے عبودیت اور بندگی ایک خاص مقام ہے جس میں بندہ اپنے آپ کو اپنے آقا و مولیٰ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے مطیع و فرمانبردار کر دیتا ہے۔ انسان کے لیے کمال کی بات عبدِ کامل بننا ہے۔ یعنی اپنی ہستی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عبد اللہ کا لقب دے کر آپ کے ساتھ اپنی محبت و عنایت کا پر کیف اظہار فرمایا ہے کسی بندے کو اپنا کہہ دینا اس بندے کے لیے کمال اعزاز ہے۔ حسن دہلوی فرماتے ہیں:

بندہ حسن بصد زبان گفت کہ بندہ تو ام
تو بزبانِ خود گفتگو بند ہ نواز کیستی

یعنی بندہ زبان سے کتنا ہی اپنے بندہ ہونے کا اظہار کرے۔ مزہ تو جب آئے کہ وہ بھی بندے کو اپنا کہ لے۔

عبداللہ کے لقب سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ ﷺ اپنی عظمت و رفعتِ شان کے ہوتے ہوئے بہر حال مقام الوہیت و خدائی سے دور ہیں بلکہ آپکے لیے مقامِ بندگی ہی میں سب رفعتیں ہیں۔

قرآنِ کریم سے اخذ کردہ ان اسماء کی فہرست میں اضافہ کرنے کی گنجائش ہے لیکن ہم انہی پر اکتفا کرتے ہوئے اب احادیثِ مبارکہ میں خود آپ ﷺ کے ذکر کردہ ناموں کا جائزہ لیتے ہیں۔

"عن محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیه اَنَّ رسولَ الله صلى الله عليه و سلم قال اِن لی اسماء انا محمد و انا احمد و انا الماحی الذی یمحو اللهُ بِی الکفرَ و انا الحاشر الذی یحشر الناس علیٰ قدمی و انا العاقب الذی لیس بعده احد وقد سماهُ الله رؤوفاً رحیماً"۔
(مسلم،2/261قدیمی)

محمد بن جبیر اپنے والد جبیر بن مطعم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے (بہت سے) نام ہیں میں محمد ہوں اوراحمد ہوں، میں ماحی ہوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے میں حاشر ہوں کہ تمام لوگوں کو میرے بعد حشر کے لیے اٹھایا جائے گا۔ میں عاقب ہوں جس کے بعد کوئی (نبی) نہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام روف ورحیم رکھا تھا۔

ماحی:

ماحی کا لفظی مطلب "مٹانے والا" ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے آپ کو ماحی فرمایا تو ساتھ ہی وجہ بھی بیان کر دی کہ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک کی جڑیں اکھیڑ دیں حتی کہ جزیرۂ عرب سے شرک و بت پرستی کو باہر نکال دیا گیا۔ اگر چہ بہت سے بلاد میں آپ کے بعد کفر باقی ہے۔ اسی وجہ سے بھی کہا گیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کفر کا مٹنا سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے میں ظاہر ہو گا۔ جب آپ ﷺ کو دین محمدی کی تائید و نصرت کے لیے بھیجا جائے گا تو آپ آکر جزیہ منسوخ کر دیں گے۔ پھر کفار کے لیے دو ہی راستے رہ جائیں گے۔ اسلام قبول کر لینا یا لڑنا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو آدمی آپ ﷺ کی پیروی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو مٹا کر نیکیاں دیتے ہیں اس لیے بھی آپ ﷺ "ماحی" ہیں۔

(شرح للنووی)

تکملہ فتح الملہم میں شارح مد ظلہم درج بالا اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "میرے نزدیک بہتر بات یہ ہے کہ کفر کے مٹانے سے مراد کفر کے دلائل و براہین کا قطع کرنا ہے"۔ (تکملہ فتح الملہم 4/ 575، دار العلوم)

حاشر:

حاشر کا لفظی مطلب "حشر کرنے والا" ہے اور اس کی تفسیر خود آپ ﷺ نے فرمادی کہ چونکہ تمام لوگوں کا حشر (میدان قیامت میں جمع ہونا) آپ ﷺ کے بعد شروع ہو گا اس لیے آپ ﷺ حاشر ہیں۔ چنانچہ جب نفخہ ثانیہ ہو گا (دوسری بار صور پھونکا جائے گا) تو سب سے پہلے قبر سے نکلنے والے سید دو عالم ﷺ ہوں گے۔ آپ کے بعد دیگر

مردے قبروں سے زندہ ہوکر میدانِ محشر میں اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے حاضر ہوں گے۔ أللّٰھم حَاسِبْنِی حسابًا یسیرًا۔ آمین۔

عاقب:

عاقب کا لفظی مطلب آخر میں آنے والا ہے۔ اس کی تفسیر بھی اسی حدیث میں موجود ہے یعنی وہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبین ہونا قرآن و حدیث میں ایسی وضاحت سے آیا ہے کہ اس کا انکار کفر کو لازم ہے۔ ایک اور جگہ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "میری مثال اور پہلے ابنیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے خوب صورت گھر بنایا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی، لوگ گھر میں داخل ہوتے اور تعجب کرتے اور کہتے کہ یہ ایک اینٹ کی جگہ خالی نہ ہوتی تو اچھا ہوتا"۔
(ترمذی، 2/ 576 رحمانیہ)

حاشیہ ترمذی میں ہے: میں (آخری) اینٹ ہوں اور آخری نبی ہوں۔ (ایضاً)

رءوف:

شفقت کرنے والا۔ سورۂ توبہ میں ہے:
{لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمومنينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ} [التوبة: 128]

اس میں آپ ﷺ کو رؤوف کے لقب سے یاد کیا گیا۔ پوری خلقِ خدا خصوصاً مسلمانوں پر آپ ﷺ کی شفقت و مہربانی سیرتِ مبارکہ کا نہایت روشن باب ہے۔ بڑے بڑے کفار جنہوں نے آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ جب اسلام کا حلقہ بگوش ہونے کے لیے خدمتِ اقدس میں آئے تو آپ ﷺ کمالِ شفقت و

مہربانی سے نہ صرف ان کا اسلام تسلیم کر لیتے بلکہ ان اکا اکرام و اعزاز بھی فرماتے۔ تمام مسلمانوں بالخصوص بچوں اور عورتوں پر بہت مشفقانہ برتاؤ فرماتے۔ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی، لیکن آپ نے کبھی مجھے مارا نہیں۔ جہاد میں شہید ہو جانے والے مقتولین کی بیواؤں اور بچوں کا بھی بہت خیال فرمایا۔ انسانوں کو چھوڑ کر جانوروں کے حقوق کی بھی تلقین فرماتے۔ آپ ﷺ کے پاس بعض اعرابی (دیہاتی) آتے جو دین سیکھنا چاہتے، لیکن ان کے مزاج میں درشتی ہوتی اس کے باوجود آپ ﷺ انہیں معاف فرماتے۔

رحیم:

"رحم کرنے والا" رحم کرنا ایک ایسی صفت ہے جسے خود خدا تعالیٰ نے اختیار کیا ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے:

"اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ"۔

اہلِ زمین پر تم رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

(ترمذی، ابواب البر والصلۃ، حدیث: 1924)

آپ ﷺ کی صفتِ رحیمی انسانوں سے آگے بڑھ کر حیوانات تک پہنچی ہوئی تھی۔ کافروں پر بھی آپ کی شان رحیمی ظاہر ہوتی تھی۔ ایک یہودی لڑکے کے انتقال کا وقت ہوا تو آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور جا کر اسلام کی دعوت دی۔ وہ اپنے باپ کو دیکھتا تھا۔ باپ نے اسے کہا کہ محمد ﷺ کا کلمہ پڑھ لے۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو کر مرا۔ حضورِ اکرم ﷺ نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے ایک شخص کو جہنم سے بچالیا۔ (سنن ابی داؤد باب فی عیادہ الذمّی)

نبی کریم ﷺ کے مبارک ناموں سے متعلق ایک اور حدیث پاک ملاحظہ فرمائیں:

عن حذیفه قال لقیت النبیؐ ﷺ فی بعض طُرُقِ المدینة فقال انا محمد و انا احمد و انا نبیُّ الرَّحمة و نبی التوبة و انا المقفی و انا الحاشر و نبی الملاحم

(شمائل ترمذی باب ما جآء فی اسماء رسول اللہ ﷺ)

حدیثِ پاک میں ذکر کردہ نام "محمد" اور "احمد" کا بیان سابق میں گزر چکا ہے۔ مزید اسماء کو دیکھتے ہیں۔

نبی الرحمۃ:

حضورِ اکرم ﷺ نے اپنے آپ کو نبی الرحمہ کہا یعنی رحمت کا نبی۔ آپ ﷺ کئی وجوہ سے رحمت والے نبی ہیں۔ خود قرآن پاک نے آپ کو رحمہ للعالمین (جہانوں کے لیے رحمت) قرار دیا ہے۔

آپ رحمت ہیں مومنین اور کفار دونوں کے لیے مومنوں کے لیے تو اس طرح کہ وہ آپ کی اتباع کی برکت سے دنیا میں سکون و چین اور راحت پاتے ہیں اور آخرت میں آپ ﷺ ہی کے ذریعے عذاب جہنم سے بچ کر جنت میں پہنچیں گے۔ جب کہ کفار کے لیے بھی آپ اس طرح رحمت ہوئے کہ آپ ﷺ کی موجودگی کی برکت سے کفار پر دنیا میں اس طرح عذاب نہ آیا جیسا کہ پہلی امتوں پر آیا۔

آپ نبی الرحمۃ ہیں کہ آپ کی رحمت دیگر مخلوقات چرند پرند، حیوانات، شجر حجر وغیرہ کو بھی محیط ہے۔ آپ کی رحمت سے انہوں نے بھی حصہ پایا۔ آپ نبی الرحمہ ہیں کہ آپ نے ایک دوسرے پر رحم کرنے اور محبت و خیر خواہی کی تعلیم دی جس پر کتبِ حدیث

شاہد ہیں۔ آپ نبی الرحمۃ ہیں جن کے امتیوں کی شان میں ہے "یعنی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرنے والے ہیں"۔

آپ نبی الرحمۃ ہیں جس نے نسلی دشمنوں کا خاتمہ کیا اور جانی دشمنوں کو بھائی بھائی بنادیا۔ حضرت شیخ امتیاز احمد عباسی مدظلہ نے خوب کہا ہے: ؎

ہے محبت محبت، محمد محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اور رحمت ہی رحمت، محمد محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اور بقول حالی: ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرا دیں غریبوں کی بر لانے والا

نبی التوبہ:

یعنی "توبہ کا نبی" اس کی بہت سی وجوہات ہیں مثلاً: آپ امت کو توبہ واستغفار کی بار بار تلقین کرنے والے ہیں۔

آپ کی امت میں کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کر لینے سے گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ برخلاف پہلی امتوں کے کہ انہیں اس کے علاوہ کوئی سزا بھی دی جاتی تھی، مثلاً ایک دوسرے کو قتل کرنا (جیسے بنی اسرائیل کے واقعے میں)۔ البتہ بعض گناہ ایسے ہیں کہ جن میں تلافی، ادائیگی وغیرہ ضروری ہے تو وہ اس امت میں بھی صرف توبہ کر لینے سے ہی معاف نہیں ہوں گے، جیسے کسی نے کسی کا مال چوری کر لیا۔ پھر اس نے صدق دل سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی تو اب اس شخص پر یہ بھی ضروری ہے کہ جس کا مال چرایا اسے وہ مال لوٹادے یا معاف کرائے: ؎

وہ عاصیوں کو امیدِ رحمت، وہ خاطیوں کو معاف کرنا
چلو انہی کی مدح کریں ہم، جو مجرموں کی اماں ہوئے ہیں

المقفّی:

فا پر زبر اور زیر دونوں کے ساتھ درست ہے۔ مقفی کا مطلب یا تو پیچھے آنے والا ہے یا پہلوں کے نقش قدم پر چلنے والا ہے۔ پہلے معنی تو واضح ہیں کہ حضور اکرم ﷺ آخری نبی ہیں۔ دوسرے کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے سے پہلے انبیاء کی اتباع کرنے والے ہیں پہلے تمام انبیاء جو اصول وعقائد لے کر آئے، اس میں حضور ﷺ انہی کے راستے پر ہیں۔ البتہ فردعات جیسے نماز، روزہ وغیرہ کی ہیئت و کیفیت میں آپ کو بہت سے نئے احکامات دیے گئے اور اسی وجہ سے آپ کی شریعت گذشتہ انبیاء کی شرائع کے لیے ناسخ ہے۔

نبی الملاحم:

ملاحم ''ملحمۃ'' کی جمع ہے۔ ملحمہ بڑی خونریزی اور قتل وقتال کو کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے نبی الملاحم کے معنی، جنگوں والے نبی کے ہیں۔ یا تو یہ اس وجہ سے فرمایا کہ حضورِ اکرم ﷺ نے کفار کے ساتھ بہت سی جنگیں کیں اور اپنی شجاعت کے جوہر بھی دکھلائے یا اس وجہ سے کہ آپ ﷺ کی امت میں قیامت تک کے لیے کفار کے ساتھ لڑنا طے کیا جاچکا ہے۔ امت کا ایک گروہ جہاد فی سبیل اللہ میں ہمیشہ لگا رہے گا۔ چنانچہ جہاد جتنا آپ کی امت کرے گی اتنا کسی امت نے نہیں کیا۔ حتی کہ امت کا آخری حصہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام و امام مہدی کی سرپرستی میں دجال ملعون سے قتال کرے گا۔ ملحمہ کے ایک معنی عظیم فتنے کے بھی ہیں۔ اس سے مراد دجال کا فتنہ ہے جس سے نوح علیہ السلام سے لے کر

حضورِ اکرم ﷺ تک کے سارے نبیوں نے ڈرایا ہے۔ وہ فتنۂ عظیم اس امت کے آخری طبقے کے سامنے ظاہر ہو گا۔ اس کے ساتھ دیگر فتنے خروجِ دجال وغیرہ بھی اسی امت کے آخر میں ظاہر ہوں گے۔ اسی نسبت سے آپ نبی الملحمۃ بھی ہیں۔ ملحمہ کے معنی بعض علماء نے اجتماع کے کیے ہیں۔ اس صورت میں اشارہ ہے امت کے اس اجتماعی نظام کی طرف جو گزر چکا ہے اور اب بھی چھوٹی شکلوں میں باقی ہے۔

شراح حدیث اور سیرت نگاروں نے حضورِ اکرم ﷺ کے اور بھی بہت سے نام ذکر کیے ہیں۔ خصائلِ نبوی میں ایک حدیث لکھی ہے کہ میرے قرآن شریف میں سات نام ہیں محمد، احمد، یٰسین، طٰہٰ، مزمل، مدثر، عبد اللہ۔ (خصائلِ نبوی، 224 مکتبہ الشیخ)

لیکن ہم پیچھے عرض کر چکے ہیں کہ اسمائے مبارکہ کی تعداد میں کمی زیادتی آپ کے القاب اور آپ کی صفات مبارکہ کو بطور نام شامل کرنے کی وجہ سے ہے۔ جس نے آپ کے القاب وصفات کو تفصیل سے ذکر کیا اس نے اسمائے مبارکہ کی تعداد طویل کر دی جس نے اختصار سے کام لیا اس نے اسمائے مبارکہ کی تعداد کم کر دی۔ ہم اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اپنا قلم روکتے ہیں کیونکہ

سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

کتبِ شمائل و دلائل - سیرتِ طیبہ کے مصادر

کسی بھی علم و فن کیلیے بعض کتب بنیادی مصدرBasic Source کی حیثیت رکھتی ہیں۔اس موضوع پر کام کرنے والے ان کتب سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے کسی پہلو پر لکھے والے طالبعلم کیلیے شمائل و دلائل کی کتب بنیادی مصدر رکھتی ہیں۔کتبِ شمائل میں آپ ﷺ کی عادات اور حلیہ مبارکہ کا بیان ہوتا ہے جو اہلِ محبت کیلیے باعث تسکین ہے جبکہ کتبِ دلائل میں آپ ﷺ کے معجزات کا ذکر ہوتا ہے جو آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل ہیں۔

ان کتبِ شمائل میں جن کا تذکرہ ملتاہے مندرجہ ذیل ہیں:

1: صفة النبی ﷺ، مؤلف: وھب بن وھب الاسدی ابوالبختری، م: 200ھ۔اس کتاب کواس موضوع کی پہلی باقاعدہ تصنیف سمجھا جاتا ہے۔

2:صفۃالنبی ﷺ مؤلف: ابوالحسن علی بن محمد المدائنی،م: 225ھ۔

3: صفۃ اخلاق النبی ﷺ، مؤلف: داؤد بن علی الاصبھانی، م: 270ھ یہ تین کتب غیر مطبوعہ ہیں۔

4: الشمائل النبویۃ والخصائص المصطفویۃ، مؤلف: امام محمد بن عیسی ترمذی، م: 279ھ، مطبوعہ

5: اخلاق النبی وآدابہ، مؤلف: ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن حیان الاصبہانی م: 369ھ، مطبوعہ

6: شرف المصطفی ﷺ، مؤلف: ابوسعید عبداللہ بن محمد نیشابوری، م: 456ھ مطبوعہ

7: شمائل النبی ﷺ مؤلف: ابوالعباس المستغفری م: 436ھ، مطبوعہ

8: الشفابتعریف حقوق المصطفی، مؤلف: قاضی عیاض مالکی م: 544ھ۔

یہ اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے۔ مختلف جگہوں سے طبع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کی بہت سے اہلِ علم نے خدمت کی ہے۔ امام سیوطیؒ، م 911ھ نے "مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفا" کے نام سے اس کتاب کی احادیث کی تخریج کا کام کیا ہے، جو مطبوعہ ہے۔ ملا علی قاریؒ م: 1014ھ نے "شرح الشفا" کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے جو مطبوعہ ہے۔ علامہ خفاجی م1029ھ نے ایک شرح "نسیم الریاض" کے نام سے لکھی ہے۔ ان کے علاوہ کئی اہل علم نے "شفا" کے مشکل الفاظ کی شرح لکھی ہے۔

9: شمائل الرسول ﷺ مولف: حافظ ابن کثیر م: 774ھ مطبوعہ

10: وسائل الوصول الی شمائل الرسول ﷺ، مولف: شیخ یوسف النبھانی، م:1350ھ، مطبوعہ

ان کتب کے علاوہ بھی آنحضرت ﷺ کے حلیہ مبارک، جمالِ انور، آپ ﷺ کی عادات وخصائل پر مختلف زبانوں میں کتب لکھی گئی ہیں۔ ذیل میں ہم ان کتبِ شمائل میں سے مصدر کی حیثیت سے جانی جانے والی کتب کے منہج اور اہم خصوصیات کا جائزہ لیں گے:

1. الشمائل النبویۃ والخصائل المصطفویۃ / الشمائل المحمدیۃ / شمائل ترمذی

مؤلف: امام محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی رحمہ اللہ م 379ھ

منہج اور خصوصیات:

امام ترمذی نے کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا ہے۔کل پچپیں ابواب ہیں۔ ہر باب میں ترجمۃ الباب کے بعد حدیث لاتے ہیں، مثلاًباب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء۔۔۔وغیرہ۔

اس طرح ہر باب میں آپ ﷺ کی پاکیزہ عادات وصفات کا بیان کرتے ہیں۔کتاب کی ابتدا باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ سے ہوتی ہے۔اس میں مؤلف آنحضرت ﷺ کے حلیہ مبارک سے متعلق کچھ احادیث لاتے ہیں۔مؤلف احادیث اپنی ہی سند سے لاتے ہیں۔جامع ترمذی میں امام ترمذی ہر حدیث کے آخر میں اس کا درجہ بھی واضح کرتے ہیں اور اس پر صحیح، حسن اور ضعیف وغیرہ کا حکم بھی لگاتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی احادیث جامع ترمذی کے مختلف ابواب میں گزر چکی ہیں اور وہاں ان کے ضعف پر بحث ہو چکی ہے۔

اسی طرح یہاں مؤلف "وفی الباب" کہ کر حدیث کے دیگر طرق کی طرف اشارہ نہیں کرتے۔یہ تحقیق جامع ترمذی میں کی گئی ہے۔

امام کئی جگہوں پر غریب الحدیث کی شرح بھی کر دیتے ہیں، مثلاً پہلے باب کی حدیث نمبر6 میں "الممغّط" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال ابو عیسٰی سمعتُ أباجعفر محمدَ بن الحسنِ، یقول: سمعتُ الاصمعی یقولُ فی تفسیرِ صفۃِ النبی ﷺ: الْمُمَغَّط: الذاھب طولاً۔وقال سمعتُ أعرابیًا یقول فی کلامہ: تَمَغَّطَ فی نشابتِہ ای: مَدَّھا مدًّا شَدِیْدًا۔

کئی جگہوں پر حدیث لفظ کان سے شروع کرتے ہیں۔ اور ایسا عام طور پر اس جگہ ہوتا ہے جہاں آپ ﷺ کی کسی عادت مستمرۃ (ہمیشہ رہنے والی عادت) کا بیان ہوتا ہے۔

کتاب کے ابواب پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نبی ﷺ کی زندگی کے ہر گوشے کو سامنے لانا چاہتے ہیں اور اس میں جابجا مؤلف کی اپنے آقا و مولیٰ سے محبت پھوٹ پھوٹ کر ظاہر ہو رہی ہے۔

امام ترمذی بعض جگہوں پر راوی کی کنیت ذکر کرتے ہیں، پھر سند و متن ذکر کرنے کے بعد راوی کا نام بھی ذکر کر دیتے ہیں، مثلاً ایک جگہ سند میں ابومالک اشجعی ہیں۔ امام ترمذی ان کے متعلق لکھتے ہیں:

قال أبوعیسٰی وأبو مالك هذا هو سعید بن طارق بن أشیم۔[1]

اگر امام ترمذی نے حدیث ایک سے زائد استاد سے حاصل کی ہے تو اس کا ذکر کرتے ہیں، مثلاً: "باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ" میں کہتے ہیں:

حدثنا احمد بن منیع و سعد بن عبدالرحمن المخزومی وغیرواحد قالوا۔[2]

حدیث کا متن ایک ہی ہو اور سند مختلف ہو تو امامؒ ایک سند اور متن ذکر کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد دوسری سند ذکر کر دیتے ہیں، لیکن متن ذکر کرنے کی بجائے " نَحوہٗ" کہہ دیتے ہیں۔ حدیث کی تشریح میں اگر مؤلف کو اپنے اساتذہ سے کوئی نکتہ ملا ہو تو اسے بھی ذکر کر دیتے ہیں، مثلاً:

---

[1]۔ الترمذی، محمد بن عیسی (م: 279ھ) الشمائل المحمدیة، 1/231، دار احیاء التراث، بیروت۔

[2]۔ ایضا: 1/289۔

عن أنسِ بن مالكٍ رضی الله عنه ان النبیؐ ﷺ قال له: یا ذَ االأُذُنَیْنِ، قال محمود قال ابو اسامة یعنی یمازحه۔[1]

بسا اوقات فقہ الحدیث بھی واضح کر دیتے ہیں، چنانچہ انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی سے آنحضرت ﷺ کے ارشاد: "یا أبا عمیر ما فعل النغیر" کے تحت امام ترمذی وفقہ ھذا الحدیث کہہ کر دو مسائل ذکر کرتے ہیں:

ایک تو یہ کہ آپ ﷺ نے چھوٹے بچے سے مزاح کرتے ہوئے کنیت سے پکارا، دوسرا یہ کہ چھوٹے بچے کو کھیلنے کے لیے پرندے دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔[2]

2. اخلاق النبی وآدابہ:

مؤلف: ابو الشیخ عبد اللہ بن محمد اصبھانی، م: 369ھ، ناشر: دار المسلم للنشر والتوزیع، الطبعۃ الاولی: 1998ء

منہج:

مؤلف نے اپنی کتاب آنحضرت ﷺ کے شمائل پر مشتمل احادیث طیبہ کے لیے مستقلاً تصنیف کی ہے۔ کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ حدیث کی مناسبت سے ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں اور پھر اپنی سند سے حدیث لاتے ہیں۔ کتاب میں احادیث وآثار کی تعداد 894 تک ہے۔ ترجمۃ الباب ذکر سے شروع کرتے ہیں۔ مثلاً: ذکر التسلیم علی اھله، ذکر عیادته المریض ﷺ

---

[1]۔ ایضا، 1 / 141۔

[2]۔ ایضا،

3.شرف المصطفی ﷺ:

مؤلف:عبد الملک بن محمد بن ابراھیم الخرکوشی م407ھ، ناشر: دارالبشائر الاسلامیۃ مکہ مکرمہ، الطبعۃالاولی: 1424ھ،کل اجزا: 6

مصنف نیشاپور کے فقہائے شافعیہ میں سے تھے اور وعظ بھی کہتے تھے۔اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں بنا کر بکواتے تھے۔آپ کی مشہور تصانیف میں البشارۃ والفزارۃ، سیر العباد الزھاد، شرف المصطفیٰ شامل ہیں۔ محقق نے کتاب کو سات جہات پر تقسیم کیا ہے جو حسب ذیل ہیں:

اول: آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل اور نشانیاں۔اس میں مصنف نے ان نشانیوں کو بھی ذکر کیا جو بعثت بلکہ ولادت سے بھی پہلے ظاہر ہوئی تھیں۔

دوم: قرآنِ کریم میں آپ ﷺ کی شرافت وبزرگی کا بیان۔اس میں مصنف وہ آیات لاتے ہیں جو آپ ﷺ کی عظمت کے بیان میں ہیں اور جن میں آپ ﷺ کے اسماء وصفات کا تذکرہ ہے۔

سوم: تیسری جہت آپ ﷺ کے شمائل سے متعلق ہے۔اس حوالے سے آپ ﷺ کے کھانے پینے، لباس، بچھونا، سواری، جنگی آلات کے علاوہ آپ ﷺ کے طب کے متعلق مواد شامل ہے۔

چہارم: نبی کریم ﷺ کی ان خصوصیات کا بیان جن میں آپ ﷺ دیگر انبیاء سے منفرد ہیں اور جن کے ساتھ تمام انسانیت میں آپ ﷺ کو ہی مختص کیا گیا ہے۔

پنجم: فضائلِ صحابہ وفضائلِ اہل بیت کو بھی یہ کتاب شامل ہے۔

ششم: نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ مثالیں۔

ہفتم: مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے فضائل پر بھی یہ کتاب مشتمل ہے۔

منہج کتاب:

کتاب کی ابتداء میں مصنف کا مختصر مقدمہ ہے جس میں انہوں نے کتاب کی وجہ تالیف بیان کی ہے۔ مؤلفؒ کہتے ہیں کہ مجھے آپ ﷺ کی محبت اور زیادہ سے زیادہ آپ ﷺ پر درود لکھنے اور پڑھنے کے جذبے نے اس کتاب کو لکھنے پر تیار کیا۔

کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر باب کے تحت کئی فصول آتی ہیں۔ عام طور پر مصنف ہر باب کے شروع میں ایک جامع فصل لاتے ہیں، جس میں دیگر فصول کی جامع احادیث ہوتی ہیں۔ اس کے بعد دیگر فصول لاتے ہیں، مثلا چھٹی جلد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب کا بیان ہے۔ ابتدا میں جامع ابواب الفضائل والمناقب کے تحت کئی صحابہ کے مناقب پر ذکر کردہ کئی احادیث لاتے ہیں۔ اس کے بعد خلفائے اربعہ، عبداللہ بن عباس، سعد بن معاذ، عبداللہ بن سلام، سلمان الفارسی وغیرہم رضی اللہ عنہم کے الگ الگ فضائل پر مشتمل احادیث لاتے ہیں۔

کتاب میں مصنف اپنی سند سے احادیث مبارکہ بھی لاتے ہیں اور دیگر مستند مسانید سے واقعات بھی نقل کرتے ہیں۔ اپنی سند سے احادیث لاتے ہیں تو اخبرنا وغیرہ صیغہ لاتے ہیں۔ جب کسی دوسری ماخذ سے نقل کرتے ہیں تو واقعہ کو بیان کرنے والے صحابی کا نام "عن" سے لاتے ہیں۔ کبھی اپنی سند سے ایک بات لاکر پھر تائید میں یا مزید وضاحت کے لیے کسی دوسرے راوی سے بھی نقل کرتے ہیں۔

کتاب کی چوتھی جلد میں مولف نے ایک مستقل باب "جامع ابواب صفۃ اخلاقہ وآدابہ ﷺ" باندھا ہے جس میں آپ ﷺ کے اخلاق وعادات اور آپ ﷺ کے

آداب کا بیان ہے۔اسی طرح پانچویں جلد بھی شمائل رسول ﷺ کے گرد گھومتی ہے۔اس میں آپ ﷺ کے موقع محل کے اذکار، دعائیں، تسبیحات، آپ ﷺ کا مزاح، آپ ﷺ کی بیان کردہ ضرب الامثال کا بیان ہے۔

4. الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ

مؤلف: قاضی عیاض مالکی، م: 544ھ، ناشر: دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع

قاضی عیاض مالکی اندلسیؒ کی مشہور تصنیف ہے۔اور خود اس کتاب کی اہل علم نے بڑی خدمت کی ہے۔چنانچہ امام سیوطیؒ نے "مناہل الصفا" کے نام سے الشفا کی احادیث کی تخریج کی ہے۔ملا علی قاریؒ نے شرح الشفا کے نام سے اس کتاب کی شرح لکھی ہے۔حاشیۃ الشمسی کے نام سے شمسی حنفیؒ کا حاشیہ بھی مطبوع ہے۔بعض علماء نے شفا کے الفاظ غریبہ (یعنی اجنبی الفاظ) پر مستقل کام کیا ہے۔عصرِ موجود کے بعض محققین نے شفا کی احادیث کی طویل اسناد کو حذف کر کے مختصراً بھی شائع کیا ہے۔

کتاب کا منہج:

کتاب کی ابتداء میں مولف کا تحریر کردہ ایک مقدمہ ہے جس میں انہوں نے وجہ تالیف بھی بیان کی ہے۔مولف کے کسی شاگرد نے ان سے آنحضرت ﷺ کی صفات، فضائل اور آداب پر مشتمل ایک جامع تصنیف کی خواہش کی تھی۔مولف اسے اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ کتمانِ علم پر وارد وعید سے بچنے کے لیے نبی ﷺ کے فضائل وآداب پر مبنی کتاب لکھتے ہیں۔مقدمہ میں مؤلف کتاب کی مناسبت سے نبی ﷺ کے ساتھ نسبت رکھنے کا فائدہ بیان کرتے ہیں۔مؤلف کہتے کہ میں نے اس کتاب میں کلام کو چار اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

پہلی قسم:

قولاً عملاً نبی ﷺ کی قدر و منزلت اللہ تعالٰی کی طرف سے۔اس پہلی قسم کو مزید چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا باب: آپ ﷺ کی تعریف اللہ تعالٰی کی طرف سے اور خود اللہ کے ہاں آپ ﷺ کے عظیم مرتبے کا اظہار۔اس میں دس فصول ہیں۔

دوسرا باب: آپ ﷺ کے لیے خِلقی و خُلقی محاسن کی تکمیل کرنا۔اس میں ستائیس فصول ہیں۔

تیسرا باب: صحیح اور مشہور احادیث میں وارد آپ ﷺ کی اللہ تعالٰی کے ہاں قدر و منزلت اور دارین میں آپ ﷺ کے خصوصی کمالات کا ذکر۔اس میں بارہ فصول ہیں۔

چوتھا باب: ان معجزات کا ذکر جن کا اظہار اللہ تعالٰی نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر کیا۔اس میں تین فصول ہیں۔

دوسری قسم:

آپ ﷺ کے امت پر حقوق۔اس میں چار باب ہیں۔

پہلا باب: آپ ﷺ پر ایمان لانے کی فرضیت اور آپ ﷺ کی اطاعت کے وجوب میں۔اس میں پانچ فصول ہیں۔

دوسرا باب: آپ ﷺ کی محبت کے لزوم میں۔اس میں چھ فصول ہیں۔

تیسرا باب: آپ ﷺ کے حکم کی تعظیم میں۔اس میں سات فصول ہیں۔

چوتھا باب: آپ ﷺ پر درود و سلام کے حکم میں۔اس میں دس فصول ہیں۔

تیسری قسم:

ان امور میں جن کی اضافت آپ ﷺ کی طرف کرنا جائز نہیں ہے اور جن کی اضافت جائز ہے۔ مصنفؒ کے بقول یہ قسم کتاب کا مغز ہے۔ اصل یہ ہے اور ما قبل اس کے لیے تمہید ہے۔ اس میں دو ابواب ہیں۔

پہلا باب: دینی امور کے ساتھ مختص امور میں۔ اسی سے آپ ﷺ کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔ اس میں سولہ فصول ہیں۔

دوسرا باب: آپ ﷺ کے دنیوی احوال میں میں۔ اس میں نو فصول ہیں۔

چوتھی قسم:

آپ ﷺ کی بے ادبی یا آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالی دینے والے کا حکم۔ اس میں دو ابواب ہیں۔

پہلا باب: آپ ﷺ کے حق میں گالی یا تنقیص سمجھے جانے والے الفاظ کے بارے میں۔ اس میں دس فصول ہیں۔

دوسرا باب: آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے والے، بے ادبی کرنے والے کے حکم میں اور اس کی سزا نیز اس کی توبہ قبول کرنے، اس کی نماز جنازہ پڑھنے اور وراثت کے حکم میں۔ اس میں دس فصول ہیں۔

اس چوتھی قسم کے آخر میں بطور تکملہ تیسرا باب ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں، فرشتوں، آسمانی کتابوں، اہل بیت و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنے والوں کے حکم میں بحث کی گئی ہے۔

مصنفؒ آیات قرآنیہ سے استشہاد کرنے کے بعد مختلف تفسیری اقوال نقل کرتے ہیں۔ آخر میں اپنی تفسیر بھی دیتے ہیں، لیکن اس میں اکثر وبیشتر ﷺ کے آداب ومناقب سے متعلق بات کرتے ہیں۔

مصنفؒ احادیث بکثرت لاتے ہیں بلکہ ایک پورا باب ان صحیح اور مشہور احادیث کے لیے مختص کیا ہے جن میں آنحضرت ﷺ کی شان اور خصوصی کمالات کا ذکر ہے۔ کئی جگہوں پر حدیث اپنی سند متصل سے لاتے ہیں۔ تاہم بعض جگہوں پر صرف پہلے راوی کا نام ذکر کرتے ہیں اور ایسی جگہوں پر حوالہ نہیں دیتے۔ مثلاً عن ابن عباس رضی اللہ عنھما وغیرہ۔ بعض دفعہ مصنفؒ راوی کا نام دینے کے بجائے وفی روایۃ، وفی روایۃ اخری، وغیرہ کہہ دیتے ہیں۔ ابواب اور ان کی فصول کے درمیان منطقی ربط ہے۔

مصنفؒ کا انداز استدلالی ہے۔ وہ ایک مسئلہ پر قرآن وسنت سے دلائل لاتے ہیں۔ مختلف روایات کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں۔ پھر اپنے نتائج قاری کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

مصنفؒ کی کتاب کے مجموعی منہج پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے درصل نبی علیہ السلام کی رسالت کے ماننے والوں کے لیے یہ کتاب لکھی ہے۔ ہماری اس بات کی تائید مصنف کے اپنے کلام سے ہوتی ہے جو انہوں نے "الباب الرابع" کے شروع میں بطور تمہید کیا ہے۔

کتبِ دلائل

کتب دلائل میں ان معجزات اور دلائل کو ذکر کیا جاتا ہے جو ﷺ کی نبوت اور سچائی کو واضح کرتے ہیں۔ ابتداء سے محدثین نے اپنی کتب میں دلائلِ نبوت پر مبنی احادیث

طیبہ کو مستقل ابواب میں جمع کیا ہے۔ تاہم اس موضوع پر علمائے اسلام نے مستقلا تصانیف بھی لکھی ہیں۔ ذیل میں ترتیب زمانی کے اعتبار سے ان کاوشوں کا ذکر کرتے ہیں:

1۔ دلائل النبوۃ از محمد بن یوسف الفریابی۔ م212ھ۔ یہ اس موضوع پر پہلی مستقل تصنیف سمجھی جاتی ہے۔

2۔ علی بن المدینی (م225ھ) کی کتاب آیات النبی ﷺ۔

3۔ اعلام النبوۃ از داؤد بن علی اصفہانیؒ (م275ھ)

4۔ اعلام رسول اللہ ﷺ از ابن قتیبہ رحمہ اللہ م276ھ۔

5۔ اعلام النبوۃ از ابن ابی حاتمؒ م327ھ۔

6۔ ابو بکر ابن ابی الدنیا۔ م281ھ کی کتاب۔

7۔ ابو عبد اللہ بن مندہؒ م395ھ کی کتاب۔

8۔ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی م435ھ کی دلائل النبوۃ۔

9۔ قاضی عبد الجبار معتزلی م415ھ کی کتاب تثبیت دلائل النبوۃ، جو اب طبع ہو چکی ہے۔

10۔ ابو العباس المستغفری م432ھ کی کتاب۔

11۔ دلائل النبوۃ للبیہقی 458ھ مشہور کتاب ہے۔ محدث شہیر حافظ ذہبی اس کتاب کے مداح ہیں۔ کتاب میں صحیح، حسن اور موضوع روایات بھی ہیں۔

12۔ اعلام النبوۃ للماوردی م450ھ۔ یہ کتاب مطبوع ہے۔

13۔ ابو القاسم اسماعیل اصفہانی 535ھ کی کتاب۔

14۔ خصائص افضل المخلوقین از عمر بن علی الملقن م804ھ۔

15۔الخصائص الکبری از جلال الدین سیوطی 911ھ۔یہ کتاب مطبوعہ ہے۔سیرت کے مختلف گوشوں، دلائل اور شمائل پر مشتمل ہے۔[1]

ان کتب کے علاوہ عربی اور اردو میں دلائل پر کافی مواد موجود ہے۔ تاہم درج بالا کتب کو اس موضوع پر خاص اہمیت حاصل ہے اور دیگر کتب میں بھی اکثر وبیشتر انہی سے استفادہ کیا گیا ہے۔

1. دلائل النبوۃ:

مؤلف: ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی(336-430ھ)،ناشر: دارالنفائس بیروت۔

الطبعۃ: الثانیہ،1986ء،اجزاءدو

یہ معجزات پر معروف تالیف ہے۔مؤلف نے دلائلِ نبوت اور خصائصِ محمد ﷺ پر منتشر روایات کو جمع کیا ہے۔ذکر کردہ نصوص کی تعداد 535 ہے۔کتاب کو 35 فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔تمام فصول میں ترتیبِ موضوعی کی رعایت ہے۔ہر آنے والی فصل کا ماقبل کی فصل کے موضوع سے ربط ہے۔

ہر فصل کے ذیل میں ضمنی عنوانات ہیں۔اس طرح فصول کو بھی ایک خاص تقسیم سے ترتیب سے تقسیم کیا گیا ہے۔کتاب کی ابتدائی فصل کا عنوان "ذکر ماانزل اللہ تعالیٰ فی کتابہ من فضلہ" اس میں مولف نے نبی ﷺ کے فضائل پر مبنی آیاتِ قرآنیہ ذکر کی ہیں۔

---

[1]۔الزہرانی، ضیف اللہ بن یحی، مصادر السیرۃ النبویۃ ص 52، مجمع الملک فہد، مدینہ منورہ

اخیر میں فصل فی روایة خبرین یشتملان علی جمل من صفاته البدیعة واخلاقه الحمیدة جس میں آنحضرت ﷺ کی پاکیزہ عادات کو بیان کیا ہے۔

محدثین کی طرز پر نصوص کو اپنی سند سے لے کر آتے ہیں۔پہلے فصل کا عنوان قائم کرتے ہیں۔ پھر موضوع فصل پر کلام کرتے ہیں۔ پھر نصوص لاتے ہیں جو ان کے کلام کی تائید کرتی ہیں۔ پھر ترجمۃ الفصل (فصل کے عنوان) میں داخل دوسرے معنی کی وضاحت کرتے ہیں۔ پھر اس کی تائید میں نصوص لاتے ہیں۔ کبھی نص پہلے لاتے ہیں پھر اپنا کلام لاتے ہیں۔ کبھی نص ذکر کرنے کے بعد اس کے الفاظِ غریبہ ومعانی غامضہ (یعنی نامانوس الفاظ اور گہرے معانی) کی تشریح کرتے ہیں۔اس طرح پوری کتاب میں حسنِ ترتیب اور ندرتِ اسلوب ہے۔

2. دلائل النبوۃ ومعرفۃ أحوال صاحب الشریعۃ:

مصنف: احمد بن الحسین ابوبکر البیہقیؒ م 458ھ، ناشر: دارالکتب العلمیۃ بیروت

الطبعۃ الاولیٰ: 1405ھ۔ اجزاء: سات

کتاب کے مصنف امام بیہقیؒ کا شمار کبار علمائے شافعیہ میں ہوتا ہے۔ نیشاپور کی بستی بیہق کے مقام خسرو جرد میں ولادت ہوئی۔ علم حدیث میں بلند مقام رکھتے تھے۔ شافعی مذہب کو آپ کے ذریعے بڑی تقویت ملی۔ حافظ ذہبیؒ کے بقول امام بیہقی اجتہاد پر قدرت رکھتے تھے۔ مشہور تصانیف میں: السنن الکبری، السنن الصغری، دلائل النبوۃ، الترغیب والترہیب، الاسماء والصفات، مناقب الامام الشافعیؒ شامل ہیں۔

کتاب کا منہج:

کتاب محد ثانہ طرز تالیف کا نمونہ ہے۔امام بیہقی اپنی سند سے احادیث لاتے ہیں۔ابتداء میں ایک مستقل فصل قبول اخبار پر قائم کی ہے۔اس میں حدیث کے اخذ و قبول کے بارے میں اہم ہدایات ہیں۔اس کے بعد "فصل فیمن یقبل خبرہ" میں راوی حدیث کے اوصاف لکھے ہیں۔راوی کے صدق،عدل،ضبط وغیرہ کی بحث فرمائی ہے۔

مصنف نے ایک مستقل فصل حدیث مرسل پر قائم کی ہے۔یہ اس کتاب کی ایک نمایاں اور منفرد خصوصیت ہے۔مصنف نے حدیث مرسَل کی دو انواع بیان کی ہیں۔

اول: مرسل احادیث جو کبار تابعین سے لی گئی ہوں۔یہ حضرات حدیث صرف عادل اور ثقہ راوی سے لینے میں معروف ہوں۔جب یہ ارسال کریں تو اگر کوئی دوسری مرسل روایت ان کی موید ہو یا صحابہ میں سے بھی کسی کا قول ان کا موید ہو یا عام اہل علم اس کی طرف گئے ہوں تو ہم ان کی مرسل روایت احکام میں قبول کریں گے۔

دوم: وہ مرسل جو متاخرین تابعین میں سے کسی کی طرف سے ہو،جن کے بارے میں معلوم ہو کہ ان کا اخذ حدیث کا معیار کبار تابعین جیسا نہیں یا خارجی اسباب سے اس حدیث کے ضعف کا پتہ چل رہا ہو تو ایسی حدیث مرسل کو احکام میں قبول نہیں کیا جائے گا۔البتہ فضائلِ اعمال اور مغازی میں قبول کرلیں گے۔کتاب میں ایک مستقل فصل ناسخ اور منسوخ پر بھی ہے۔مصنف کتاب میں 3281 احادیث باسند لاتے ہیں۔مصنف نے کن شرائط کے تحت حدیث کو لیا ہے،اس کا ذکر انہوں نے اپنے مقدمے میں کیا ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے صرف صحیح پر اعتماد کیا ہے۔جہاں کہیں ضعیف حدیث لاتے ہیں

تو اس کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ قصہ معراج کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وقد روی فی قصة المعراج سوی ما ذکرنا احادیث باسانید ضعاف

صحیحین پر اعتماد کرتے ہیں اور اشارہ بھی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ابو داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، ابن ماجہ، مستدرک حاکم، موطا امام مالک سے بھی احادیث لاتے ہیں۔ موسی بن عقبہ اور واقدی سے بھی مغازی کی روایات لیتے ہیں۔ اکثر سیرت ابن اسحاق سے بھی لیتے ہیں۔

بعض رویات ایسی بھی ہیں جو صرف بیہقیؒ کی کتاب میں ہیں اور ان کی سند صرف انہی پر لوٹتی ہے۔ مثلا مدینہ آمد پر بچیوں کے اشعار طلع البدر علینا۔ کبھی ایک جگہ پر واقعہ مختصرا نقل کرتے ہیں دوسری جگہ پورا نقل کرتے ہیں۔ احادیث صحیحین سے نقل کریں تو بتا دیتے ہیں۔ باقی جگھوں پر نہیں بتاتے جماع الابواب کہہ کر ایک عنوان قائم کرتے ہیں پھر اس کے تحت مختلف ابواب لاتے ہیں۔

کتاب کے منہج کو سمجھنے کے لیے مصنف کا مقدمہ اہم ہے، جس میں انہوں نے اپنی شرائط کو بھی بیان کیا ہے۔ اس مقدمے کے اصولی نکات کو سامنے رکھ کر کتاب کو پڑھا جائے تو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

کتاب کا اختتام جماع ابواب مرض رسول اللہ ﷺ ووفات پر کیا ہے، جس میں سید الکونین ﷺ کے مرض الوفات، وصال اور اس میں آپ ﷺ کے صدق پر دلالت کرنے والے آثار وواقعات کا بیان ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک مستقل باب میں آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات اور اولادِ اطہار کے نام اور واقعات ہیں۔

3. اِعلام النبوۃ (للماوردی):

مؤلف: ابوالحسن علی بن محمد البصری البغدادی الشہیر بالماوردی، م450ھ، ناشر: مکتبۃ الھلال، بیروت۔ طباعت اول: 1409ء، اجزاء: 1

امام ماوردیؒ اپنی مشہور و مقبول تصنیف الاحکام السلطانیہ کے حوالے سے معروف ہیں۔ آپؒ امت مسلمہ کے مایہ ناز مفکّر اور سیاستدان تھے۔ آپؒ کا شمار شافعیہ کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے۔ خلافت عباسیہ کے آخری دور میں آپ سیاسی افق کی نمایاں شخصیت تھے۔ آپؒ کو نیشاپور میں قاضی مقرر کر کے روانہ کیا گیا۔ کثرتِ تالیف اور متنوع موضوعات پر لکھنے میں آپ کی شخصیت ممتاز ہے۔ تاہم ہمارے دور میں آپ کی جو تصانیف دستیاب ہیں ان میں چند کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

1: اِعلام النبوۃ 2: ادب الدین والدنیا 3: الحاوی الکبیر

4: الاحکام السلطانیۃ

کتاب کا منہج:

ابتداء میں مولف کا ایک مختصر مقدمہ ہے جس میں انہوں نے کتاب کا اجمالی نقشہ پیش کیا ہے۔ پہلا باب ان ادلہ کے بیان میں ہے جن سے علم حاصل ہوتا ہے۔ مولف نے علم کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ 1: اضطراری 2: اکتسابی

اضطراری تو وہ علم ہے جو عقل کی ہدایت سے ثابت ہو، اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

1: حس ظاہر 2: خبر متواتر

مؤلف کے نزدیک حسی علم عقل سے متاخر ہوتا ہے جبکہ خبر متواتر سے حاصل ہونے والا علم متقدم ہے۔

اکتسابی علم وہ ہے جو نظر واستدلال سے حاصل ہوتا ہے۔یہ علم چونکہ عقل کی ہدایت سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔لہٰذا اس میں دلیل طلب کرنے کا اعترض بھی ہو سکتا ہے۔اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔1: عقلی 2: سمعی

مؤلف نے توحید و نبوت کے ضروری یا عقلی ہونے پر بھی بات کی ہے۔جہاں وہ عقل کو کامل اور ناقص ہونے کے اعتبار سے بھی دیکھتے ہیں۔مؤلف نے عقل کو علم کے آلہ ہونے کے اعتبار سے خاص اہمیت دی ہے۔ابتدائی بحث میں مؤلف نے گویا ایک اصولی بات کر کے بعد میں اسی کی بنیاد پر ابواب قائم کیے ہیں۔کتاب کے کل ابواب اکیس ہیں۔مؤلف کا انداز منطقی اور استدلالی ہے۔وہ ایک مقدمہ قائم کرتے ہیں پھر عقلی اور نقلی دلائل لاتے ہیں اور پھر استدلال کرتے ہیں۔

مؤلفؒ معجزات کے اثبات کے لیے پہلے نبوت کی ضرورت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نبی کی دعوت کی اہمیت دل میں بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

چوتھے باب میں انبیاء کرام علیہم السلام کے فرائض منصبی کی وضاحت کرتے ہیں۔پہلے انبیاء کا تعارف کرواتے ہیں پھر جن لوگوں نے نبوت کا انکار کیا ان کے افکار پیش کرتے ہیں۔اس کے بعد ان منکرینِ نبوت کا عقلی دلائل سے رد کرتے ہیں۔پھر نبوت کے اثبات کے دلائل دیتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی نبوت کے اثبات کے لیے ایک مستقل باب باندھا ہے۔ اس سے پہلے آپ ﷺ سے پہلے گزرنے والے مقدس انبیاء کا بھی تذکرہ ہے۔اس باب کے آغاز میں ہی مولف نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ نبوت محمدی ﷺ کے اثبات میں

کلام ان ہی لوگوں سے ہے جو بعثت انبیاء کے ماننے والے ہیں۔ اس لیے کہ جو بعثت انبیاء کے سرے سے ہی منکر ہیں ان سے اثبات نبوت محمدی ﷺ پر بحث کرنا لاحاصل ہے۔

آنحضرت ﷺ کے معجزات میں سب سے پہلے مؤلف نے اعجازِ قرآنی کو ذکر کیا ہے۔ مؤلف نے معجزہ قرآن کے تین پہلو بطور خاص ذکر کیے ہیں:

اول: ہر رسول کا معجزہ اپنے زمانے کے غالب حالات کے موافق ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کے دور میں فصاحت وبلاغت کا چرچا تھا۔ چنانچہ اس معجزۂ قرآنی کی فصاحت وبلاغت نے دیگر سب کو مغلوب کر دیا۔

دوم: ہر رسول کو جو معجزہ دیا جاتا رہا وہ اس قوم کے فہم واذہان کے بقدر ہوتا تھا۔ عرب تمام لوگوں میں فہیم ذہین اور فصاحت وبلاغت کی نکتہ آفرینیوں میں فائق تھے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کو معجزہ قرآن دیا گیا جس نے عرب کو خطاب کرتے ہوئے ان کے فہم کی رعایت کی۔

سوم: معجزۂ قرآن ہمیشہ باقی رہنے والا اور پھیلنے والا ہے۔

مؤلف نے اعجاز قرآن کے متعدد وجوہ ذکر کیے ہیں جیسے ترکیب لغوی میں اعجاز، معانی میں اعجاز، اسلوب میں اعجاز، دلائل وبراہین میں اعجاز غیب کی خبریں دینے میں اعجاز وغیرہ۔

مؤلف نے آنحضرت ﷺ کے معجزات کو مختلف اعتبار سے مختلف ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ مثلا ان معجزات کے بیان میں جن کا تعلق آپ ﷺ کی عصمت سے ہے۔ ان معجزات کے بیان میں جن کا تعلق آپ ﷺ کے افعال سے ہے۔ ان معجزات کے بیان میں جو پتھروں اور درختوں وغیرہ کے ذریعے ظاہر ہوئے ہیں۔

مؤلف اپنی سند سے واقعہ ذکر نہیں کرتے۔ اکثر جگہ پر ومن آیاتہ ﷺ کہہ کر راوی صحابی کا نام ذکر کرتے ہیں یا پھر واقعہ ذکر کرتے ہیں۔ بسا اوقات کتاب کا حوالہ دیتے ہیں لیکن ایسا بہت کم ہے۔ جنات کے متعلق آیاتِ نبوت کو ذکر کرتے ہوئے پہلے اس بات کی وضاحت کر دیتے ہیں کہ جنات بھی تکالیف شرعیہ کے پابند ہیں۔

مؤلف نے آپ ﷺ کے شمائل، اخلاق وعادات کو نیز آپ ﷺ کے پاکیزہ نسب کو بھی نبوت کی نشانیوں میں سے شمار کیا ہے۔ اس طرح وہ ایک طرف دلائلِ نبوت کو ذکر کرتے ہیں تو دوسری طرف آپ ﷺ کی زندگی کے دیگر گوشوں کو بھی اس انداز سے قاری کے سامنے لاتے ہیں کہ اسے آپ ﷺ کی زندگی کا ہر ہر پہلو منوّر ومعطّر محسوس ہونے لگتا ہے۔

مؤلف نے آپ ﷺ کی بعثت سے قبل کی زندگی کو بھی اس انداز سے پیش کیا ہے جس سے آپ ﷺ کی نبوت پر دلائل قائم ہوتے ہیں۔

نبیءاکرم ﷺ بحیثیت معلمِ اخلاق

اخلاق حسنہ کی تعلیم و تلقین سرکار دوعالم ﷺ کی تشریف آوری کا اہم مقصد تھا۔ایک جگہ خود آپ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد یہ بیان فرمایا:

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ

(تفسیر معارف القرآن، جلد8،بحوالہ ابوحیان)

ترجمہ: مجھے اعلی اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا۔

جن پاکیزہ اخلاق کو امت کی طرف منتقل کرنا تھا، ضروری تھا کہ خود ان اخلاق کو کمال کے ساتھ اس معلم اخلاق ﷺ کو ودیعت کیا جاتا تاکہ امت کے سامنے عملی نمونہ موجود رہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کو عظیم اخلاق کی بلندی پر فائز کیا گیا۔

{ وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ } [القلم: 4]

اس مضمون میں ہمارا مقصد حضور اکرم ﷺ کے ان پاکیزہ اخلاق کا بیان نہیں، بلکہ ان طریقوں کا بیان ہے جن کے ذریعے آپ ﷺ نے اپنی امت کو یہ پاکیزہ اخلاق سکھلائے۔ دوسرے لفظوں میں آپ ﷺ نے اچھے اخلاق کیسے تعلیم کیے؟ یہ مضمون اس کا بیان ہے۔

آپ ﷺ نے تعلیمِ اخلاق کے سلسلے میں حسبِ موقع مختلف اسلوب اختیار فرمائے۔ مخاطب کی نوعیت سامنے رکھتے ہوئے کہیں تو آپ ﷺ نے ترغیبی پہلو اختیار فرمایا اور کہیں ترہیبی (ڈراوے کا) پھر کہیں تو آپ ﷺ نے نرمی سے سمجھا دیا اور کہیں سختی فرمائی۔ اسی طرح کہیں تشبیہوں اور مثالوں کے ذریعے بات کو واضح فرمایا۔ یہاں چونکہ

آپ ﷺ کو معلم اخلاق کی حیثیت سے پیش کرنا مقصود ہے، لہٰذا فقط اسی حوالے سے مثالوں کی روشنی میں بات کریں گے۔

تعلیمِ اخلاق بذریعہ ترغیب:

آپ ﷺ نے متعدد جگہوں پر اچھے اخلاق اپنانے کے فضائل سنائے۔ کسی اچھی صفت کو اس انداز سے بیان فرمایا کہ سننے والوں کو اس کی ترغیب ہونا لازمی ہے، مثلاً:

ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ تم سب میں مجھ کو زیادہ محبوب اور آخرت میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور تم سب میں مجھ کو زیادہ برا لگنے والا اور آخرت میں مجھ سے زیادہ دور رہنے والا وہ شخص ہے جس کے اخلاق برے ہوں۔ بعض صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! ﷺ انسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اچھے اخلاق"

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (پورا) مسلمان ہے تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے تمام مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس سے دوسرے لوگ اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں مطمئن رہیں۔

(مشکوٰۃ، کتاب الایمان)

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم لوگ جنت میں نہیں جاسکتے جب تک کہ مومن نہیں بنتے اور تم مومن نہیں بن سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں ایسا کام نہ بتاؤں کہ جب تم اسے کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو۔ آپس میں سلام پھیلاؤ۔ (ترمذی، 2/ 556، رحمانیہ)

ترہیب(ڈراوا):

کبھی آپ ﷺ نے کسی اخلاقی برائی کے برے نتائج کو اس خوبی سے بیان کیا کہ سننے والے کو اس کا خیال کر کے بھی ہیبت محسوس ہونے لگی، مثلاً:

بنی مخزوم کی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا چوری کے جرم میں پکڑی گئیں۔لوگوں نے حضور ﷺ سے آپ ﷺ کے چہیتے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ذریعے سفارش کرائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے قومیں بھی اس لیے تباہ ہوئی ہیں کہ جب ان میں معمولی لوگ گناہ کرتے تھے تو ان کو اس کی سزا دیتے اور جب بڑے لوگ کرتے تو ان کے حکام سزا کو ٹال دیتے۔(صحیح بخاری، کتاب الحدود،2/ 336،رحمانیہ)

جھوٹ ایک بدترین اخلاقی کمزوری ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ میں۔اور جھوٹ بولتے بولتے آدمی خدا کے ہاں جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔(صحیح بخاری، کتاب الادب،2/ 447،رحمانیہ)

غیبت کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا کہ شب معراج میں میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جس کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بولے یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزت و آبرو لوٹتے تھے۔(ابوداؤد،2/ 326رحمانیہ)

نرمی:

اللہ تعالٰی نے آپ ﷺ کو جس اونچے منصب پر فائز فرمایا تھا اس کی مناسبت سے آپ ﷺ کو سخت اور ناگوار بات کو برداشت کر لینے والی طبیعت دی تھی۔اس وجہ

سے لوگ آپ ﷺ سے وحشت نہیں محسوس کرتے تھے۔ قرآن مجید اس بات کو یوں بیان کرتا ہے:

{وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ} [آل عمران: 159]

یعنی اگر آپ سخت گو، سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے ارد گرد جمع نہ ہوتے۔

چنانچہ کتنے ہی ایسے مواقع پیش آئے جن میں کسی شخص کی بداخلاقی پر حضور ﷺ کے جانثاروں کو غصہ آگیا۔ آپ ﷺ نے نرمی سے اس شخص کو اچھے اخلاق کی تلقین کی، جس کا پاکیزہ اثر سب نے دیکھا۔ مثلا ایک مرتبہ ایک دیہاتی مسجد میں آئے۔ استنجے کی ضرورت معلوم ہوئی تو وہیں مسجد کے صحن میں بیٹھ گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جلدی سے اسے مارنے کے لیے دوڑے۔ آپ ﷺ نے روکا اور فرمایا کہ تم سختی کے لیے نہیں نرمی کے لیے بھیجے گئے ہو۔ پھر اس آدمی کو بلایا اور سمجھایا کہ یہ عبادت کے گھر ہیں، نجاست کے لیے موزوں نہیں۔ یہ اللہ کی یاد اور نماز اور قرآن پڑھنے کے لیے ہیں۔ پھر لوگوں سے فرمایا کہ اس پر پانی بہادو۔ (بخاری، کتاب الادب: 2/ 431رحمانیہ)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنے خادم کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ ﷺ نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ ان صاحب نے پھر وہی عرض کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر روز ستر دفعہ۔ (ترمذی: 2/ 459، رحمانیہ)

سختی:

تعلیمِ اخلاق کے سلسلے میں آپ ﷺ نے بعض اوقات سختی سے اخلاقی برائی کا سدباب کیا۔ مثلا کسی دوسرے کے منہ پر اس کی حد سے زیادہ تعریف کرنا بعض اوقات

اس شخص کو تکبر میں ڈال سکتی ہے۔ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ایک صاحب کو دوسرے کی مبالغہ آمیز تعریف کرتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ تو نے اس کو برباد کر دیا۔ (بخاری: 2/ 421، رحمانیہ)

ایک اور صاحب نے دوسرے کی حد سے زیادہ تعریف کی تو فرمایا: تم نے اپنے ساتھی کی گردن ماردی، اگر تعریف کرنی ہو تو یوں کہو کہ میں یہ گمان کرتا ہوں۔

(أبوداؤد: 2/ 319،رحمانیہ)

وہ قصہ تو مشہور ہے کہ دو عورتیں بھوک کی وجہ سے روزہ توڑنے کے قریب ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے انہیں بلا کر پیالے میں کلی کرنے کا حکم دیا تو ان کے منہ سے گوشت کے لو تھڑے نکلے۔ آپ ﷺ نے انہیں ڈانٹا کہ شرم نہیں آتی! روزہ رکھ کر غیبت کرتی ہو؟

پیچھے ایک عورت کا قصہ گزر چکا ہے جن کی چوری کی سزا میں تخفیف کی سفارش کی گئی تو آپ ﷺ نے لوگوں کو ڈانٹا۔

مثالوں اور تشبیہات سے برے اخلاق کی درستگی:

بعض مرتبہ رسالت مآب ﷺ نے کسی اخلاقی رذیلے کی برائی بیان کرنے کے لیے کوئی بات فرمائی یا کسی قابلِ نفرت وحقیر چیز سے تشبیہ دی۔ غیر محسوس کو محسوس کے ذریعے بیان فرمانے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس اخلاقی برائی سے طبعی نفرت ہونے لگی، مثلاً اپنے مسلمان بھائی کو تحفہ دینا سنت ہے اور پسندیدہ عمل ہے۔اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور دل جڑتے ہیں۔اب اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو کوئی چیز ہدیہ کرے اور پھر واپس لے تو فرمایا کہ یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنے قے کو چاٹے۔

غصہ ایک کیفیت ہے جو اگر حد میں رہے تو آدمی اس کے زیرِ اثر کوئی مفید کام بھی کر سکتا ہے جیسے مال وجان، عزت وآبرو کی حفاظت، لیکن حد سے بڑھ جائے تو فتنہ وفساد کا

سبب ہے۔غصے کی اصلاح کے ضمن میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ آدمی طاقتور نہیں ہے جو لوگوں کو دباتا اور مغلوب کرتا ہو، بلکہ وہ آدمی طاقت ور ہے جو اپنے نفس کو دبا سکتا اور مغلوب کر سکتا ہو۔(مشکوٰۃ)

دورُخی بھی ایک غیر اخلاقی حرکت ہے۔ مختلف لوگوں کے منہ پر مختلف باتیں کرنا اور آپس میں لوگوں کو دھوکہ دینا قبیح فعل ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں جو شخص دورُخا ہو گا اور منافقوں کی طرح مختلف لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں کرتا ہو گا، قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔
(أبوداؤد: 2/ 326،رحمانیہ)

مسلمانوں کے عیب چننا جس سے مقصود ان کی تحقیر ہو نہایت مذموم فعل ہے۔بالخصوص ایسے عیوب چننا اور بھی زیادہ برا ہے جن کا تعلق خلقت (جسمانی بناوٹ) سے ہو، کیونکہ یہ در حقیقت خالق انسان پر اعتراض جارہاہے۔بندہ اپنا رنگ و جسم بدلنے پر تو قدرت نہیں رکھتا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے ایک موقع پر کہا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا یہ عیب کہ وہ ایسی اور ایسی ہے کافی ہے۔(یعنی پستہ قد ہے اور یہ بڑا عیب ہے۔) ﷺ نے فرمایا: عائشہ ! تم نے اتنا برا لفظ منہ سے نکالا ہے کہ اگر اسے سمندر میں گھول دیا جائے تو پورے سمندر کو گندا کر دے۔(أبوداؤد: 2/ 326،رحمانیہ)

ذخیرۂ احادیث میں اور بھی طریقے موجود ہیں جن کے ذریعے آپ ﷺ نے امت کو پاکیزہ اخلاق سکھلائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں استفادہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

نعت

یاد کا عالم عجب ہے سبز گنبد کے مکیں
ساتھ اپنے فضلِ رب ہے سبز گنبد کے مکیں

نام تیرا لے رہا ہوں رحمتوں کا ہو نزول
فیض کا پختہ سبب ہے سبز گنبد کے مکیں

کوبہ کو سنتے ہیں تیری عظمتوں کی داستاں
ذکر تیرا روز وشب ہے سبز گنبد کے مکیں

دل دھڑکتا ہے مدینہ کب نظر میں آئے گا
حوصلہ نہ ہم کو اب ہے سبز گنبد کے مکیں

جام کوثر کا پلانا حشر میں آقا میرے
شافعِ محشر لقب ہے، سبز گنبد کے مکیں

حالِ دل کہتا مگر یہ سوچتا انوآر ہے
نعت میں شرطِ ادب ہے، سبز گنبد کے مکیں

سرکاری مناصب و ذرائع کا ذمہ دارانہ استعمال

(تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں)

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے متنوع، معطر و منور گوشوں کی مہک طبقۂ انسانی کے ہر فرد کے لیے نسیمِ جانفزا ہے۔ حاکم و محکوم، راعی و رعیت، آقا و غلام امیر و مامور کے تعلق کی حیثیت ہو، گھریلو زندگی ہو یا معاشرتی، عرب و عجم، پورب و پچھم سب کے لیے نیرِ تاباں اور مہرِ منیر محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے۔ بقول شاعر

آپؐ ہی کے جلووں سے ہر طرف اُجالا ہے
ظلمتوں سے انسان کو آپؐ نے نکالا ہے

ابتدائے اسلام سے ہی جانثارانِ حبیب، حیاتِ طیبہ کے درخشاں پہلوؤں کو امت کے سامنے لاتے رہے ہیں اور ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے جسے خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک زندہ معجزہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ اس مقالے میں ہم سرکاری مناصب و ذرائع کے ذمہ دارانہ استعمال کے متعلق آپ ﷺ کی تعلیمات و عملی نمونے کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔

جب کوئی آدمی کسی سرکاری منصب پر فائز ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں اسے اپنے کام کی مناسبت سے کچھ اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ یہ اختیارات دیے جانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی انہیں استعمال کر کے متعلقہ ذمہ داری کو ادا کرنے کے قابل ہو سکے، مثلاً تعلیمی ادارے کے سربراہ کو روزانہ آمدن والے ملازمین کو رکھنے یا فارغ کرنے کا اختیار دیا جائے تو اس اختیار دینے سے مقصود یہ ہے کہ سربراہِ ادارہ اپنے ادارے کے تعلیمی معیار کو بہتر بنا سکے۔ سرکاری دفتر میں کام کرنے والے کلرک کو اس بات اختیار دیا جائے کہ وہ

ملازمین کی کارکردگی کی رپورٹ تیار کرتا رہے تو اس کا مقصد ادارے کے نظم و نسق کو بہتر بنانا ہے۔

اختیارات کے ساتھ ساتھ آدمی کو کچھ ایسے ذرائع بھی میسر آجاتے ہیں۔ جو ان اختیارات کے عملی استعمال میں مدد و معاون ہوتے ہیں، مثلاً ٹیلیفون کی سہولت وغیرہ یا دیگر بعض مراعات دی جاتی ہیں جن کی حد بھی ہوتی ہے۔ مثلاً گھر کے کرایہ کی حد، گاڑی کے پیٹرول کی حد وغیرہ۔ سرکاری مناصب و ذرائع کی اس حقیقت پر نظر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سرکاری مناصب و ذرائع کا ذمہ دارانہ استعمال ضروری ہے اور اس میں کوتاہی، خیانت، فریب، دھوکہ دہی اور ظلم کے علاوہ دیگر کئی گناہوں کا مجموعہ بن سکتی ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کیا تعلیمات ارشاد فرمائی ہیں۔

حاکم کی ذمہ داری:

حاکم سے مراد یہاں پر وہ شخص ہے جسے لوگوں پر نگہبان مقرر کیا جائے یا جسے لوگوں کی ضرورت سپرد کی جائے مثلاً انتظامیہ میں عہدہ دیا جائے یا وہ شخص بھی جو پاسپورٹ، شناختی کارڈ کے دفتر، ہسپتالوں یا بیت المال میں مستحقین کی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار بنایا جائے۔ یہ شخص اگر اپنی ذمہ داری اچھی طریقے سے ادا کرے تو اس کے لیے آپ ﷺ کی دعا ہے اور اگر لوگوں کو تکلیف اور پریشانی میں ڈالے تو اس کے حق میں آپ ﷺ کی (نعوذ باللہ) بددعا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو دعا کرتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ جس شخص کو میری امت کے کسی کام کا ولی اور متصرف بنایا

گیا ہو اور وہ میری اُمت پر مشقت اور مصیبت ڈالے تو تو بھی اس پر مشقت اور مصیبت ڈال اور جو شخص میری اُمت پر رحم اور نرمی کرے تو تو بھی اس رحم اور نرمی کر۔[1]

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس بندہ کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے کام کے لیے نگہبانی سپرد کرے اور بھلائی اور خیر خواہی کے ساتھ نگہبانی نہ کرے تو اُن کے ساتھ جنت نہ جاسکے گا۔[2]

منصب کو ناجائز آمدنی کا ذریعہ بنانا:

سرکاری مناصب پر فائز ہونے کے بعد بسا اوقات آدمی کو مال کمانے کے ایسے ذرائع بھی ہاتھ لگ جاتے ہیں جو عرفی اور شرعی دونوں اعتبارات سے مذموم ہوتے ہیں۔ عقل اور شرع کی میزان پر پرکھنے سے ان کی برائی بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ جیسے کوئی پولیس افسر پیسے وصول کرکے مجرم کو چھوڑ دے یا کسی محکمہ میں بھرتی ہونے کے لیے پیسے دیے جائیں یا ایک کام کرنا یوں بھی ذمہ داری میں شامل تھا لیکن اس پر پیسے وصول کرکے کیا جائے۔ یہ تمام صورتیں رشوت اور ناجائز آمدنی کے ذرائع میں شامل ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے رشوت دینے اور اور رشوت لینے والے پر[3]۔ ایک روایت میں اُس شخص

---

[1]۔ صحیح مسلم کتاب الامارہ باب فضیلہ الامام العادل وعقوبۃ الجائر، حدیث:1828

[2]۔ ایضا، حدیث: ۱۴۲

[3]۔ سنن ابی داؤد کتاب الاقضیہ باب کراھیتہ الرشوہ، حدیث:3580

پر بھی لعنت وارد ہوئی ہے جو ان دونوں کے درمیان میں معاملہ ٹھہرانے والا ہو[1]۔ایک جگہ ارشاد ہے کہ رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں دوزخ کی آگ میں جھونکے جائیں گے[2]

عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا:

عدل وانصاف کسی بھی قوم اور ادارے کی بقا اور ترقی کا ذریعہ ہے۔ قرآن وحدیث میں عدل وانصاف قائم کرنے کی تاکید کئی جگہوں پر موجود ہے۔ محکمہ قانون ہو یا دیگر کوئی بھی ادارہ، سرکاری ملازمین کو عدل وانصاف کے تقاضے پورا کرنا ان کی اخلاقی اور شرعی ذمہ داری ہے۔ آپ ﷺ نے عدل وانصاف سے کام لینے والوں کے فضائل سنائے جس سے عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔اس کے برعکس ناانصافی پر سزاؤں کی وعید بھی دی، جس سے ناانصافی سے نفرت وبُعد پیدا ہوتا ہے۔ملک کے بادشاہ اور وزیر اعظم اور حاکم کی حیثیت پوری قوم کے سرپرست کی ہوتی ہے۔لہٰذا سب سے بڑھ کر اسی سے عدل وانصاف کی توقع کی جاتی ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ سات قسم کے آدمی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کی رحمت کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا۔ ان میں ایک عدل وانصاف سے حکمرانی کرنے والا فرمانروا بھی ہو گا۔[3]

---

[1]۔شعب الایمان للبیہقی، قبضۃ الید عن الاموال المحرمۃ، حدیث: 5115

[2]۔اسوۂ رسولِ اکرم ﷺ، 430، بحوالہ المعجم الکبیر للطبرانی۔

[3]۔سنن نسائی، کتاب آداب القضا، باب الامام العادل، حدیث:5380

عدل وانصاف کو اُمت کی خوشحالی کا سبب قرار دیا گیا۔ نبی ﷺ کا ارشاد عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ نقل کرتے ہیں کہ عدل و انصاف کرنے والے قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے [1]۔ ابو ہریرہؓ ارشادِ نبوی نقل کرتے ہیں کہ جب حاکم فیصلہ کرے (اور درست فیصلے کی کوشش کرے) پھر خطا کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے اور اگر درست کرے تو دو اجر ہوں گے [2]۔ عام طور پر تو ظلم کا مطلب یہی سمجھا جاتا ہے کہ طاقتور کمزور کو جسمانی یا ذہنی تکلیف پہنچائے یا اُسے اُس کے جائز حق سے محرم کر دے یا جبراً اس کی چیز اس سے چھین لے۔ اگرچہ یہ سب باتیں ظلم اور گناہ کبیرہ ہیں تاہم ظلم میں ان باتوں کے علاوہ یہ بات بھی شامل ہے کہ آدمی کو سرکاری منصب کے ذریعے جو اختیار حاصل ہو اُسے اس کے محل میں استعمال کرنے کے بجائے کہیں اور استعمال کریں۔ مثلاً اُسے گاڑی ذاتی استعمال کے لیے دی گئی لیکن وہ اُسے اپنے اعزہ اور اقارب کو دے تو یہ ظلم اور خیانت کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ لغت میں ظلم کی تعریف "وضع الشی فی غیر محلہ" (چیز کو اس کے محل کے علاوہ میں رکھنا) ظلم کے مفہوم کی وسعت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مظلوم کی بد دعا سے بچنے کی اس قدر تاکید کی گئی کہ فرمایا مظلوم کی بد دعا جو ظالم کے حق میں ہو بادلوں کے اُوپر اُٹھالی جاتی ہے۔ آسمانوں کے دروازے اس دعا کے لیے کھول لیے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تیری امداد ضرور کروں گا اگرچہ کچھ تاخیر ہو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1]۔ ایضا، حدیث:5379

[2]۔ ایضا:حدیث:5381

ارشاد نبوی نقل کرتے ہیں کہ مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ اسکے اور خدا کی بیچ میں کوئی پردہ نہیں[1]۔

ایک جگہ ارشاد ہے کی قیامت کے دن تین دیوان ہوں گے، ان میں سے ایک بندوں کا ظلم کرنا ہو گا، اللہ اسے نہ چھوڑیں گے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے بدلہ نہ لے[2]۔

ان ارشاداتِ گرامی سے ظلم کی خباثت ظاہر ہے۔ کبھی آدمی خود تو ظلم نہیں کرتا مگر ظالم کی مدد کرتا ہے۔ مثلا ایک جج خود تو ظلم نہیں کرتا مگر اپنے ایک عزیز کے حق میں باوجود ظالم ہونے کے فیصلہ کر دیتا ہے۔ ایک سرکاری عہدہ دار اپنے عہدہ بچانے یا ترقی کی خواہش میں یا مراعات ملنے کی تمنا میں کسی دوسرے عہدہ دار کے ناجائز کام میں اس کی مدد کر دیتا ہے۔ ان سب صورتوں کے متعلق آپ ﷺ کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

مسلم شریف میں ارشادِ نبوی ہے کہ ظلم قیامت کے دن ظلمات (اندھیرے کی صورت میں) ہو گا[3]۔ ایک اور مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ کہلاتا ہے کہ جس کے پاس مال اور متاع نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمت میں بڑا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ سب لے کر آئے گا، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ کسی کو برا بھلا کہا اور کسی پر تہمت لگائی تھی اور کسی کا مال کھالیا تھا اور کسی کا خون کیا تھا اور کسی کو

---

[1]۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب الاتقاوالحذر من دعوۃ المظلوم، حدیث:2448

[2]۔ مشکوٰۃ، کتاب الآداب، باب الظلم، حدیث:5133ھ

[3]۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، حدیث:2578

مارا تھا بس اس کی کچھ نیکیاں ایک کو مل گئیں اور کچھ دوسرے کو مل گئیں اور اگر ان حقوق کے بدلے ادا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو اُن حقداروں کے گناہ لیکر اس پر ڈال دیے جائیں گے اور اس کو دوزخ میں پھینک دیا جائیگا[1]۔

مناصب وذرائع امانت سمجھ کر استعمال کرنا:

سرکاری ملازمین کو جن مناصب اور ذرائع، مراعات وغیرہ سے نوازا جاتا ہے وہ ان کے پاس حکومت کی طرف سے امانتاً سپرد کیے جاتے ہیں پھر حکومت بھی چونکہ عوام کی نمائندہ ہوتی ہے لہٰذا سرکاری مناصب وذرائع عوام کی طرف سے ان کو امانت ہیں۔ عام طور پر امانت کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ آپ کے پاس کسی آدمی نے اپنی کوئی چیز رکھوائی آپ اس چیز کو کسی کمی بیشی کے بغیر مالک کے سپرد کردیں۔ امانت کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے لیکن فقط اتنی سی بات امانت داری کے مفہوم میں شامل نہیں۔ کسی نے آپ کے سپرد کوئی ذمہ داری کی اور آپ نے اس ذمہ داری کو عوض کے بدلے قبول کرلیا تو یہ بھی امانت ہے۔ اسی طرح آپ نے مقررہ اوقات میں اپنے آپ کو ڈیوٹی کرنے کے لیے پیش کردیا تو یہ بھی امانت ہے۔ اب ان اوقات میں اپنی مرضی سے کمی کرنا بھی خیانت ہے۔

نیز جن اوقات کو ضائع کیا ان پر تنخواہ(اُجرت) لینا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ ہم ذیل میں امانت کے متعلق احادیثِ مبارکہ نقل کرتے ہیں۔ نیز عہدوں کے ذمہ دارانہ استعمال میں آج کل جو کثیر پیمانے پر خیانت واقع ہو رہی ہے اور جس کے نتیجے میں انتشار،

---

[1]۔ اَیضاً، صحیح مسلم،، حدیث:2581

انار کی اور نفاقِ عملی دیکھنے میں آرہا ہے اس کے تدارک کے لیے ان تعلیمات کو اپنانے اور عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

عبد الرحمن بن ابی قرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز وضو کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وضو کا پانی لیکر (اپنے چہروں اور جسموں پر) ملنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم کو اس فعل پر کس چیز نے آمادہ کیا اور کونسا جذبہ تم سے یہ کام کرواتا ہے ؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت۔ ان کا جواب سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو یہ خوشی ہو اور وہ یہ چاہے کہ اس کو اللہ اور رسول سے حقیقی محبت ہو یا یہ کہ اللہ اور رسول اس سے محبت کریں تو اُسے چاہیے کہ وہ جب وہ بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو ادنیٰ خیانت کے بغیر اس کو ادا کر دے اور جس کے پڑوس میں اس کا رہنا ہو اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔[1]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا شاید ہی کوئی خطبہ ہو جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہ فرمایا ہو جس میں امانت نہیں اس کا ایمان نہیں اور جس کا عہد مضبوط نہیں اُس کا دین نہیں[2]۔ امانت و دیانت کا وصف اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر محبوب ہے۔ اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے جس میں فرمایا: سچا، امانتدار مسلمان تاجر (قیامت کے دن) شہدا کے ساتھ ہو گا۔[3] آپ ﷺ کی زندگی کا مطالعہ

---

[1]۔ اسوۂ رسولِ اکرم ﷺ، ص:482 بحوالہ شعب الایمان للبیہقی

[2]۔ مشکوٰۃ، کتاب الایمان، حدیث:36

[3]۔ ابنِ ماجہ، کتاب التجارات، باب الحث علی المکاسب، حدیث:2139

کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ دیانت وامانت کا وصف آپ ﷺ کی ذات میں اتنے کامل معیار کے ساتھ موجود تھا کہ آپ ﷺ کے جانی دشمن بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے۔ آپ کو مشرکین نے کاہن و مجنون وغیرہ تو کہہ کر اپنی حماقت پر مہرِ تصدیق ثبت کی، لیکن کوئی مشرک ایسا نہ تھا جو آپ ﷺ کی دیانت وامانت پر شک کرتا ہو۔ لوگ اپنا روپیہ وغیرہ آنحضرت ﷺ کے پاس ہی رکھواتے تھے اور آپ ﷺ کو امین مانتے تھے۔ ہجرت کے موقع پر باہر کفار ناہنجار ننگی تلواریں لیے آپ ﷺ کے مارنے کی فکر میں تھے، لیکن آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بستر پر لٹایا کہ دوسرے روز لوگوں کی امانتیں واپس کرکے چلے آئیں۔

الصادق الامین صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت میں خیانت کرنے پر سخت وعیدیں (ڈراوا) سنائی ہیں۔ بلکہ خیانت کو نفاق کی علامتوں میں سے ایک علامت قرار دیا۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار عادتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ چاروں جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس کا حال یہ ہے کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے اور وہ اسی حال میں رہے گا جب تک کہ اس عادت کو نہ چھوڑ دے۔ وہ چاروں عادتیں یہ ہیں کہ جب اُس کو کسی امانت کا امین بنایا جائے تو اس میں خیانت کرے، جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب کسی سے جھگڑا اور اختلاف ہو تو بدزبانی کرے۔[1] حدیثِ بالا میں خیانت کو منافق کی عادت قرار دیا گیا۔ ہر مسلمان جس کے دل میں اللہ اور اس کے سچے رسول ﷺ کے ارشادات کی قدر ہے نفاق کی خباثت سے

---

[1]۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان خصال المنافق، حدیث:106۔

واقف ہونے کے بعد اپنے عہدے اور اختیارات کے استعمال میں خیانت سے لازمی بچے گا۔بالخصوص جبکہ خیانت کرنے والے کے ساتھ بھی خیانت کو روانہیں رکھا گیا۔ارشادِ گرامی ہے کہ جس شخص نے تمہارے پاس امانت رکھوائی اسے واپس کر دو اور جو تم سے خیانت کا معاملہ کرے، تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو[1]۔البتہ اپنی چیز وصول کرنے کے لیے دوسرے جائز طریقے اختیار کرنے چاہئیں کہ حق بھی مل جائے اور خیانت سے بھی محفوظ رہا جاسکے۔

دوسرے کا مال جبراًلینا:

بسا اوقات جب آدمی کسی منصب پر فائز ہوتا ہے تو وہ تنخواہ کے علاوہ بھی دوسروں کے مال کو غصب کرکے اپنی آمدنی میں اضافے کی فکر میں رہتا ہے۔مثلاً اس کے ذمے لوگوں کی رقومات کی تقسیم تھی اس نے موقع غنیمت سمجھ کر اس میں سے رقم اپنے اکاؤنٹ میں منتقل کرادی۔یادوسرے کی جائیداد، پلاٹ وغیرہ یا حکومتی املاک کو اپنے قبضے میں کرلیا وغیرہ۔یہ اور اس قسم کی دیگر بہت سی صورتیں ہیں جو ناجائز مال دبا لینے کے زمرے میں آتی ہیں۔یہ گناہ ایسے ہیں جو صرف توبہ سے بھی معاف ہونے والے نہیں بلکہ ان میں مالک کو اس کا مال پہنچانا بھی ضروری ہے اور مالک معلوم نہ ہو تو اس کی طرف سے صدقہ ضروری ہے۔ان معاملات میں احتیاط بہت ضروری ہے۔ایک طویل حدیث کا جزو ہے کہ مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لیے قابل احترام ہے۔اس کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو۔[2] ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1]۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی الرجل یاخذ حقه تحت یده، حدیث:3534۔

[2]۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم ظلم المسلم، حدیث:2564۔

نبی علیہ السلام کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق ناجائز طور سے مارلیا تو اللہ نے ایسے آدمی کے لیے دوزخ واجب کردی ہے اور جنت کو اس پر حرام کردیا ہے۔حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا یارسول اللہ!اگرچہ وہ کوئی معمولی ہی چیز ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں اگرچہ جنگلی درخت پیلو کی ٹہنی ہی ہو۔[1] ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے حاکم کے سامنے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس کے ذریعے کسی مسلمان آدمی کا مال مارلے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حال میں پیشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضب ناک اور ناراض ہوں گے۔[2] آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی مسلمان کا مال اس کے دل کی خوشی کی بغیر حلال نہیں [3]۔تمام سرکاری ملازمین بالخصوص وہ جنہیں عوامی رابطہ بھی درپیش رہتا ہے ان ارشادات کو غور سے پڑھیں تو دوسروں کے مال کے ساتھ نہایت ہی احتیاط والا برتاؤ کرنے کی تلقین پائیں گے۔چونکہ یہ معاملہ حقوق العباد کا ہے جو بندوں کے معاف کیے بغیر معاف نہیں کیے جاتے ہیں لہٰذا ان میں ایک ایک پائی کا حساب رکھنا ضروری ہے۔وگرنہ خدشہ ہے کہ جس کا مال دبایا تھا، قیامت کے روز اپنی نیکیوں کا سرمایہ اس کے کھاتے میں چلا جائے گا۔آپ ﷺ کا مبارک ارشاد مسلم شریف کے حوالے سے پیچھے گزرچکا ہے کہ قیامت کے دن امت کا بڑا مفلس وہ ہوگا کہ بڑے اعمال لے کر آئے گا لیکن ساتھ ہی کسی کو برا بھلا کہا تھا کسی پر تہمت لگائی

---

[1]۔ایضا، کتاب الأیمان، باب وعید من اقتطع حق المسلم بیمینٍ فاجر، حدیث:218

[2]۔ایضا،220

[3]۔مشکوٰۃ، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریہ، حدیث:2946۔

تھی، کسی کا مال کھایا تھا وغیرہ۔ لہٰذا اس کی نیکیاں دوسروں کو مل جائیں گی اور اگر ان حقوق کے بدلے ادا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان حقداروں کے گناہ اس پر ڈال کر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

اقرباء پروری سے اجتناب:

سرکاری مناصب و ذرائع کو اقربا پروری کے لیے استعمال کرنے سے بھی اجتناب ضروری ہے۔ پیچھے واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ مناصب ایک امانت کے طور پر سپرد کیے جاتے ہیں اور ان کے بدلے میں تنخواہ کی شکل میں اُجرت بھی دی جاتی ہے۔ ان مناصب واختیارات کو اپنے رشتہ داروں اور تعلق والوں کے حق میں اس طرح استعمال کرنا کہ حق داروں کو محروم کر دیا جائے اور اپنے خاندان اور برادری والوں کو بغیر حق کے نوازا جائے قطعاً ناجائز ہے۔ آج کل یہ وبا عام ہو گئی ہے کہ لوگ انتخابات کے موقع پر ان لوگوں کو ووٹ دیتے ہیں جو کل کو کسی عہدے پر فائز ہو کر ان کے کام کروا سکیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ووٹ ایک امانت کے ساتھ ساتھ شہادت (گواہی) بھی ہے نااہل کے حق میں اپنا ووٹ ڈالنا خیانت اور جھوٹی گواہی ہے۔ بہر حال مناصب اور اختیارات کو جو لوگ دوستوں کی بے جا طرف داری میں استعمال کرتے ہیں، ان کا یہ فعل ناانصافی، ظلم، خیانت اور عصبیت وغیرہ کئی گناہوں کا مجموعہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے باوجود پورا اختیار ہونے کے، اپنے اور اپنے گھر والوں پر دوسروں کو ترجیح دی۔ مال و دولت، غلام باندی تقسیم کرنے کا وقت آیا تو دوسروں کی ضرورتوں کو خود پر مقدم کیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس بہت سی لونڈیاں آئیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ ﷺ کی لختِ جگر، نے آکر خود یا بالواسطہ عرض کی کہ ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے چھالے پڑ گئے ہیں گھر کے کام کاج کے لیے

ان میں سے ایک لونڈی عنایت فرمایئے۔ لیکن آپ ﷺ نے بجائے خادمہ کے اَذکار عنایت فرمادیے۔[1]

غور کرنے کی بات ہے کہ اگر آپ اپنی پیاری بیٹی کو جو اس وقت میں خادم ملنے کی مستحق بھی تھیں کوئی غلام باندی عنایت فرمادیتے تو بے جا نہ ہوتا، لیکن آپ نے اپنی صاحبزادی کے راحت وآرام پر دوسروں کے راحت وآرام کو ترجیح دے کر امت کے لیے عملی نمونہ پیش کر دیا۔

فقیروں کا ملجا، یتیموں کا ماویٰ
ضعیفوں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

سود کی حرمت کا حکم آیا اور آپ نے سودی معاملات کو باطل قرار دیا تو سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباسؓ کے سودی معاملات کو باطل قرار دیا، یوں باقی لوگوں کو نمونۂ عمل دیا۔ حج کے خطبے میں جب جاہلیت کے انتقام مٹانے کا قانون عام نافذ کیا تو سب سے پہلے اپنے خاندان کے ایک فرد کا خون معاف کیا۔ ریاست کی طرف سے جو مختلف محاصل وصول کیے جاتے ہیں، ان میں آپ ﷺ نے اپنے افرادِ خاندان کو باقیوں کے ساتھ شامل رکھا۔ ایک بار ایک معزز خاندان کی خاتون (فاطمہ بنت قیس) مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چوری کا جرم سرزد ہو گیا تو آپ نے ان کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام نے حضرت اسامہ بن زید کے ذریعے سے سفارش کرانا چاہی تو آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے قومیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ جب کوئی معمولی آدمی جرم کرتا تھا تو اس کو اس کی سزا دے دی جاتی تھی مگر جب وہی جرم

---

[1]۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا، باب تسبیح اول النہار وعند النوم، حدیث:80

بڑے رتبہ کے لوگ کرتے تھے تو ان کو چھوڑ دیتے تھے۔ پھر فرمایا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ بھی یہ جرم کرتی تو میں یقیناً اس کا ہاتھ کاٹتا۔[1]

آنحضرت رسول کریم ﷺ امیرِ سلطنت تھے، لیکن اس عہدے کو آپ نے امت کی نفع رسانی کے لیے ہی استعمال فرمایا۔ وصول ہونے والے محاصل (ٹیکس) عشر، خراج وغیرہ کو امت کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال فرمایا۔ زکوٰۃ لینے کو اپنے خاندان کے لیے حرام قرار دیا۔ جبکہ زکوٰۃ دینے میں انہیں بھی شامل کیا۔ حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام میں اسلامی فوج کا سردار بنا کر بھیجا تو فرمایا اے یزید! دیکھو تمہاری رشتے داریاں بہت پھیلی ہوئی ہیں۔ ہو سکتا ہے تم امارت میں اُن کو ترجیح دے ڈالو۔ تمہارے بارے میں مجھے اس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے۔ اس لیے کہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کے معاملات کا والی بنایا جائے اور ان پر کسی شخص کو محض دوستی کی وجہ سے مقرر کر دے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، اللہ اس سے نہ کوئی کفارہ قبول کریں گے نہ بدلہ یہاں تک کہ اسے جہنم میں داخل کر دیں[2]۔ اپنے بارے میں اپنی زبانِ نبوت سے اعلان فرمایا میں تمہیں نہ کچھ دے سکتا ہوں اور نہ کچھ روک سکتا ہوں۔ میں صرف خزانچی ہوں جس موقع پر صرف کرنے کا مجھے حکم دیا جاتا ہے وہاں صرف کرتا ہوں۔[3]

---

[1]۔ ایضا، کتاب الحدود باب قطع السارق الشریف وغیرہ، حدیث:1688

[2]۔ ادب القاضی، ص: 113 بحوالہ المستدرک۔

[3]۔ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارۃ والفیئ، باب فیما یلزم الامام من امر الرعیۃ والعجبۃ عنہ، حدیث:2949

مناصب اور ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے یہ ارشادِ نبوی سامنے رہے تو آدمی کے لیے امانت و دیانت، عدل و انصاف کے تقاضے پورا کرنے آسان ہو جاتے ہیں۔

حرص و طمع سے اجتناب:

حرص و طمع یعنی لالچ کا جذبہ کسی نہ کسی مقدار میں انسانی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ لیکن اس جذبے کو صحیح رخ میں رکھنا ضروری ہے۔ اس کا رخ اگر غلط ہو جائے تو بڑی تباہی رونما ہوتی ہے۔ سرکاری مناصب و ذرائع کے حصول کے بعد بعض دفعہ بندہ حرص اور طمع کا شکار ہو کر ظلم، خیانت اور ناانصافی کا مرتکب ہوتا ہے۔ ترقی کی حرص میں دیگر افسران کی خوشامد کرتا ہے۔ رشوت دیتا ہے یا دوسروں سے رشوت لیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ حرص و طمع سے بچو کہ اسی نے تم سے پہلوں کو برباد کیا، اسی نے ان کو آمادہ کیا تو انہوں نے خون بہایا اور حلال کو حرام سمجھا۔[1] حرص کا جذبہ جب ترقی کرتا ہے تو بخل کو جنم دیتا ہے جو انسان کو ضرورت کی جگہ پر لگانے سے بھی روکنے کی تعلیم کرتا ہے۔ ابوداؤد شریف کی ایک حدیث میں بخل کی خاص مذمت فرمائی گئی ہے[2]۔

تحائف اور ہدایا کے وصول کرنے میں احتیاط:

سرکاری منصب پر فائز ہو جانے کے بعد آدمی کو بہت سے معاملات میں حزم واحتیاط کی ضرورت ہے۔ اکثر جگہوں پر افسران بالا کو ماتحتوں کی جانب سے یا اپنے ہی ہم منصب دیگر عہدے داران کی جانب سے تحائف دینے دلانے کا سلسلہ ہے۔ اکثر ان

---

[1]۔ صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ والادب، باب تحریم الظلم، حدیث: 2578

[2]۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد باب الجراۃ والجبن، حدیث: 2511

ہدایا(Gifts) کے پیچھے کار فرما جذبہ اپنے موجودہ یا آئندہ کام نکلوانے کا ہوتا ہے۔بسااوقات ان تحائف کی ابتدا تو دوسرے کا دل خوش کرنے کے لیے ہوتی ہے لیکن مآلِ کار اپنی فاسد اغراض کے پورا کرنے کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔پھر بسااوقات یہ تحائف اور دعوتیں اپنے خرچ پر نہیں ہوتیں بلکہ سرکاری خرچے پر ہی ہوتی ہیں جو اور بھی قبیح ہے۔ان تمام جگہوں پر سرکاری ملازمین کو پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے جو "تقویٰ" کی تشریح ہے۔ایسے موقع پر علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر یاد رکھنا چاہیے۔شعر

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

بعض مرتبہ اپنے منصب کی ذمہ داریوں کے سلسلے میں آدمی کسی دوسری جگہ جاتا ہے تو لوگ اسے تحائف پیش کرتے ہیں۔ان تحائف کے وصول کرنے میں بھی بڑی احتیاط درکار ہے۔ذیل میں سیرت نبوی سے واقعہ پیش کرتے ہیں:

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضوراکرم ﷺ نے ایک آدمی کو صدقات (عشر، زکوٰۃ) وصول کرنے کے لیے بھیجا۔وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ! یہ مال اور جانور تو آپ کے ہیں اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔حضور ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تم اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھ کر کیوں نہیں دیکھ لیتے کہ تمہیں ہدیے ملتے ہیں یا نہیں۔شام کو حضور ﷺ بیان کے لیے کھڑے ہوئے پہلے کلمہ شہادت پڑھا۔پھر اللہ کے شایان شان تعریف کی پھر فرمایا اما بعد! صدقات کی وصولی کے لیے جانے والے کو کیا ہوا؟ ہم اسے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجتے ہیں وہ واپس آکر ہمیں کہتا ہے یہ تو آپ لوگوں کے کام کی وجہ سے مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔وہ

اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھ کر کیوں نہیں دیکھ لیتا کہ اُسے ہدیے ملتے ہیں یا نہیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے! تم میں سے جو آدمی بھی صدقات کے مال میں تھوڑی سے بھی خیانت کرے گا اور صدقات کے جانوروں میں سے کچھ بھی لے گا وہ اُسے اپنی گردن پر اُٹھائے ہوئے قیامت کے دن لائے گا۔ اُونٹ، گائے اور بکری جو لیا ہو گا اُسے گردن پر اُٹھائے ہوئے لائے گا، اور ہر جانور اپنی آواز نکال رہا ہو گا۔ میں نے (پیغامِ خدا) پہنچا دیا ہے[1]۔

اس سے بھی زیادہ نازک و پُر خطر صورتحال ان لوگوں کو پیش آتی ہے جن کا کام عدالتی فیصلے کرنا اور لوگوں کے تنازعات کو حل کرنا ہے۔ ان کو لوگوں کے تحفوں کی قیمت بسا اوقات غیر منصفانہ فیصلوں اور ظالمانہ قضا کی صورت میں چکانا پڑتی ہے۔ اسی لیے فقہائے کرام نے قاضی (جسٹس) وغیرہ کے لیے قاضی بننے کے بعد تحائف لینے کو منع کیا ہے۔ ذیل میں ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی کتاب ''ادب القاضی'' سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔ اصل میں یہ اقتباس علامہ ماوردیؒ کی احکام السلطانیہ کا ترجمہ ہے جس پر عنوان ڈاکٹر غازی مرحوم کا ہے:

قاضی کو فریقِ مقدمہ سے یا اپنے عملے والے سے ہدیہ لینا جائز نہیں کیونکہ عملے والا بھی اپنی کسی غرض کے لیے دیتا ہے۔ آپ ﷺ سے روایت ہے کہ حکام کے تحفے ان کی گردن کے بمنزلہ طوق ہیں۔ اگر قبول کرنے کے بعد فورا ان کی مکافات کر دیں تو مالک ہو جائیں گے اور اگر فوراً مکافات نہ کریں اور دینے والے کو واپس دینا بھی دشوار ہو جائے تو بیت

---

[1]۔ صحیح مسلم کتاب الامارہ باب تحریم ہدایا العمال حدیث نمبر:1832

المال میں داخل کر دیے جائیں کیونکہ قاضی کے مقابلے میں بیت المال ان تحائف کا زیادہ مستحق ہے[1]۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں تو آپ ﷺ نے صاف صاف بیان فرما دیا کہ حاکموں اور افسرانِ بالا کو دیے جانے والے تحفے دھوکہ دہی اور ہیرا پھیری پر مشتمل ہوتے ہیں:

ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا! حکام کو دیے جانے والے ہدایا اور تحائف ناجائز مال ہیں۔[2]

اس حدیثِ پاک میں امیر کو دیے جانے والے تحائف کو غلول قرار دیا گیا جس کا مطلب دھوکہ دہی سے کمایا ہوا مال ہے۔ چونکہ عموماً حکام اور امیر کو جو تحائف دیے جاتے ہیں وہ نام تو تحفوں کا لیے ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں کام نکلوانے کی رشوت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کا لینا دینا رشوت کی طرح حرام ہو گا۔ البتہ کوئی شخص پہلے سے تحفے دیتا تھا تو اب بھی اس کا ہدیۂ محبت و خلوص قبول کیا جا سکتا ہے۔

تعیّشات (عیش پسندی) سے اجتناب:

سرکاری مناصب اور ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے فضول خرچی اور عیش پسندی سے بچنا چاہیے۔ اس سے سرکاری خزانہ پر بوجھ بھی کم ہو گا اور تکبر، عجب وغیرہ جیسی نفسانی آلائشوں سے بھی بچا جا سکے گا۔ آپ ﷺ نے امت کے سامنے سادگی کے عملی نمونے قائم فرمائے جس کی کچھ مثالیں ذیل میں درج ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

---

[1]۔ ادب القاضی، 365، ادارہ تحقیقات اسلامی۔

[2]۔ السنن الکبری للبیہقی، ص233، ج10، حدیث:20474

حضور اکرم ﷺ اپنے اصحاب سے مصافحہ میں پہل کرتے اور کبھی اپنے اصحاب میں پاؤں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھے گئے جس سے اوروں پہ جگہ تنگ ہو جائے۔ جو آپ ﷺ کے پاس آیا اس کی خاطر کرتے اور بعض اوقات اپنا کپڑا اُس کے بیٹھنے کے لیے بچھا دیتے اور گدّا تکیہ خود چھوڑ کر اُس کو دے دیتے۔[1]

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ آپ ﷺ کا یہ سلوک اس وقت تھا جبکہ کوئی آدمی آپ ﷺ کے پاس بطور شاگرد یا مرید استفادہ کے لیے حاضر ہوتا۔ عام معاملات میں بطور امیر آپ ﷺ کا رویہ اس سے مختلف تھا۔ اس لیے آپ ﷺ کی سیرت سے سادگی کے چند اور نمونے پیش کیے جاتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کے نزدیک حضور اکرم ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی شخص دنیا میں نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہ آپ کو دیکھ کر اس لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ آپ کو یہ بات پسند نہ تھی۔[2]

ایک مرتبہ ایک سفر میں چند صحابہ نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ کیا اور کام تقسیم کر لیے۔ ایک نے اپنے ذمے بکری ذبح کرنا لیا، دوسرے نے کھال نکالنا اور کسی نے پکانا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پکانے کے لیے لکڑی اکٹھا کرنا میرے ذمے ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کام ہم خود کر لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کو بخوشی کر لوگے۔ لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں مجمع میں ممتاز

---

[1] ۔ نشر الطیب بحوالہ شیم الحبیب، ص:166۔

[2] ۔ شمائل ترمذی، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ، ص:197۔

رہوں اور اللہ تعالیٰ بھی اسے ناپسند فرماتے ہیں۔[1] ایک مرتبہ فاروقِ اعظم نے بر سرِ منبر لوگوں سے ارشاد فرمایا: لوگو! تواضع اختیار کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے، فرماتے تھے جس نے اللہ کے لیے خاکساری کا رویہ اختیار کیا تو اللہ اس کو بلند درجہ عطا کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اپنے خیال اور اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہو گا لیکن عام بندگانِ خدا کی نگاہ میں اونچا ہو گا۔ اور جو کوئی تکبر اور بڑائی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرا دے گا جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و حقیر ہو جائے گا، اگرچہ خود اپنے خیال میں بڑا ہو گا لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتوں اور خنزیروں سے بھی زیادہ ذلیل، حقیر و بے وقعت ہو جائے گا[2]۔

حسنِ اخلاق کا مظاہرہ:

بعض سرکاری ملازمین ایسے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں جن میں لوگوں سے بکثرت رابطہ رہتا ہے۔ انکے فرضِ منصبی میں یہ بات بھی شامل ہوتی ہے کہ لوگوں کی شکایات سنیں یا قومی فرائض کی ادائیگی میں ان کی مدد کریں، مثلاً ویزہ، شناختی کارڈ، پاسپورٹ، ہسپتال، عدالت وغیرہ کے عملے کو بکثرت مختلف النوع افراد سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس قسم کی صورتحال میں اگرچہ طبیعت میں جھنجھلاہٹ پیدا ہونا فطری ہے۔ لیکن اس کے نتیجے میں ہاتھ یا زبان سے اس کا اظہار کر کے دوسرے کی بے عزتی کرنا جائز نہیں۔ اگر کوئی آدمی سختی کے

---

[1]۔ خصائل نبوی، ص:195

[2]۔ مشکوٰۃ، کتاب االآداب، باب الغضب والکبر، حدیث:5119۔

بغیر بات ماننے کو بالکل تیار ہی نہ ہو تو وہ ایک استثنائی صورت حال ہو گی لیکن عام طور پر شائستگی، نرمی اور حسنِ اخلاق کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری وصیت مجھے یہ کی تھی جبکہ میں اپنا پاؤں اپنی سواری کی رکاب میں رکھ چکا تھا: لوگوں کے لیے اپنے اخلاق بہتر بناؤ یعنی بندگانِ خدا کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ[1]۔ کسی اونچے منصب پر فائز ہو جانے کے بعد ایسا انداز اختیار کرنا جس کی وجہ سے عام لوگ اپنی ضروریات تک پہنچانے سے محروم ہو جائیں، طریقۂ نبوی کے خلاف ہے۔ بلکہ حاکم اور ذمہ داران تک اگر ضرورت مند کی رسائی ناممکن بنادی جائے تو معاشرے میں طرح طرح کے مظالم وجود پاتے ہیں۔

اس ضمن میں آپ ﷺ کا اُسوۂ حسنہ ملاحظہ فرمائیں: ایک مرتبہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اس پر اس قدر رعبِ نبوت طاری ہوا کہ جسم میں رعشہ پڑ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ڈرو نہیں، میں تو اسی عورت کا لڑکا ہوں جو خشک کیا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔[2] متعدد احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے بدو آتے اور بارگاہِ نبوی کے آداب سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے ساتھ بلا تکلف گفتگو شروع فرما دیتے۔ آپ ﷺ خوش دلی سے ان کی بات سنتے اور جواب دیتے۔ آنحضرت ﷺ کے سیرت نگاروں نے آپ ﷺ کی مبارک صفات میں نرمی اور شفقت کو بھی شمار کیا ہے۔ ایک مرتبہ ابو مسعود انصاریؓ اپنے غلام کو پیٹ رہے تھے۔ اتفاق سے

---

[1]۔ مؤطا امام مالک، حسن خلق، حدیث: 3350

[2]۔ سیرۃ النبوی، ص ۷۴، ج ۷ بحوالہ مسند اسود بن شریح۔

رسولِ اکرم ﷺ اس موقع پر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے رنجیدہ ہو کر فرمایا: ابو مسعود اس غلام پر تمہیں جس قدر اختیار ہے، اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ اختیار ہے۔ [1]

اخلاقِ حمیدہ کی علمی و عملی تربیت دینے کے ساتھ آپ ﷺ نے کامل درجے کا مسلمان اسے قرار دیا جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ [2]

تری صورت، تری سیرت، ترا نقشہ، ترا جلوہ
تبسّم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

نظم وضبط کی پابندی:

نظم وضبط کا فقدان ہمارا اجتماعی المیہ ہے۔ ایک اسلامی نظریاتی مملکت کے لیے نظم وضبط کا اُصول بقاو استحکام کا ضامن ہے۔ نظم وضبط کی پابندی سے جہاں خود کو راحت ملتی ہے، وہیں دوسرے بھی بہت سی تکلیفوں سے بچ جاتے ہیں۔ سرکاری منصب و ذرائع کا ذمہ دارانہ استعمال نظم وضبط کے بغیر ممکن نہیں۔ دفتری اوقات کی پابندی، متعلقہ اُمور کو وقت پر نمٹانا، دوسرے لوگوں کی ضروریات خوش اسلوبی سے پوری کرنا اور ان کے اوقات کو ضائع ہونے سے بچانا وغیرہ تمام باتیں نظم وضبط کے ذریعے ہی ممکن ہیں۔ نظم وضبط کی اہمیت یوں تو تمام دنیا میں مسلم ہے لیکن ایک حقیقی مسلمان کی زندگی نظم وضبط کی عملی تصویر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس کے امام اور آقا ﷺ کی پوری زندگی نظم وضبط سے عبارت ہے۔

---

[1]۔ ابو داؤد کتاب الادب باب حق المملوک، حدیث: 5159۔

[2]۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، حدیث: 10

نماز کے اوقات سے لے کر روزہ، حج، زکوٰۃ کے نظامِ عبادات کو دیکھ لیں، افرادِ خانہ کے ساتھ معاملات سے لے کر معاشرتی سطح پر آنحضرت ﷺ کے لیل ونہار کو ملاحظہ کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ آپ ﷺ کی زندگی ایک مرتب نظامِ حیات لیے ہوئی تھی۔ دین ودنیا کی جامعیت واعتدال، ہر شخص کے ساتھ اُس کے مرتبے کے موافق معاملہ، تعلیمِ کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفوس کے فرائض کی بجاآوری آپ ؐ کی سیرت میں انتہائی مناسب وباکمال انداز میں جلوہ گر ہیں۔ ذیل میں اس کی کچھ جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

آپ ﷺ کا ہر معمول اعتدال کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس میں بے انتظامی نہیں ہوتی تھی (کہ کبھی کسی طرح کرلیا، کبھی کسی طرح کرلیا)۔ لوگوں کی تعلیم میں مصلحت کو پیش نظر رکھتے، اس میں غفلت نہ فرماتے، اس احتمال سے کہ اگر اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو بعض تو خود دین سے غافل ہو جائیں گے یا بعض اُمورِ دین میں اعتدال سے زیادہ مشغول ہو کر دین سے اکتا جائیں گے۔ ہر حالت کا آپ ﷺ کے ہاں ایک خاص انتظام تھا۔[1] یہ تو عام اُمت کے سامنے آپ کا معمول تھا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے اپنے گھر میں رہنے کے اوقات کو منظم انداز میں تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہوا تھا۔ حضرت حسن بن علیؓ اپنے والدِ گرامی سیدنا علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے گھر میں رہنے کے اوقات کو تین حصوں پر تقسیم فرمایا ہوا تھا:

۱۔ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے۔

۲۔ ایک حصہ اپنے گھر والوں کے معاشرتی حقوق ادا کرنے کے لیے۔

۳۔ ایک حصہ اپنے نفس کی راحت کے لیے۔

---

[1]۔ نشر الطیب، ص:137 بحوالہ شیم الحبیب۔

پھر اپنے حصے کو اپنے اور لوگوں کے درمیان میں تقسیم فرمادیتے تھے۔(یعنی اس حصہ میں بھی اُمت کے بھلائی کے لیے وقت صرف فرمادیتے تھے)[1]

گھریلو اور مجلسی زندگی کے علاوہ آپ ﷺ کی دعوتی اور جہادی سیرت کا مطالعہ کرنے سے بھی نظم وضبط کی خاص پابندی سامنے آتی ہے۔ دعوت کے میدان میں آپ آنے والے وفود کی جس منظم انداز میں تدریجاً ذہن سازی فرماتے ہیں اور اطراف عالم میں اپنے نمائندوں کو خطوط دے کر روانہ فرماتے ہیں، ایسے ہی میدان جہاد میں آپ ﷺ جس منظم انداز میں دستے ترتیب دیتے ہیں، سب کتبِ سیرت میں مندرج ہیں۔ استقامتِ عمل بھی نظم وضبط ہی کا ایک جزو ہے۔ آپ ﷺ اپنے تمام کاموں میں اس اصول کی پابندی فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ کو وہ عمل پسند ہے جو ہمیشہ کیا جائے چاہے کم ہی کیوں نہ ہو۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کے نزدیک زیادہ محبوب عمل کون سا تھا۔ جواب دیا کہ جو مستقل طور پر کیا جائے۔[3]

الغرض آنحضرت ﷺ کے تمام کاموں کا ایک وقت مقرر تھا جس کی آپ پابندی فرماتے تھے۔ نماز، تسبیح، موقع محل کے اذکار اور دعائیں، نوافل، ازواج مطہرات کے پاس جانے کی باری، تمام کاموں کا آپ ﷺ کے ہاں ایک نظام الاوقات تھا جسے آپ

---

[1]۔ شمائل ترمذی، باب ماجاء فی تواضع فی رسول اللہ ﷺ، ص199۔

[2]۔ بخاری، کتاب اللباس باب الجلوس علی الحصیر، حدیث:5861

[3]۔ مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلوۃ، باب القصد فی العمل، حدیث:1242

نبھاتے تھے۔ آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے یہی اجزا ہیں جنہیں اُمت کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا گیا اور اب وہی مسلمانوں کی زندگی کا دستور العمل ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ ﷺ کی تعلیمات اور عملی نمونے کی روشنی میں مناصب اور ذرائع کے ذمہ دارنہ استعمال کی توفیق دیں۔ آمین۔

تنگ آجائے گی اپنے چلن سے آخر دنیا
تجھ سے سیکھے گا زمانہ، ترے انداز کبھی

[1]۔ سیرۃ النبی ﷺ، ص: 174، حصہ دوم۔

مراجع و مصادر

۱۔۔۔بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع المسند، دار طوق النجاۃ، طبع اول:1422ھ۔

۲۔۔۔ بیہقی، احمد بن حسین، شعب الایمان، مکتبہ الرشد، ریاض، طبع اول: 1423ھ۔

۳۔۔۔ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، مکتبہ و مطبع مصطفی البابی الحلبی، مصر، طبع: 1975ء۔

۴۔۔۔ تھانوی، محمد اشرف علی، نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب، آرائیں پبلیشرز، لاہور۔

۵۔۔۔حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، المستدرک علی الصیحین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول:1411ھ۔

۶۔۔۔ سجستانی، سلمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، المکتبہ العصریہ، بیروت۔

۷۔۔۔ طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ، طبع دوم۔

۸۔۔۔عارفی، عبد الحئی، اسوۂ رسولِ اکرم ﷺ، ادارہ اسلامیات، لاہور۔

۹۔۔۔غازی، محمود احمد، ادب القاضی، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع دوم: 1993ء۔

۱۰۔۔۔ قاری، ملا علی بن سلطان، مرقاۃ المفاتیح، دار الفکر، بیروت، طبع: 1422ھ

۱۱۔کاندھلوی، محمد زکریا مہاجر مدنی، خصائلِ نبوی، مکتبۃ الشیخ، کراچی۔

۱۲۔۔۔کاندھلوی، محمد یوسف، حیاۃ الصحابہ، کتب خانہ فیضی، لاہور۔

۱۳۔۔۔مالک بن انس، موطا امام مالک، مؤسسۃ زائد بن سلطان، ابو ظبی، امارات، طبع اول:1425ھ۔

۱۴۔۔۔ مسلم بن حجاج نیشاپوری، صحیح مسلم، دار احیاء التراث، بیروت، سنِ طبع ندارد

۱۵۔۔۔ندوی، سید سلیمان، سیرۃ النبی، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، طبع:1991ء۔

نعت

وہ نبیوں میں اعلیٰ، رسولوں میں یکتا
ستاروں میں جیسے قمر ہے دمکتا

کوئی ان کا ثانی تو لا کے دکھائے
وہ جانِ جہاں ہے، جہاں میں چمکتا

وہ کیفِ محبت تھا خیر الوریٰ کا
کہ منبر بنا تو ستوں تھا بلکتا[1]

ہری دل کی کھیتی کو کرتا گیا تھا
وہ رحمت کا بادل جدھر بھی لپکتا

---

[1] ۔اس مشہور واقعے کی طرف اشارہ ہے، جب آنحضرت ﷺ کی جدائی میں ایک تنا رو پڑا تھا۔
(صحیح بخاری، کتاب المناقب، حدیث:3584)

گھریلو جھگڑوں کا حل سنتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

پر سکون گھریلو فضا ہر شخص کی ضرورت بھی ہے اور چاہت بھی۔ ایک شخص باہر رہ کر جن رویوں کا اظہار کرتا ہے ان کی تشکیل میں اس کی خانگی زندگی کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ ہمارے دور میں گھریلو ناچاقیاں اور خانگی تنازعات عام ہو چکے ہیں۔ بہت سے گھروں میں ذہنی تناؤ کا ماحول رہتا ہے اور ایک دوسرے سے شکایات بھی رہتی ہیں۔ ان کے اسباب پر سرسری نظر ڈالی جائے تو یہ باتیں سامنے آتی ہیں۔

1: مزاجوں کا اختلاف

2: دلوں میں کینہ وحسد

3: پیٹھ پیچھے برائیاں

4: توقعات پر پورا نہ اترنا

5: مالی حقوق کا نہ ملنا

6: بعض ایسے گناہوں میں مبتلا ہونا جن سے افرادِ خانہ کے دل ٹوٹتے ہیں اور اللہ تعالٰی کی رحمت سے دوری ہوتی ہے۔

گھریلو زندگی کو پر سکون بنانے کے لیے اگرچہ مختلف لوگوں نے اپنی فہم کے مطابق طریقے تجویز کیے ہیں، لیکن جو طریقے سرکارِ دوعالم ﷺ نے بتلائے اور عملا اپنی زندگی میں انہیں کر کے دکھایا، وہ مفید ترین بھی ہیں اور سہل بھی۔ ہم اپنے مضمون میں رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت اور تعلیمات سے اس بات کو ثابت کریں گے۔ آیئے دیکھتے

ہیں کہ سیرتِ طیبہ اور تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں گھریلو جھگڑوں سے کس طرح چھٹکارا پایا جا سکتا ہے:

سلام.......... دلوں میں محبت پیدا کرنے کا نسخہ:

دو مسلمان جب آپس میں ملیں تو ایک دوسرے پر سلامتی بھیجیں یعنی اللہ تعالیٰ سے دوسرے مسلمان کے لیے سلامتی طلب کریں اور سلام کے ذریعے سے دوسرے کو اپنے شر سے بچنے کی یقین دہانی کرادیں۔ آنحضرت ﷺ کو سلام کا بڑا اہتمام رہتا تھا، کسی سے ملاقات کے لیے جاتے تو تین مرتبہ سلام کر کے داخلے کی اجازت طلب فرماتے۔ اگر جواب نہ ملتا تو واپس تشریف لے جاتے۔ سلام کو آپ ﷺ نے دلوں میں محبت پیدا کرنے کا ذریعہ قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ مومن نہ بن جاؤ اور تم مومن نہیں بن سکتے جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم کرنے لگو تو آپس میں محبت کرنے لگو، آپس میں سلام کو عام کرو۔
(مشکوۃ، 397، مدنیہ)

ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کون سا اسلام بہترین ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور سلام کرو، جاننے والے اور نہ جاننے والے پر۔
(مشکوۃ، 387، مدنیہ)

سلام کی ترغیب میں ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: وہ آدمی خدا سے زیادہ قریب ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔ (ابو داؤد)

آپ ﷺ نے سلام کی تاکید کی کہ گھر سے باہر جاؤ تو گھر والوں پر سلام کر کے رخصت ہو۔(مشکوٰۃ،399،مدنیہ)

ان ارشاداتِ گرامی سے واضح ہوا کہ گھر میں داخل ہو کر اپنے اہل وعیال، والدین، بھائی بہن وغیرہ کو سلام کرنا چاہیے اور سلام میں پہل کرنی چاہیے۔ نیز اس عمل سے اللہ تعالیٰ افرادِ خانہ کے دلوں میں ایک دوسرے سے محبت پیدا فرمادیں گے۔ یہاں ہم گھر میں داخل ہونے کی سنتیں ذکر کرتے ہیں تاکہ ان کا اہتمام کر کے گھروں کو نمونہ جنت بنایا جاسکے۔گھر میں داخل ہوتے وقت مندرجہ ذیل دعا کا اہتمام کرنا چاہیے:

"اللّٰهم انِّی اسئلكَ خیرَ المَولَج وخیرَ المخرَجِ بسم الله ولَجْنا وبسم اللهِ خرَجْنَا وعلی اللهِ ربِّنا توکّلنا" (حِصن حصین)

ترجمہ:اے اللہ ! میں تجھ سے اچھا داخل ہونا اور اچھا نکلنا مانگتا ہوں۔ہم اللہ کا نام لے کر داخل ہوئے اور اللہ کا نام لے کر ہی نکلے۔اور ہم نے اپنے پروردگار اللہ پر ہی بھروسا کیا۔

اس کے بعد گھر والوں کو سلام کریں۔گھر میں داخل ہوتے وقت کوئی نہ کوئی ذکر اللہ کرتے رہنا چاہیے۔

چھوٹوں کی بڑوں کے لیے تعظیم اور بڑوں کی چھوٹوں پر شفقت:

گھریلو جھگڑوں کا ایک بڑا سبب چھوٹوں کا بڑوں کی تعظیم نہ کرنا اور بڑوں کی طرف سے چھوٹوں پر شفقت کا نہ ہونا ہوتا ہے۔یوں تو ہر مسلمان سے ہی اچھا معاملہ کرنا پسندیدہ ہے، لیکن وہ لوگ جو اہل حقوق ہیں، جن کے ساتھ ہماری قرابت داری بھی ہے اور جن کے حقوق کو قرآن وحدیث میں بیان کر دیا گیا ہے، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا تو بطورِ خاص مطلوب و محمود ہے۔گھروں میں رہنے والے بڑے جیسے والدین یا ان کے والدین، بڑے

بہن بھائی وغیرہ کے ساتھ ادب اور عظمت کا معاملہ کرنے سے ان کو چھوٹوں پر خود بخود شفقت والفت ہو گی۔ دوسری طرف چھوٹے جیسے اولاد یا ان کی اولاد، چھوٹے بہن بھائی پر شفقت کرنے سے ان کے دلوں میں بڑوں کے لیے عظمت پیدا ہو گی۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے وہ ہمارے طریقے کا نہیں۔ (مشکوٰۃ، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، حدیث: 4970)

رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ کے اعزاز میں سے مسلمان بوڑھے کا اکرام کرنا ہے۔

(مشکوٰۃ، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، حدیث: 4972)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا سب سے بہترین عمل کون سا ہے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ ہو؟ فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا، عرض کیا پھر؟ فرمایا: ماں باپ سے اچھا برتاؤ کرنا، عرض کیا: پھر؟ فرمایا: جہاد کرنا۔ (بخاری و مسلم)

آپ ﷺ کو افراد خانہ کے حقوق کی ادائیگی کا کس قدر اہتمام تھا۔ اس کا پتہ اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان حقوق کی تقسیم میں انصاف فرماتے تھے۔ اس کے باوجود یہ فرماتے کہ اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے۔ مجھے ان چیزوں میں ملامت نہ کرنا جو خالص تیرے قبضے میں ہیں اور میرے قبضے میں نہیں (یعنی محبت)۔

حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ ﷺ کو بچپن میں کھلایا پلایا تھا اور آپ ﷺ کی رضاعی ماں بننے کا شرف حاصل کیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھی خاتون آئی تو آپ ﷺ نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا اور اپنی چادر اس کے بیٹھنے

کے لیے بچھا دی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خاتون آپ ﷺ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خادم تھے۔ دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت میں رہے، لیکن خود فرماتے ہیں نہ آپ ﷺ نے مجھے کبھی مارا نہ جھڑکا۔ یہ اس ہستی کے اخلاق ہیں جس کے ہم نام لیوا ہیں۔ ان اخلاق کو اپنے گھروں میں برت کر ہر قسم کے جھگڑوں سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔

دل صاف رکھنا:

تنازعات کی ایک بڑی وجہ دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کینہ، حسد بغض اور اسی طرح دوسرے فاسد جذبات کا موجود ہونا ہے۔ اس طرح شیطان دوسرے کے لیے بدگمانی بھی پیدا کر دیتا ہے۔ دوسرا آدمی اس کے حق میں نیک ہو یا برا شیطان اسے برا ہی باور کرائے گا۔ بدگمانی اور کینے سے دوسرے کے لیے غم وغصے کے جذبات بھی پرورش پاتے ہیں۔ آدمی دوسروں کے سامنے اس شخص کی غیبت بھی کرتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب ایک ہی گھر میں رہنے والوں کے ایک دوسرے کے لیے ایسے جذبات ہو جائیں تو کیا کیا فتنے برپا ہوں گے؟ میاں بیوی کے جھگڑے ہوں یا بھائیوں کے جھگڑے وغیرہ، اکثر انہی برے جذبات کے نتائج ہیں۔

رسولِ پاک ﷺ نے اس کی تاکید فرمائی کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی شخص مجھ تک کسی کے متعلق کوئی بات نہ پہنچائے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو میرا دل صاف ہو۔ (ابوداؤد، 2/334)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے وصیت فرمائی کہ اے میرے پیارے بیٹے! اگر تجھ سے یہ ہو سکے کہ صبح وشام ایسے کرے کہ تیرے دل میں کسی کی طرف سے کھوٹ نہ ہو تو ایسا ہی کرنا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میری سنت میں سے ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔(مشکوٰۃ 307، مدنیہ)

بد گمانی اور بد ظنی کی مذمت آپ ﷺ نے یوں بیان فرمائی: اپنے کو برے گمان سے بچاؤ کیونکہ بد گمانی جھوٹا ترین گناہ ہے۔(أبوداؤد 2/331)

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: چغل خور جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

(ابوداؤد، 2/326)

ایک اور جگہ فرمایا: لوگو! مسلمانوں کی غیبت مت کرو اور ان کے عیوب کی تلاش میں مت رہو۔(ایضاً)

ان تمام تعلیمات کو عملاً بجالائیں تو گھروں میں برپا ہونی والی آفتیں ختم ہو جائیں گی۔

حقوق کی ادائیگی کی فکر اور وصولی میں در گزر کرنا:

آپ ﷺ نے دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید فرمائی، لیکن اپنے حقوق نہ ملنے پر انتقامی کاروائی کے بجائے عفوودر گزر کا درس دیا۔ فتح مکہ کے بعد ان کفار قریش کو جنہوں نے آپ ﷺ کو طرح طرح سے ستایا، معاف کر دیا۔ عرب کے بادیہ نشین (دیہاتی) آتے اور آدابِ مجلس کی رعایت کیے بغیر اس طرح مخاطب ہوتے جو آپ کے شایان شان نہ ہوتی، اس کے باوجود آپ ﷺ ان پر شفقت ومہربانی فرماتے کبھی

آپ ﷺ نے اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی شہادت آپ ﷺ کے الطافِ کریمانہ پر پیچھے گزر چکی ہے۔ ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ ایک عام فرد کی طرح گھل مل کر رہتے، اپنے حقوق کے درپے نہ ہوتے بلکہ دوسروں کی راحت رسانی کی کوشش فرماتے۔

حقوق کی مختلف قسمیں ہیں۔ لہٰذا ہر قسم کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام ضروری ہے۔ اپنے مسلمان بھائی بالخصوص اپنے قریبی اہلِ خانہ کی عزت، مال، امانتیں، سب کی حفاظت کا انتظام ہونا چاہیے۔ غیبت چغلی یعنی دوسروں کے سامنے اس کے برائیاں بیان کرنا وغیرہ امور سے قطعا بچنا چاہیے۔ اس سے دوسروں کی عزت محفوظ رہے گی۔ مالی حقوق کی ادائیگی بھی نہایت ضروری ہے۔ مالی معاملات میں اونچ نیچ کرنے سے دلوں میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف اگر میراث وجائیداد میں اپنا حق نہ ملا تو جائز حد تک اسے لینے میں حرج نہیں، لیکن اگر جھگڑے بڑھ رہے ہوں اور آدمی اپنے حقوق سے دستبردار ہو جائے تو اس کے لیے اجر وثواب بھی ہے۔

متواضع بننا:

باہمی جھگڑوں کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے جب آدمی اپنے آپ کو صاحبِ کمال سمجھنے لگتا ہے۔ اپنے کمال پر نظر ہونے کی وجہ سے آدمی دوسرے سے اپنے لیے عزت وتکریم کے رویے کی توقع کر رہا ہوتا ہے۔ اگر دوسری طرف سے اعزاز واکرام نہ ملے تو تکلیف ہوتی ہے اور غصہ آتا ہے۔ اسی غصے کے اظہار سے لڑائی جھگڑے وجود پاتے ہیں۔ اس جذبے کی اصلاح کے لیے ہمیں آنحضرت ﷺ کی شخصیت وکردار اور تعلیمات کو دیکھنا

چاہیے، جو دنیا میں کمالات کی بلندی پر فائز ہونے کے باوجود اپنی چال ڈھال سے اپنے آپ کو ممتاز نہیں فرماتے۔

حضرت عیاض بن حماد سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی کہ تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی شخص کسی پر ظلم نہ کرے اور نہ ہی کوئی کسی پر بڑائی ظاہر کرے۔(ابوداؤد 2/328)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے درمیان ایسے رہتے تھے جیسے ایک عام آدمی۔ اپنے کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے۔ بلکہ گھر کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے، بکری کا دودھ دوہ لیتے اور اپنا جوتا خود ہی سی لیتے۔ گھر سے باہر بھی آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ گھل مل کر رہتے اور اپنی مخدومیت ظاہر نہ فرماتے اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خود ہی آپ ﷺ کے قدموں میں نچھاور ہو رہے ہوتے۔ کوئی آپ ﷺ سے بات کرنا چاہتا تو اس کی بات توجہ اور دھیان سے سنتے اور کسی کی دل شکنی نہ فرماتے۔ فتح مکہ کے روز جب عرب کے سردار آپ ﷺ کے زیر نگیں تھے، آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں اس طرح داخل ہوئے کہ گردن عجز و نیاز کے ساتھ رب کریم کے لیے جھکی ہوئی تھی اور زبان پر حمدِ باری جاری تھی۔ آپ ﷺ نے تواضع اور عاجزی کو خود بھی پسند فرمایا اور امت کو بھی اس کی تعلیم دی۔ نشست و برخواست سے لے کر شادی بیاہ تک ہر جگہ آپ ﷺ نے متکبرانہ رویے کی نفی فرمائی۔

اولاد کی دینی تربیت کا اہتمام:

گھریلو فضا کو پرسکون بنانے کا ایک بڑا اہم اور مؤثر ذریعہ اولاد کی دینی تربیت کا اہتمام ہے۔ اولاد کو ایمان و اعمال کا پابند بنانے سے گھر کی فضا پاکیزہ بن جاتی ہے۔ آنحضرت

ﷺ کا ارشاد ہے: جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اسے نماز کا حکم کرو اور جب دس برس کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر مارو۔ آنحضرت ﷺ اپنے کم سن اعزہ اور خدام کو دینی نصائح فرماتے رہتے تھے، جس کے اثرات ان کی ساری زندگی پر محیط رہے۔ حضرت انس، حضرت حسن و حسین اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی متعدد احادیث میں ایسی پیاری باتیں موجود ہیں جنہیں ان صحابہ کے عہدِ طفولیت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔

اولاد کی دینی تربیت گھروں میں امن وعافیت کا سبب ہے اور اس سے بے توجہی گھروں کو جہنم بنا دیتی ہے۔ ہم نے حضورِ اکرم ﷺ کی سیرت وتعلیمات سے گھروں میں امن وسکون پیدا کرنے کے نسخے عرض کیے ہیں۔ ان سب کے ساتھ ساتھ زندگی کے تمام شعبوں میں آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا اتباع کیا جانا چاہیے۔ گھروں میں اسبابِ معصیت مثلاً ساز، باجے، تصاویر وغیرہ کی موجودگی اللہ تعالیٰ کی رحمت کو روکتی ہے۔ لہٰذا مکمل نبوی زندگی اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

Narrated Abū barzah:

The Prophet (PBUH) said: A group of people will be taken out from the graves on the day of judgment in such a condition that fire will be coming out from their mouths. He was asked: O Prophet! Who will be these people? He said: Don’t you know what Allah said: Those who take the money of orphans unjustly, they are putting fire in their abdomens, and they will soon enter in the hell.[22]

BIBLIOGRAPHY

Abū Dāwūd, Sulaymān b. Ash‘as. Sunan, Beirūt: Al-Maktabah al-Athariyyah, N.y.

Al Baghavī,Abū Muḥammad al Ḥusain.Mʿālim al Tanzīl(Tafsīr al-Baghavī),Beirūt:DārIḥyā al Turās,1420AH

Al-Bukhārī, Muḥammad b. Ismā‘īl. Kitāb al-Jami‘, al-Saḥīḥ. DārTauq al-Najāh, 1422 AH.

Ibn Kathīr, Abu’lFidāIsmā‘īl. Tafsīr al-Qur’ān al-‘Azīm. Beirūt: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyyah, 1419AH.

Muslim b. al-Ḥajjāj, Imām. Al-Musnad al-Saḥīḥ, al-Mukhtasar. Beirut: ’DārIhyā al-Turāth ‘al-Arabī, N-Y.

Al Nisāī, Aḥmad bin Shoaib.Sunan,Ḥalb:Maktab al Matbūʿāt al Islāmia,1406AH

Al Qārī, Alī bin Sultān.Mirqāt al Mafātīḥ with Mishkāt al Masābīḥ,Lebanon:Dār al Fikr,1422AH.

Al-Tirmizī, Abū ʹIsa al-Tirmizī ,Misr:Mustafā al-Bābī al-Ḥalabī, 1395 AH.

ʿUşmānī, Muḥammad Taqī. The Noble Qur’ān,Idarah al Mʿārif, Karachi

[22] Tafsīr ibn Kasīr,195:2

entitled to receive it, and whatever remains, should be given to the closest male relative of the deceased.[19]

Narrated Abū Huraira: The Prophet said, " If somebody dies (among the Muslims) leaving some property, the property will go to his heirs; and if he leaves a debt or dependants, we will take care of them.[20]

Before Islam, the woman was totally deprived of inheritance. It is the revolution brought by the Prophet of Islam that women were declared to have their rights in inheritance. In the era of ignorance, daughters and the male kids were not given their share in inheritance. Only the men who could fight with the enemies were considered to deserve for inheritance.

Similarly, the orphans had to suffer a lot as their adult relatives occupied all of the property and money of their parents. These customs were strictly banned by the Holy Qur'ān and women were also declared to deserve their share in inheritance. Jābir bin ʿAbdullah (Allah be pleased with him) narrates that the widow of Sʿad bin Rabī came to the Prophet (PBUH) and said: O Messenger of Allah! Sʿad participated in the battle of Uḥd and embraced Shahadat. These are his two daughters. Their uncle took their money and left nothing for them and these girls cannot be married without money. The verse of inheritance was revealed and The Prophet called the uncle of girls and ordered him to give 2/3rd of the money to the girls, 1/8th to the wife of Sʿad the remaining will be for the uncle of girls.[21]

The orphans were also deprived of their right. The Prophet strictly rejected this practice. He informed about the bad consequences of it

---

[19]Kitāb al Farāidh,Bāb Mīrās al walad min Abi hi wa Ummi hi,Ḥadīṣ:6732
[20] ibid,Bāb Mīrās al asīr,Ḥadīṣ:6763
[21]Tafsīr al Baghavī,579:1

where you are till I come back to you. He (the Holy Prophet) then moved on till he disappeared from my sight He (Abu Zarr) said: I heard a sound and I heard a noise. I said (to myself): The Messenger of Allah (may peace be upon him) might have met (mishap or an enemy). I wished to follow him but I remembered his command for not departing till he would come back. So I waited for him, and when he came I made a mention of what I heard. He said: it was Gabriel, who came to me and said: "He who dies among your Ummah without associating Anything with Allah will enter Paradise. I said: Even if he committed fornication or theft? He said: Even if he committed fornication or theft.[17]

Narrated ʿAbdullāh binʿUmar: The Messenger of Allah said when mentioning charity and that who refrain from asking: "The upper hand is better than the lower hand, the upper hand is that which gives and the lower hand is that which asks."

Narrated Abū Hurairah that the Messenger of, Allah said: "The best of charity is that which is given when you are self-sufficient, and the upper hand is better than the lower hand, and start with those for whom you are responsible.[18]

Inheritance: A Divine Gift

The law of inheritance is a unique system of principles which play a vital role in the well-being of weak classes. Inheritance is a source of transmission of wealth from one generation to another in an organized way.

Narrated Ibn 'Abbās: Allah's Apostle said, "Give the Fara'id (shares prescribed in the Qur'ān) to those who are

[17]Muslim,Bāb al Targhīb fī al Sadaqah,Ḥadīṣ:94
[18]Nisāī,Kitāb al Zakāt,Bāb al Sadaqah ʿan Zahri Ghinan,Ḥadīṣ:2535

resources of Allah). Don't you see what (an enormous amount of resources) He has spent since He created the heaven and the earth, and what is in His right hand has not decreased? His Throne is upon the water. And in His other hand is death, and He elevates and degrades (whom He likes)[15]

Şaubān reported Allah's Messenger (may peace be upon him) as saying:

The most excellent dinār is one that a person spends on his family, and the dinar which he spends on his animal in Allah's path, and the dinar he spends on his companions in Allah's path. Abu Qilaba (one of the narrators) said: He (the narrator) started with family, and then Abu Qilaba said: Who is the person with greater reward than a person who spends on young members of his family (and thus) preserves (saves them from want) (and by virtue of which) Allah brings profit for them and makes them rich[16].

Abū Zarr reported: I walked with the Messenger of Allah (may peace be upon him) on the stony ground of Medina in the afternoon and we were looking at Uhud. The Messenger of Allah (may peace be upon him) said: Abū Zarr! I said: Messenger of Allah, I am here at thy beck and call. He said: What I desire is that gold equal to the amount of Uhud is with me and three nights should pass, and no dinār is left with me but one coin which I would keep to pay the debt. (I love) to spend it among the servants of Allah like this and he pointed in front of him, and on his right side and on his left side. We then proceeded on and he said: Abū Zarr. I said: At thy beck and call, Messenger of Allah. He (the Holy Prophet) said: The rich would be poor on the Day of Resurrection, but he who spent like this and like this and like this, and he pointed as at the first time. We again went on when he said. Abū Zarr, stay

---

[15]Muslim,Bāb al Ḥis ʿalā al Nafaqah,Ḥadīṣ:993

[16]Muslim,Bāb Fadhl al Nafaqah ʿalā al ʿayāl wal mamlūk,Ḥadīṣ:994

Narrated Zubair bin Al-ʿAwwām: The Prophet said, "One would rather take a rope and cut wood and carry it than asking others)."[13]

These teachings are clear in that one should not shy in doing work. Sometimes a man does not get the work of his desired standard. In such a condition, instead of losing heart, effort should be continued in the earning of Ḥalāl. Whatever the source of ḥalāl income is got, it should be utilized and have good hope from Allah.

The sīrah of the Holy Prophet (PBUH) guides us to become useful members of society. These guidelines develop the courage to play an active role which eventually results in the establishment of a welfare state.

Sadaqah (The Supererogatory Charity):

Along with the obligatory system of zakāt, the Prophet (PBUH) motivated for the charity in the form of sadaqāt al nāfilah. He announced the virtues of giving money in the path of Allah. People asked him what should be spent for the sake of Allah.He was directed to answer as:

And they ask you as to what they should spend. Say, "The surplus." This is how Allah makes His verses clear to you, so that you may ponder[14]

Charity is a very prominent aspect in the sīrah of the Prophet (PBUH). He himself used to give the sadaqah and directed his family members to make it a habit.

Abu Hūraira reported Allah's Messenger (may peace be upon him) as saying Allah said to him: "Spend, I will bestow upon you." And the Messenger of Allah (may peace be upon him) said: The right hand of Allah is full and spending (the riches) liberally during day and night will not diminish (the

---

[13] ibid,Ḥadīṣ:2074

[14] Al Baqarah:219

Today, the destruction of socialism and capitalism is clear before the world. Capitalism is on its way to falling after socialism. The capitalist thinking has produced a culture of selfishness and immodesty by giving limitless freedom to the gain of the benefit. Whereas the Prophet(PBUH) has blessed us with an economic system which is based upon the prohibition of interest and other solid limitations.

Motivating for Earning Ḥalāl

The welfare of a society cannot be achieved if a large number of people in society are used to put their economic burden upon others. The Prophet (PBUH) motivated for earning ḥalāl and declared it as an obligatory duty. He himself did trade and took care of goats before the prophethood. His companions worked on farms and did trade. ʿOmer (Allah be pleased with him) had divided days with another companion. Both of them used to work and came to the Prophet on alternate days. Other companions also had their sources of income. ʿĀisha (Allah be pleased with her) narrates while describing the perspective of Jumʿah bath:

> The companions of Allah's Apostle used to practice manual labor, so their sweat used to smell, and they were advised to take a bath.[11]

On the other hand, begging is highly disliked. Although, one can ask from others in the circumstances of extreme necessity but humiliating one's own personality because of mere sluggishness is considered a bad act in sharīʿah. The Prophet emphasized it so much so that he said:

Narrated Al-Miqdām: The Prophet said, "Nobody has ever eaten a better meal than that which one has earned by working with one's own hands. The Prophet of Allah, Dāwūd used to eat from the earnings of his manual labor.[12]

---

[11]Bukhārī,Bāb Kasb al Rajul wa ʿamaluhu bi Yadihi,Ḥadīṣ:2071

[12] ibid,Ḥadīṣ:2072

whence we proceeded on till we reached a river of blood, where a man was standing, and on its bank was standing another man with stones in his hands. The man in the middle of the river tried to come out, but the other threw a stone in his mouth and forced him to go back to his original place. So, whenever he tried to come out, the other man would throw a stone in his mouth and force him to go back to his former place. I asked, 'Who is this?' I was told, 'The person in the river was a Riba-eater."[8]

Narrated 'Aun bin Abū Juhaifa: My father bought a slave who practiced the profession of cupping. (My father broke the slave's instruments of cupping). I asked my father why he had done so. He replied, "The Prophet forbade the acceptance of the price of a dog or blood, and also forbade the profession of tattooing, getting tattooed and receiving or giving Riba, (usury), and cursed the picture-makers."[9]

It is evident from the above-mentioned narrations that ribā (usuary) is strictly impermissible. Besides many adverse effects of ribā on society as a whole, it causes damage to the low socioeconomic class of the society and strengthens the class on the other hand which increases the tension within the society. The prohibition of ribā is key to the welfare of the weak classes and society in general. Look at the great wisdom of the Holy Prophet (PBUH):

Narrated Ibn Masʿūd (Allah be pleased with him)

Ribā whether in excess but its result takes towards deficiency.[10]

All of these narrations reflect the wisdom of the prophethood.

---

[8]Bukhārī,Bāb Ākil al Ribā wa Shāhidihi wa Kātibihi,Ḥadīṣ:2085

[9] ibid,Bāb Mūkil al Ribā.Ḥadīṣ:2086

[10]Mishkāt,Kitāb al Buūʿ,Ḥadīṣ:2827

The Prohibition of Ribā (Interest):

Ribā (usuary) or interest has been strictly prohibited by the messenger of Allah. Ribā, whether it is taken on loan i.e.Ribā al Qur'ān or taken in trade i.e. Ribā al Hadīth, is forbidden.

The Holy Qur'ān rejects ribā as:

Allah destroys ribā and nourishes charity.[5]

It has been narrated from many companions of the Prophet (PBUH) that equality is necessary for the exchange of wheat to wheat, barley to barley, date to date, salt to salt, gold to gold and silver to silver. The jurists have declared it impermissible to sell and buy similar things in such a way that one thing is conditionally more in quantity than others. They base their arguments on the following teachings of the Prophet :

Abu Sʿīd al-Khudrī reported Allah's Messenger (may peace be upon him) as saying: Do not sell gold for gold, except like for like, and don't increase something of it upon something; and don't sell silver unless like for like, and don't increase something of it upon something, and do not sell for ready money something to be given later.[6]

Abu Huraira (Allah be pleased with him) reported Allah's Messenger (may peace be upon him) as saying: Dates are to be paid for by dates, wheat by wheat, barley by barley, salt by salt, like for like, payment being made on the spot. He who made an addition or demanded an addition, in fact, dealt in usury except in the case where their classes differ.[7]

Narrated Samura bin Jundab: The Prophet said, "This night I dreamt that two men came and took me to a Holy land

---

[5] Al Baqarah:276

[6]Muslim,Bāb Baiʿal Sarf wa Baiʿ al Zahb bil Waraq Naqdan,Ḥadīṣ:1586

[7]ibid,,Ḥadīṣ:1588

I heard the Prophet (PBUH): The money of zakāt does not mix with the other money but damages it.[4]

It is because of this emphasis described by the Prophet (PBUH) that Abū Bakr (Allah be pleased with him) prepared for battle with those tribes who refused to give zakāt. He clearly stated that he would fight with them if they would refuse to give even a single rope which they used to give in the era of the Prophet (PBUH).

Today if there is an organized system of receiving and paying of zakāt at the level of government, it can be assured that poverty and begging can be controlled along with other economic issues. Otherwise, a class will be intoxicated in the accumulation of wealth, and another class will be looking for even the basic needs of life.

Amongst the great benefits of zakāt, some are as follows:

1. It motivates the feelings of sympathy, and one gets a chance to practically solve the needs of others.
2. The greediness is corrected, and adherence to money is brought within permissible limits. Everybody has an inbuilt love for money. This love if exceeds the limits, moral and economic havoc is created which pushes the society towards instability. Spending money as zakāt normalizes the attachment of a person with money and property.
3. The poor members of society get sources of income through the circulation of wealth. In the absence of a divine system of zakat, people will have a high tendency of earning money through impermissible ways.
4. The conflict of classes will stop if zakāt is given properly. People from different socio-economic classes will co-operate each other in the achievement of welfare.

---

[4]Mishkāt,Kitāb al Zakāt,Ḥadīṣ:1793

are deprived of this. It enables the poor persons to benefit from the surplus money of rich persons.

Following are some narrations which elucidate the importance of zakāt:

Narrated Abu Huraira:

Allah's Apostle said, Whoever is made wealthy by Allah and does not pay the Zakat of his wealth, then on the Day of Resurrection his wealth will be made like a bald-headed poisonous snake with two black spots over the eyes. The snake will encircle his neck and bite his cheeks and say, 'I am your wealth, I am your treasure.' Then the Prophet recited the holy verses:-- 'Let not those who withhold . . .' (to the end of the verse). (3.180). [1]

Narrated Jābir bin 'Abdullah, I gave the pledge of allegiance to the Prophet for offering prayer perfectly giving Zakāt and giving good advice to every Muslim.[2]

Abū Huraira reported: The Messenger of Allah (may peace be upon him) sent Umar for (collecting) Sadaqa (zakāt), and it was said that Ibn Jamīl, Khālid b. Walīd and 'Abbās the uncle of the Messenger of Allah (may peace be upon him), refused (to pay it). Upon this, the Messenger of Allah (may peace be upon him) said: Ibn Jamīl is taking revenge but for this that he was destitute and Allah made him rich. As regards Khālid, you are unjust to Khālid, for he reserved his armors and weapons for the sake of Allah, and as for 'Abbās, I shall be responsible for it and an equal amount along with it. And he again said: 'Umar, bear this in mind, the uncle of a person is like his father.[3]

Narrated ʻĀishah (Allah be pleased with her):

---

[1]Bukārī,Kitāb al Zakāt,Bāb Işm Māniʿ al Zakāt,Ḥadīṣ:1403

[2]-ibid-,Bāb al Baiʿt ʿalā ītā al Zakāt,Ḥadīṣ:1401

[3]Muslim,kitāb al Zakāt,Bāb Taqdīm al Zakāt wa manʿihā,Ḥadīṣ:983

THE WELFARE OF THE WEAK CLASSES IN THE LIGHT OF THE HOLY SĪRAH

The welfare of society is a consequence of the welfare of individuals existing in society. A line of demarcation between the segments of the society results in moral and socioeconomic havoc and catastrophe. The life and teachings of the Prophet (PBUH) provide us a complete package of guidance for the sustainable development of the society. The sphere of the activities of the Holy Prophet encompasses the society as a whole and especially the weak segments of the society. The weak segments of the society are those who because of physical or social reasons depend upon others in getting their rights. These are:

-Orphans
-Women in general especially widows
-The Handicapped persons
-Poor people with low socioeconomic background etc.

These people deserve special attention in stimulating them to play their effective role in the creation of a healthy and peaceful environment. This article will focus on the welfare of the weak classes in light of the teachings and life of the Prophet (PBUH).

Zakāt-A Divine system of the Circulation of Wealth

The most important step taken by the Prophet (PBUH) for the welfare of the weak classes is the implementation of zakāt system. The system of zakāt is a unique gift by the Prophet (PBUH) which signifies the Islamic justice and equality. Zakāt is included in the five basic pillars of Islam and the one who denies it is considered to be out of the circle of Islam. Zakāt is obligatory on the annual savings of those persons who have a certain amount of money. Only two and a half of this annual saving is to be given to those people who

مصنف کی دیگر کتب